تصوف
تلاشِ احسن کی ہمہ گیر تحریک

محمد فیاض صدیقی

جذبہ صـ281

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف
تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

تصوّف

تلاشِ احسن کی ہمہ گیر تحریک

مرتب
ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

شعبۂ تحقیق و اشاعت

محی الدین اسلامی یونیورسٹی (نیریاں شریف) تراڑکھل آزاد کشمیر

ضابطہ :- مئی ۲۰۰۰ء

کتاب : تصوف اور تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

مرتب : ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

تعداد : ایک ہزار

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس

سرورق : عمار انجم

کمپوزنگ : محمد عابد علی

تزئین : ہم خیال پبلشرز

رحیم سنٹر فرسٹ فلور پریس مارکیٹ

امین پور بازار فیصل آباد 645830 613729

اہتمام : شعبۂ تحقیق و اشاعت

محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف

آزاد کشمیر

قیمت : ۳۰۰ روپے

انتساب

حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی علیہ الرحمتہ
کے نام، جن کے فیض نے نیریاں شریف
کے سنگلاخ کو وادی ایمن بنا دیا

فہرست

مقالات تصوف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○

(سورہ النور:۳۷)

"وہ مرد کہ جنہیں تجارت اور لین دین اللہ تعالیٰ کے ذکر' نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہ کرے' وہ اُس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔"

حرف چند

محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف' صیانت عقیدہ' اشاعت دین اور ترویج علم و فن کا ایک ایسا مرکز ہے جہاں سے ملت اسلامیہ کے لئے علمی' فکری' اخلاقی اور معاشرتی اقدار کے تحفظ کی تحریک کا آغاز ہوا' ذہنی مرعوبیت' علمی افلاس اور معاشی جبر کے خلاف ایک بھرپور جدوجہد' اس نوخیز یونیورسٹی کا ہدف ہے' تاریخ عالم کا طالب علم جب عصر حاضر کے تناظر میں پیش آمدہ مشکلات کا تجزیہ کرتا ہے تو وہ اس حقیقت کے ادراک میں کوئی الجھن محسوس نہیں کرتا کہ دور حاضر کا المیہ' ارسال معلومات میں کوتاہی نہیں اسلئے کہ آگہی کی ہر سہولت انسان کو میسر ہے' سالوں بلکہ صدیوں کی کاوش لمحوں میں اسیر ہو گئی ہے' باخبری کی چکاچوند ہے' فکرونظر کی دسترس ہمہ جہت بھی ہے اور لائق اعتماد بھی' اس وسعت فکر کا نتیجہ تو یہ نکلنا چاہیئے تھا کہ انسان خوشحال ہوتا' اُسے بہر جانب آسودگی حاصل ہوتی مگر ایسا نہ ہو سکا' دور جدید کا انسان' پریشان حال بھی ہے اور درماندہ بھی' وہ اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کی خواہش لئے در' در پر دستک دے رہا ہے' مادیت سے لتھڑے ہوئے درندہ صفت افراد اُس کا استیصال بھی کر رہے ہیں اور اُس کی عزت نفس کو مجروح بھی'

انسان خوش کن سرابوں میں الجھا ہوا ہے، مظلوم کراہ رہے ہیں، خاک نشین نوحہ خواں ہیں اور کمزوروں کی چیخیں آسمان گیر ہیں، علم ایک زیور ہے، تکمیل ذات کا جوہر ہے، مگر آج کے طالب علم کو خاک بازی کا درس دیا جا رہا ہے اور یہ شرف و منزلت، انسان پروری کی بجائے انسان سوزی کا ذریعہ ہے، علم، مفادات کے گرداب میں ہے اور عقل، خودنگری کے حصار میں، ایک کرب مسلسل انسانی جذبوں کو نوچ رہا ہے، شاید اسی نفسا نفسی کی نجاستوں سے دل برداشتہ ہو کر حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کو کہنا پڑا تھا۔

زمن گیر ایں کہ مرد کور چشمے
ز بینائے غلط بینے نکوتر
زین گیر ایں کہ نادانے نکو کیش
ز دانش مند بے دینے نکوتر

اس درد کا درماں کرنے کی خاطر، اور جوہر انسانیت کی تابناکی کی خواہش کے پیش نظر، محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف کا قیام عمل میں لایا گیا، ہمیں یقین ہے کہ نبی رحمت ﷺ کا اُسوہ حسنہ اور آپ کا سرمدی پیغام ہر دور کے انسان کے لئے فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہے، حیات رحمتہ اللعالمین ﷺ، ہمہ گیر بھی ہے اور جاوداں بھی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی، تعلیمی اور روحانی زندگی کا حسن آپ کی نظریاتی راہنمائی اور عملی راہبری سے ہی سدا بہار ہے، جس خوش قسمت انسان نے اس وسیلہ نجات سے تعلق اُستوار کیا، وہ خود بھی کامیاب ہوا اور دوسروں کے لئے بھی منارِ نور بنا، صحابہ کرام علیہم الرضوان اسی شجر فلاح کے خوشہ چین تھے، صوفیاء کرام، اس سلسلة ذہب کے درخشندہ موتی اور اس قافلہ خیر کے تابدار حوالے ہیں، ان کی بے لوث

خدمات کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیا میں عافیت کدوں کا اک جہان آباد ہے۔ ایسا ہی اک جہان خیر، نیریاں شریف میں آباد ہوا ہے۔

خواجہ غلام محی الدین غزنوی علیہ الرحمتہ (م ۱۲۹۵ء / ۱۹۷۰ء) جو حضرت خواجہ قاسم موہڑوی علیہ الرحمتہ (م ۱۳۶۲ء / ۱۹۴۳ء) کے نامور خلفاء میں سے تھے۔ اسی قافلہ نور کے درخشندہ ستارے تھے، آپ کا دل، نور نبوت کی ضیاء پاشیوں سے مستنیر تھا۔ نقشبندی نسبت اور مجددی طرز حیات نے شریعت مطہرہ کا سچا پیروکار بنا دیا، اتباع شریعت کی لگن نے آپ کو قرآن و حدیث کے سرچشموں اور واصلان حق کے آستانوں سے ایک سرمدی قرب عطا کر دیا، علم دین کی تلاش، شرع مبین کی اشاعت اور رزق حلال کی تگ و دو آپ کا زندگی بھر مشن رہا، یہ ذوق آپ کے جانشین زیب سجادہ حضرت پیر علاؤ الدین صدیقی مدظلہ کو یوں منتقل ہوا کہ ان کی کاوشوں اور شب و روز محنت سے نیریاں شریف کی دور افتادہ سنگلاخ سرزمین کی سربفلک چوٹی پر "محی الدین اسلامی یونیورسٹی" کا جھومر دمکنے لگا، یہ یونیورسٹی آپ کے جہد مسلسل کا ثمر، نیک تمناؤں کی تعبیراور علم و دانش کی وہ حسین درسگاہ ہے جہاں علم، واردات میں ڈھلتا ہے، جہاں مادی علوم اور روحانی علوم کی تدریس کا متوازن انتظام ہے، یہ ایک دعوت اور ایک مشن ہے، اس دعوت اور اس مشن کی وسعت پذیری کے ادراک کے لئے ایک روزہ "خواجہ غلام محی الدین غزنوی سیمینار" کا اہتمام کیا گیا، خواہش تھی کہ یہ سیمینار، علمی و روحانی رابطوں کے لئے ایک تحریک اور تلاش احسن کے ذوق کی افزونی کے لئے مہمیز ثابت ہو، اس مقصد کے لئے تمام اہل علم و دانش اور صاحبان قلم و قرطاس کو دعوت دی گئی، مجھے یہ اظہار کرتے ہوئے خوشی ہے کہ راستوں کی پیچیدگی، سفر کی طوالت اور سہولتوں کے فقدان کے باوجود بہت سے اصحاب علم نے ہماری دعوت کو شرف پذیرائی بخشا اور تشریف لائے اور اپنے زریں خیالات سے حاضرین و سامعین

کو محظوظ فرمایا' یہ بھی مسرت آفریں حقیقت ہے کہ معزز مہمانوں نے ہماری میزبانی پر اطمینان کا اظہار فرمایا' یونیورسٹی کے قیام کو ایک انقلابی اقدام قرار دیا' حضرت پیر علاؤ الدین صدیقی مدظلہ کے عہد ساز کارنامے پر دل کھول کر داد دی اور سیمینار کے انعقاد اور موضوع گفتگو پر مبارک باد پیش کی' مہمانان گرامی نے اپنے جذبات تحریری شکل میں محفوظ کئے' ان جذبات میں کارکنان ادارہ کے لئے پر خلوص تمنائیں ہیں' تشکر و امتنان کے حوالے سے ان آراء میں سے چند ایک کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف کے زیر اہتمام "خواجہ غلام محی الدین غزنوی سیمینار" ۱۲۔ جون ۱۹۹۹ء بوقت ۱۰ بجے صبح شروع ہوا' نماز ظہر اور نماز عصر کے مختصر وقفوں کے علاوہ نماز مغرب تک مسلسل جاری رہا' صدارت حضرت پیر علاؤالدین صدیقی مدظلہ' چانسلر یونیورسٹی نے فرمائی' سیمینار کے موضوعات تھے۔

۱۔ تصوف۔۔۔ تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک
۲۔ صوفیاء کرام کا طریق دعوت۔۔۔ تاریخی تناظر میں
۳۔ تقویم عقائد اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ
۴۔ صوفیانہ ادب۔۔۔ تجزیاتی مطالعہ
۵۔ حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنوی ؒ کی تعلیمی و تبلیغی مساعی۔۔۔ ایک جائزہ

مقالہ نگار اور اصحاب علم جو شریک بزم ہوئے' یونیورسٹی' یونیورسٹی کے چانسلر اور بانی اور سیمینار کے حوالے سے رقمطراز ہیں: (صرف چند اقتباسات)

ڈاکٹر ضیاء الحق یوسف زئی چیئرمین شعبہ عربی' نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

"نیریاں شریف کے اس روحانی اور علمی مرکز میں آکر روح و قلب میں ایک عجیب مسرت اور خوشی محسوس ہوئی' اس پر فتن دور میں ایسے مرکز کا وجود اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے' اتنے دور اُفتادہ اور ہر طرف پہاڑوں میں گھرے ہوئے علاقہ میں اتنا بڑا روحانی اور علمی مرکز قائم کرنا جو کہ روحانی و عملی امتیاز کے ساتھ ساتھ ظاہری ساخت میں بھی ایک شان رکھتا ہے یقیناً حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک زندہ کرامت ہے اور آپ کے فرزند رشید حضرت پیر علاؤالدین صدیقی صاحب داست برکاتھم کی علم دوستی' اخلاص اور عشق رسول ؐ کا ثمرہ ہے۔

--- یہ دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی کہ مزار مبارک کے آداب و تعظیم میں شریعت کی پابندی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یونیورسٹی میں پہلا سیمینار جو کہ تصوف کے موضوع پر تھا نہائت منظم طریقے سے مرتب کیا گیا۔"

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر سابق ڈین / پرنسپل / پروفیسر و صدر شعبہ عربی اورئنٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور

"بہت خوبصورت' بارونق اور صحت افزا محل وقوع ہے' تعلیمی اداروں کے لئے ایسی جگہ نہائت موزوں اور مفید ہے' حضرت پیر علاؤالدین صدیقی صاحب ایک عالم باعمل اور شفیق انسان ہیں' اُن کی مشفقانہ سرپرستی اور اخلاص عمل کسی بھی علمی منصوبے کی ضمانت ہے' وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی بھی ایک باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں' ان کا علم و تجربہ' متواضعانہ طریق عمل' تدبر اور انتظامی صلاحیت اس عظیم الشان ادارے کے لئے نیک فال ہیں۔"

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری' شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری

گیٹ لاہور

"علمی، تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی مراکز سے دور دراز پہاڑ کی چوٹی پر نیریاں شریف میں محی الدین یونیورسٹی کا قیام ہی محیرالعقول ہے، پھر اس یونیورسٹی میں ملک بھر کے ارباب علم و قلم کو "خواجہ غلامی محی الدین غزنوی سیمینار" میں جمع کر دینا بہت بڑا کارنامہ ہے، اس پہلے سیمینار کو تصوف سے معنون کرنا اس یونیورسٹی کے لئے نیک فال ہے۔"

ڈاکٹر حافظ عبدالغنی شیخ عادل، ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف لینگویجز، یونیورسٹی آف سندھ جامشورو

"الحمد اللہ تصوف کے موضوع پر یہ سیمینار کامیاب رہا، انتظامات بہترین رہے، علماء اور سکالرز کی تعداد دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ وہ تصوف کے ذریعے سے انقلاب لانا چاہتے ہیں۔"

ڈاکٹر تصدق حسین راجا، ریٹائرڈ ڈائریکٹر دارالترجمہ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔

"سیمینار اپنے موضوعاتی اعتبار سے نہایت مفید اور کامیاب رہا۔ مقالات کا مجموعی معیار نہائت اعلیٰ تھا۔"

غلام عبدالحق محمد، ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

"نیریاں شریف میں قائم کردہ محی الدینؒ اسلامی یونیورسٹی دیکھ کر نہائت قلبی اطمینان نصیب ہوا پر شکوہ پہاڑوں میں یونیورسٹی کی عمارات نہائت خوبصورت نظر آتی ہیں۔ محترم و مکرم پیر علاؤ الدین صدیقی صاحب قابل صد مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اسلاف کی روایات کے مطابق اعلیٰ تعلیمی ادارہ قائم فرمایا اور محترم ڈاکٹر اسحاق

قریشی صاحب کی سربراہی اعلیٰ معیار کی ضمانت ہے۔"

ڈاکٹر محمد اختر چیمہ، پروفیسر و صدر شعبہ فارسی، گورنمنٹ کالج فیصل آباد

"محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف آزاد کشمیر میں منعقدہ "خواجہ غلام محی الدین غزنوی سیمینار تصوف اسلامی کے حوالے سے ایک اہم ریفرنس کی حیثیت رکھتا ہے۔"

سید محمد اشرف کاظمی ڈائریکٹر امور دینیہ آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر

"سیمینار کا پروگرام نہائت مثالی رہا، مقالات نہائت علمی و فکری و تحقیقی تھے۔۔۔ تصوف پر توجہ دینا وقت کی اہم ضرورت اور موجودہ ماحول و معاشرہ کے بگاڑ کا صحیح علاج بھی۔ جناب مبلغ اسلام حضرت پیر صاحب سجادہ نشین نیریاں شریف اور فرید العصر علامہ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب نے اسلامی یونیورسٹی کی منزل کی جو نشان دہی کی ہے اور جو فکر دیا ہے، وہ بے مثال و لازوال ہے۔"

مولانا محمد صدیق ہزاروی جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

"الحمد اللہ کانفرنس کے انتظامات ہر اعتبار سے قابل تحسین تھے۔ حضرت ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے جس ژرف نگاہی سے اہل علم کا انتخاب کیا وہ قابل ستائش ہے۔"

حسن الدین اعوان چیف ایگزیکٹو ہفت روزہ احتساب انٹرنیشنل اسلام آباد

"خواجہ غلام محی الدین غزنوی سیمینار، کا انعقاد ایک بہترین کاوش تھی۔"

محمد اسلم الوری ڈپٹی ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل اسلام آباد

"سیمینار اپنے حسن انتظام اور اہمیت و افادیت کے حوالے سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔"

ڈاکٹر دل محمد ساجد لیکچرار عربی/ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج پلندری آزاد کشمیر

"آج کے اس مادی اور اضطراب سے بھرپور دور میں یونیورسٹی ہذا جن اہداف کے حصول کے لئے قائم کی گئی اور دین اسلام کی ترویج کے لئے جو مساعی جلیلہ اس سے صادر ہو رہی ہیں، وہ قابل صد تحسین ہیں۔"

ڈاکٹر قاضی محمد مبارک سابق ڈین فیکلٹی آف عربی و علوم اسلامیہ پشاور یونیورسٹی پشاور

آپ نے عربی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا: فرماتے ہیں

۱۔ اِنِّی وَجَدْتُ بِیْئَۃً عالَمِیَّۃً صَالِحَۃً اِسْلاَمِیَّۃً بِالْمَعْنیٰ الکامل حَیْثُ اَنَّ کُلَّ عَمَلٍ کَانَ ھُنَاکَ وِفْقَ الشَّرِیْعَۃِ الْاِسْلاَمِیَّۃِ

۲۔ کَمَا وَجَدْتُ اَنَّ الشَّیْخَ الْمُحْتَرَمَ نَصَبَ عَیْنَہٗ وَبَذَلَ جُھُوْدَہٗ لِنَشْرِالْاِسْلاَمِ وَخِدْمَتِہٖ بِالْمَعْنَی الصَّحِیْح لاَ یفتر عَنْ ذٰلِکَ حَتّٰی لِدَقِیْقَۃٍ وَاحِدَۃٍ۔

۳۔ وَوَجَدْتُ ثَمَارَ جُھُوْدِہٖ ھٰذَا مُجَسَّمَۃً فِیْ اِنْشَاءِ جَامِعَۃٍ اِسْلاَمِیَّۃٍ تَقُوْمُ بِنَشْرِ الْھِدَایَۃِ فِیْ بَاکِسْتَانَ خَاصَۃً وَفِی بِلاَدِ الْعَالَم عَامَۃً۔

ترجمہ: ۱۔ میں نے خالص اسلامی ماحول پایا جہاں تمام اعمال شریعت اسلامیہ کے مطابق انجام پا رہے ہیں۔

۲۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ شیخ محترم (حضرت پیر صاحب) نے اپنی تمام کاوشیں اسلام کی اشاعت و خدمت کے لئے وقف کر رکھی ہیں حتیٰ کہ آپ اس مقصد سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں۔

۳۔ میں نے آپ کی محنت و کاوش کو ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی شکل میں دیکھا جو پاکستان میں خصوصاً اور پوری دنیا میں عموماً ہدایت کی اشاعت کر رہی ہے۔"

اور آخر میں ایک ایسا تبصرہ جو ہمارے ارادوں کے لئے تحریک اور ہماری جدوجہد کا عالمانہ اعتراف ہے۔

پروفیسر محمد جمیل قلندر ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ عربی نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز۔ اسلام آباد۔

"محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف کے زیر اہتمام "خواجہ غلام محی الدین غزنوی سیمینار" سے متعلق پہلے پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کا لکھا ہوا تعارف نامہ ملا جو حسن صوری و معنوی کے لحاظ سے موتیوں کی لڑی ہے' سیمینار میں شرکت کی نیت سے آغاز سفر سے لے کر منزل سفر تک حسن استقبال' حسن اکرام ضیف' حسن اقامت اور حسن انتظام و ترتیب کے تجربے کئے یہ حسین و جمیل لمحات ہمیشہ یاد رہیں گے۔ نیریاں کے پہاڑ کی چوٹی پر محی الدین اسلامی یونیورسٹی کی حسین و جمیل عمارت کے پہلو میں اس قسم کے سیمینار کا دھڑکتا ہوا دل علم' عمل اور عشق کا "سہ منارہ" تھا جس کی ضیا پاشی سے یہ بقعہ وادی ایمن بنا رہا' جس کا سہرا حضرت پیر محمد علاؤالدین صدیقی مدظلہ کی جامع عشق و علم شخصیت' پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے حسن تدبیر اُمور اور اُن کے رفقاء کی ٹیم کے حسن تعاون کے سر جاتا ہے' یہاں آ کر یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی کہہ رہا ہے: اِخلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔"

ان محققین کے یہ جذبات ہمارے لئے زادِ سفر ہیں' ان شاء اللہ تعالیٰ ہم حضرت پیر صاحب کی راہنمائی و سرپرستی میں اپنی مقدور بھر کوشش جاری رکھیں گے اور محی الدین اسلامی یونیورسٹی کو ایک مثالی تعلیمی و تدریسی ادارہ

بنانے کے عزم کے ساتھ پیش قدمی کرتے رہیں گے تاکہ یہ یونیورسٹی مرکز علم و فن بنے اور اس میں اشاعت علم اور تعمیر کردار کا مشن جاری رہے۔ میں تمام شرکاء سیمینار کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے ہمارے حوصلوں کو اپنی تشریف آوری سے اعتماد بخشا' میں یونیورسٹی کے اساتذہ جن میں محی الدین کالج اور محی الاسلام ہائی سکول کے تمام اساتذہ شامل ہیں کو اس عمدہ کارکردگی پر سپاس محبت پیش کرتا ہوں۔ دفتری عملہ محافظ عملہ اور مطبخ کے کارپردازان بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں' خواجہ غلام محی الدین غزنوی علیہ الرحمتہ کا سارا گھرانہ ہماری عقیدتوں کا مرکز ہے اُن کی سرپرستی سے ہی یہ مرحلہ آسان ہوا' حضرت پیر علاؤالدین صدیقی مدظلہ کی توجہ' نظر کرم اور نگاہ اعتماد ا ام پیش رفت کی روح و رواں ہے' اللہ تعالیٰ اُن کو مزید استقامت ہمہ جہت صحت و تندرستی سے نوازے کہ یہ یونیورسٹی اس مرد خوش خصاص کی کرامت ہے' برادر عزیز صاحبزادہ شمس العارفین صاحب کا تعاون ۔ حاصل رہا اللہ تعالیٰ اُنہیں شاد و آباد رکھے جناب کے ایم' زاہد ہمارے ساتھی بھی ہیں اور ہمہ تن متحرک مشیر بھی' اس موقعہ پر اپنے مرحوم ساتھی پروفیسر مبشر احمد پرنسپل محی الدین کالج کا ذکر بھی ضروری ہے کہ سیمینار کے انتظامات میں وہ ہمہ تن پیش پیش رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں گوشہ عافیت عطا فرمائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے اس مادر علمی کو مزید رونقیں نصیب فرمائے اور ہمیں اُن کاموں کی توفیق بخشے جن میں اُس کی رضا ہے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا۔ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمْ

محی الدین اسلامی یونیورسٹی (نیریاں شریف)

افتتاحی کلمات

پیر علاؤالدین صدیقی مدظلہ
چانسلر محی الدین اسلامی یونیورسٹی
نیریاں شریف، آزاد کشمیر

تصوف

جناب پیر علاؤالدین صدیقی مدظلہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ' قَالَ اللّٰهُ جَلَّ شَانُهٗ فِيْ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ: فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِي يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا' اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیدنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِك وَسَلِّم عَلَيْهِ۔ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ ٥

لائق صد تعظیم محی الدین اسلامی یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب عالی مرتبت جناب عبدالوحید صدیقی صاحب جسٹس اسلامی وفاقی عدالت اسلام آباد۔ جمیع مقتدر' محترم و محتشم صاحبان علم و قلم جامع طریقت و شریعت معزز ارباب طریقت آج کا یہ پروگرام اس میں شبہ نہیں کہ اپنے دامن میں گوناگوں مسائل کو جمع کئے ہوئے ہے۔ اور ان پاکیزہ مسائل کا تعلق ساری امت کے ساتھ ہے۔ روحانی پریشانیوں' ذہنی اضطراب' قلبی بے روی جنون اور ہیجان کے جامع مسائل کے حل کے لئے اس پروگرام

کو ترتیب دیا گیا ہے' میں اس مذہبی دینی اور دنیاوی علم کے مرکز کے روح رواں جناب وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے وقت پر دھیان دیا حالات کی نبض ٹٹولی اور ایک عنوان پر اہل قلم اہل علم حضرات کو مدعو فرما کر آنے والی نسل انسانیت کی تسکین کے لئے ایک جامع اور مربوط پروگرام بنایا۔ اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے آپ حضرات کو مدعو فرمایا' علم کے دانش کدے تصوف سے خالی ہوں اور صوفیاء علم شریعت سے خالی ہوں تو ناکامی قدم قدم پر رکاوٹ کا باعث بنتی ہے' تصوف علم شریعت کا محتاج ہے اور علم شریعت کے فیضان کو تقسیم کرنے کے لئے تصوف ضروری ہے' جو علماء کرام تصوف سے عاری ہیں اور جو صوفی علم شریعت سے خالی ہیں وہ یہ پیغام اسلام لوگوں کی روحوں تک پہنچانے میں ہمیشہ بلکہ ہر قدم پر ناکام رہے ہیں' صرف وہی لوگ کامیاب ہوئے ہیں جنکے دل بھی' نظر بھی اور سوچ بھی تھی' علم بھی تھا اور عشق بھی' ادب بھی تھا اور عمل بھی وہ آنکھیں بند کرتے تو سرکار دو عالم ﷺ کے حضور حاضری ہوتی وہ سر جھکاتے تو آسمان سے گزر جاتے۔ وہ اپنے قول و عمل سے کائنات والوں کے دلوں میں فیضان مصطفوی ﷺ کا نور اُتارتے رہے۔ اُسی حسین و جمیل دور کے اعادے کے لئے اس پروگرام کو وضع کیا گیا ہے۔ آپ اس دور افتادہ علاقہ میں شہروں کی آسانیاں اور طرح طرح کی استراحت سے بے نیاز ہو کر تکلیف سے دوچار ہو کر پہنچے ہیں' دشوار گزار راستہ اور ناہموار جگہ اور پہاڑوں کی پسلیوں سے گزرتے ہوئے آپ تشریف لائے ہیں' عظیم مقصد کے لئے آپ کا ایک ایک قدم دنیا حق کی سرفرازی کے لئے قربان ہوتا گیا ہے۔ آپ کی فکر آپ کے علم آپ کے عمل' آپ کی سوچ اور آپ کے زاویہ نگاہ سے جو چیز نکلنے والی ہے میں اسے صبح قیامت تک آنے والی نسل انسانیت کی ہدایت کا سامان سمجھتا

ہوں۔ تصوف کی بنیاد پر میں آپ حضرات کا زیادہ وقت اس لئے بھی نہیں لینا چاہوں گا کہ یہ آپ کا فن ہے آپ کے قلم نے جو رشحات علم کاغذ کے سینے میں سمیٹ کر رکھے ہیں چونکہ ابھی ابھی سب حضرات اس سے فیض یاب ہوں گے میں اس طرف اگر قدم اٹھاؤں یا اس کتاب کا ورق الٹاؤں تو وقت ضائع ہو گا میں قیمتی لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میں حاضرین و سامعین کو اہل قلم و اہل علم حضرات کے فیضان سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہوتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے لئے اس سے زیادہ اور بڑی کوئی مسرت نہیں کہ علم و عمل کے پیکر اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک فقیر کی محبت کے دامن کے سایہ تلے' اُمت کی بہتری کے لئے ایک پیغام محبت اور پیعام عمل لائے ہیں اللہ تعالیٰ کرے کہ اس پیغام کی روشنی سے اُٹھنے والا قدم بارگاہ رسالت تک باحفاظت پہنچ سکے۔

مجھے یقین ہے میرا وجدان اور میرا ایمان میری راہنمائی کے لئے کافی ہے کہ اگر یہ سوچ یہ فکر یہ علم قلم کے ذریعے کتابوں میں اور کتابوں کے فیضان سے سینوں میں اور سینوں کا وجدان عمل میں اُتر گیا تو ان شاء اللہ وہ وقت ضرور آئے گا کہ یہ ساری قوم آقائے دو عالم ﷺ کی دہلیز پر معتکف ہو گی۔ اور اس بارگاہ کے فیضان سے پھر نیا ولولہ لے کر آنے والی انسانیت کو اسلام کی ابدی حفاظت سے آگاہ کرے گی آپ جسقدر دور و نزدیک سے مہمانان گرامی کی صورت میں تشریف لائے ہیں میں آپ کا انتہائی ممنون ہوں آپ کی تشریف آوری میری سوچ میرے قلب و دماغ کی تسکین کا سامان ہے میں آپ کی زندگی' آپ کے علم' آپ کے قلم اور آپ کے وجدان و ذوق ایمان کے لئے دعاگو ہوں کہ جو وقت آج کے بعد گزرے وہ نبی پاک ﷺ کی امت کی خیر خواہی میں گزرے' ادارے بنانا مشکل ہے اور بن جائیں تو چلانا مشکل ہے اور چل بھی جائیں تو سنبھالنا مشکل ہے اور پھر اس ملک میں اور مجھ

جیسے کمزور آدمی کے لئے' یہ یقین تھا کہ آستانے علم کے خلاف قدم نہیں اٹھاتے' آستانوں اور علم کا تصوف و شریعت کا' آستانوں کا اور درس گاہوں کا ہمیشہ اتفاق رہا ہے۔ کچھ عرصے سے آستانے اپنی ترجیہات ایک ہی سمت مرکوز کر چکے ہیں' میں نے قدرے تبدیلی چاہی کہ قرون اولی کا دور واپس لایا جائے۔ اگر وہ دور نہیں آتا' تو اس دور کی خوشبو تو کم از کم روح میں سمیٹ لی جائے۔ خیال تھا کہ حفظ و تجوید کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جائے درس نظامی کا آغاز کیا جائے اس سلسلے میں اکابرین اور عمل و دانش کے پیکر حضرات سے مشورہ کرتا گیا اور آگے بڑھتا گیا پھر ارادہ کیا کہ اسے سکول بنایا جائے کالج بنا لیا جائے اور پھر یونیورسٹی بنا لی جائے ایک ہاتھ میں دنیا رکھ دی جائے دوسرے ہاتھ میں دین رکھ دیا جائے دامن میں دنیا سجائی جائے' قلب و نظر میں تصوف کا نور اُتارا جائے۔ آنے والی نسل ایک ہی وقت میں وکیل' آفیسر' جج بھی ہو اور عالم دین بھی۔ صوفی تو شریعت کے نور سے آراستہ و وابسطہ ہو یا سکول میں استاد' کالج میں پروفیسر یا فوج میں جنرل ہو تو عالم دین بھی ہو۔ جسے پچھلی رات کے ہنگاموں کے نشے بھی آتے ہوں اور وہ نالہ ہائے نیم شبی کی کیفیت سے بھی آراستہ ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم سائنس سے دین کی حقیقت جانتے ہیں۔ میں تھوڑی تبدیلی کے ساتھ عرض کروں گا کہ ہم نے سائنس کو دین سے پرکھنا ہے۔ ہم نے سائنس سے دین نہیں۔ بلکہ دین سے سائنس دیکھنی ہے کہ دین میں کوئی کمی نہیں کمی دین میں نہیں کمی ہماری توجہ میں ہے کمی ہمارے علم میں ہے۔ کمی ہمارے ادراک میں ہے۔ اگر ہم اپنے اصل تک پہنچ جائیں تو پھر وہ کونسی شے ہے جو کونین میں ہے اور دین میں نہیں۔ وہ کونسی شے ہے جو آنے والے وقت کی ضرورت ہے اور قرآن میں نہیں۔ وہ کونسی شے ہے جو نبی اکرم ﷺ کے فرمان میں نہیں۔ صبح قیامت تک کے دین و دنیا کے تقاضے

قرآن اور نبی کریم ﷺ کے فرمان میں موجود ہیں میں ساری اُمت کے اکابرین کو اس طرف متوجہ کر رہا ہوں کہ دین و دنیا کے تقاضے اکٹھے کیجئے تاکہ آنے والی نسل آپ کے فیضان محبت سے نبی پاک ﷺ کے دین کی سفیر اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی فقیر بن جائے۔

یہ مدرسہ بھی ہے یہ ایک سکول بھی ہے یہ کالج بھی اور یونیورسٹی بھی ہے۔ یہ ابھی نوزائدہ دانش کدہ ہے ان شاء اللہ دو چار سال گزرنے کے بعد حالات سامنے آجائیں گے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

آنے والا وقت گواہی دے گا کہ اللہ کریم نے ہمارے خلوص کو پذیرائی بخشی ہے اور ہمارے پیہم جہد کو نبی کریم ﷺ نے اپنے حضور قبول فرما لیا ہے۔

یہاں تربیت پانے والے بچے ان شاء اللہ وقت کے جید قانون دان بھی ہوں گے اور عالم دین بھی ان کے پاس مصدر تحقیق بھی ہو گا اور ذوق تسخیر بھی' وہ کائنات کا دل چیر کر حقیقت مصطفیٰ ﷺ کے جلوے دیکھیں گے اور توحید باری تعالیٰ کے فیضان و ایقان سے اس کے مظاہر کو کائنات کے سامنے آشکار کریں گے۔ رب العالمین وہ دن جلد لائے۔

آپ حضرات پیار محبت اور کرم نوازی کے جذبوں کے تحت یہاں پہنچے ہیں میں آپ کے شریک بزم ہونے پر ممنون ہوں۔ اور دعاگو ہوں کہ اللہ کریم آپ کی زندگیوں کے ایک ایک لمحہ کو سالوں کی وسعت دے اور پذیرائی بخشے۔ اللہ کریم اور نبی کریم ﷺ آپ سب کو اپنا بنا کے رکھے آپ جدھر بھی

جائیں بارگاہ نبوت کے سفیر ہوں۔ اور اللہ کے فقیر ہوں۔ اُمت کا بخت سنوارتے چلے جائیں اللہ تعالیٰ رحمتوں سے آپ کا استقبال فرمائے گا۔

اے مالک الملک اے حی و قیوم رب اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اور وسیلے سے ہماری تمناؤں کو عملی قوت اور ہمارے ارادوں کو توفیق کی نعمت سے نواز دے کہ تو ہی سب حمد و ثنا کا سزاوار ہے۔ آمین

وَصلی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

تصوف: تلاشِ احسن کی ہمہ گیر تحریک

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
وائس چانسلر
محی الدین اسلامی یونیورسٹی
نیریاں شریف، آزاد کشمیر

تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

اسلام' معاشرتی دین ہے اس لئے اسلامی تعلیمات اپنی روحانی نسبت کے باوجود معاشرتی اقدار کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں' معاشرہ ایک ایسا مظہر ہے جس کی تعمیر و تدوین اور ساخت و ترتیب میں انسانی کاوشوں کی کار فرمائی ہے' ان کاوشوں کی تہذیب و تعدیل ہی اسلام کا مقصود ہے' انسان' اسلامی تعلیمات و احکام کا مرکزی موضوع ہے اور انسان کی مجموعی اصلاح ہی شریعت اسلامی کا ہدف ہے' انسان کا وجود' دو جہتوں کا حامل ہے' ظاہری یا مادی جہت اور باطنی یا روحانی جہت' ان جہتوں کا مناسب ربط اور ان میں ہمہ پہلو توازن' زندگی کے حسن کو استوار رکھتے ہیں' انسان کا ظاہر حواس سے عبارت ہے کہ حواس کی قوت' عقل و شعور کی امامت میں انسانی زندگی کو فعال اور متحرک رکھتی ہے' یہ وجود کا خارج ہے' اس خارجی وجود کی ساخت و پرداخت میں احتیاط لازم ہے' انسانی تاریخ کا طویل سفر گواہی دے رہا ہے کہ اس میں افراط و تفریط کو راہ ملتی رہی ہے' کبھی انفرادی وجود مرکز نگاہ بنا تو کبھی اجتماعی وجود کی سطوت قائم ہوئی' اصلاحی و فلاحی تنظیموں پر نظر ڈالئے تو واضح ہو جائے گا کہ بعض کا ہدف افراد کی اصلاح ہے اور بعض کا اجتماعی و معاشرتی فلاح' ذاتی نجات' شخصی نروان بیشتر کا مقصود رہا' اس سے انفرادیت پسندی کا رویہ جنم لیتا ہے اور معاشرتی تعلقات میں بگاڑ رونما ہوتا ہے' یہ بھی ہوا کہ بعض معاشروں

میں فرد' اجتماع پر قربان ہو گیا اور ذاتی فلاح کا عنصر ناپید ہو گیا' یہ انسان کے خارجی وجود کی دو انتہائیں ہیں جو بہرصورت جزوی اصلاح کی حامل ہیں' اسلام فرد اور معاشرہ میں حسین توازن کا دعویدار ہے کہ وہ ہمہ جہت اصلاح کا پیغام ہے۔ انسان کا باطن' عقیدے اور نظریے کی قوتوں کا امین ہے' باطن کا دائرہ کار لامتناہی ہے اور اس کی جولاں گاہ غیر محدود ہے' یہ ظاہر سے کہیں زیادہ توجہ کا مستحق ہے' انسان کی ضرورت یہ ہے کہ اس کا ظاہر یعنی مادی وجود بھی توانا رہے اور اُس کا باطن یعنی روحانی وجود بھی فعال رہے تاکہ وجود بہرپہلو' مہذب و مرتب رہے' دنیا کی نظریاتی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ انسان' ظاہر و باطن کے عدم توازن کی وجہ سے دو مختلف جہتوں کا نقیب اور دو متضاد و معاند گروہوں میں تقسیم رہا ہے' مادہ پرست انسان اور ماورائیت پسند انسان' مادی تصور حیات انسان کو زمینی حوالہ عطا کرتا ہے اور اُس کے تمام رویے اسی تصور حیات کی مناسبت سے ترتیب پاتے ہیں' یہ زمینی یا مادی حوالہ کبھی جنس کے روپ میں' کبھی مکانیت کے تصور میں اور کبھی زمانیت کی تنگ ناؤں میں نمودار ہوتا ہے جس سے نسلی' گروہی' ملکی' جغرافیائی حد بندیاں پیدا ہوتی ہیں اور قدیم و جدید کی مصنوعی تقسیم جنم لیتی ہے' اس کے برعکس ماورائی انداز فکر سے بے عملی' وجود سے نفرت اور معاشرتی واجبات سے فرار کے داعیات کو تقویت ملتی ہے' اس طرح انسان' انسانوں سے بے زار' ملک و قوم سے متنفر اور آباد و شاداب دنیا سے کنارہ کش ہونے میں نجات محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسلام دین کامل ہے' اس میں مادی خوشحالی اور روحانی آسودگی کو مناسب مقام حاصل ہے' حسنات دنیا اور حسنات آخرت کی خواہش اس طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو گئی ہے کہ پوری اور مکمل زندگی اس کے دائرہ اثر میں آ گئی ہے' اسلامی تعلیمات فرد اور اجتماع' مادہ اور روح کو محیط ہیں' ان کا مطلوب ایک ایسا انسان ہے جو مادی طور پر قوی' ظاہری طور پر

مرقع جمال اور روحانی حثیت میں بالیدگیوں کا مظہر اور شرف انسانیت کا پیکر خوش ادا ہو؛ اسلام ان جہتوں میں ترتیب کا قائل ہے' روح' مرکز حیات ہے اس لئے اس کے تقاضے مقدم ہیں' جسم' روح کے تابع ہے اس لئے اس کے تقاضے مؤخر ہیں' اسلام کا اصرار ہے کہ مادی ضابطے' روحانی اصولوں کے مطیع رہیں' روح صدر نشین ہے اور مادہ حاضر باش' حاشیہ بردار' صوفیاء کے اصطلاح میں روح سوار ہے اور جسم سواری' سواری کی دیکھ بھال اور نگہداشت ضروری ہے' مگر عظمت و سربلندی سوار ہی کو حاصل ہے۔

قرآن و حدیث' اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذ ہیں جن سے راہنمائی کے اصول استخراج ہوتے ہیں۔ معاشرتی زندگی کے ضوابط علم فقہ' کا موضوع ہیں اور تہذیب باطن کے اصول و قواعد' علم تصوف کا' ان میں تعاون ہے مخاصمت نہیں بلکہ ایک کا مقصود' دوسرے کا مطلوب ہے' ظاہری حرکات اور مادی افعال کو جب فکر کی راستی اور روح کی تابانی نصیب ہو جائے تو اعمال میں حسن اُترنے لگتا ہے کہ عمل کا حسن' فکر کی راستی کا پرتو اور فکر کی راستی عقیدے کی پختگی کا عکس ہوتی ہے' حسن تمام ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہی احسان ہے۔ اور اس احسن کی ہمہ گیر جدوجہد کا نام اسلام ہے۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام جسے صحیحین نے روایت کیا' میں واضح کر دیا گیا کہ عبادت کا حسن یہی ہے کہ عمل کو باطن کے ایقان کی پناہ نصیب ہو' پوچھا گیا کہ احسان کیا ہے جواب میں سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ"

"(احسان یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کرے جیسے تو اس کو دیکھتا ہے اور اگر تو نہ دیکھ پائے تو یوں کہ جیسے وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

عبادت اور اطاعت کا حسن یہ ہے کہ عبادت گزار اور اطاعت شعار' اپنے معبود کے حضور یہ عمل ادا کرے اس طرح حضوری کا گداز حاصل رہے

گا کہ فاصلے حائل نہ رہیں گے، لیکن یہ مقام بلند ہر انسان کا مقدر نہیں اور ہر ایک کی نظر اتنی بالغ نہیں کہ رؤیت کی منزل پا لے۔ ایسی صورت میں عبادت اس یقین کے ساتھ ادا ہو کہ جس کی عبادت کی جا رہی ہے وہ تو دیکھتا ہے، حضوری کی سربلندی ہو یا نظروں میں رہنے کی سعادت، کوئی فعل جب اُس ذات کے حضور ادا ہو جس کے حکم کی تعمیل میں انجام پا رہا ہے تو وہ عمل صرف ظاہری حرکات کا مجموعہ نہیں رہتا، باطن کی تمازت کی وجہ سے ایقان کا عکس جمیل بھی ہوتا ہے اور اگر یہ یقین بھی ہو کہ دیکھنے والی ذات، ظاہر کہیں بڑھ کر باطن کا حتیٰ کہ روح کی لرزشوں کا بھی مشاہدہ کر رہی ہے تو عمل، خلوص نیت کا مظہراتم بن جاتا ہے، پھر عمل کا ہیولہ مختلف بھی ہو، حرکات و سکنات متفادت بھی ہوں، تلاش احسن، کا عمل ہمہ وقت جاری رہتا ہے، اسلام اس کو "احسان" کہتا ہے کہ اسلام "دین احسان" ہے، مقصود ہر بہتر کی تلاش ہے، ایسے عمل میں ریاکاری کا شائبہ نہیں ہوتا بلکہ یہ خالق و مخلوق کے درمیان پاکیزہ رابطہ ہے اور جب یہ تلاش احسن، زندگی کا عمومی رویہ بن جائے تو پوری زندگی حسن کردار کی حامل ٹھہرتی ہے کہ احسان زندگی کا ایک گوشہ نہیں، مجموعی حوالہ ہے، مومن کی زندگی احسان کا مرقع ہوتی ہے، عبادات ہوں یا معاملات، فرد کے رویے ہوں یا اجتماع کے، اعمال و حرکات متفادت ہوں یا برعکس، تلاش احسن، کا عمل ہمہ وقت جاری رہتا ہے۔

"احسان کیا ہے"

لغوی و اصطلاحی مفاہیم پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا۔ "احسان" حسن سے مشتق ہے جس کا معنی بہتر یا عمدہ ہونا ہے، کسی فعل یا عمل کا یوں ادا ہونا کہ اُس میں حسن و خوبی پیدا ہو جائے یا اُس کی عمدہ تر صورت سامنے آئے احسان ہے، عموماً یہ کلمہ نیکی، بھلائی، حسن سلوک، اور انعام و اکرام کے مفہوم میں استعمال

ہوتا ہے' اردو محاورے میں یہ مہربانی اور نوازش کا مترادف ہے مگر عربی میں اس کا مفہوم مختلف جہتوں کو محیط ہے' قرآنی محاورے میں احسان دو مفاہیم کے لئے استعمال ہوا ہے۔

ایک اَلْاِنْعَامُ عَلَی الْغَیْرِ یعنی دوسرے پر انعام و اکرام کے معنی میں جیسے ارشاد ہوا:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ (الاسراء:۷) اگر تم کسی پر اکرام کرو گے یا اچھا سلوک کرو گے تو حقیقت میں اپنے ساتھ ہی بہتر سلوک کرو گے۔"

دوسرے اعمال میں حسن و رعنائی کے مفہوم میں جیسے کہ ارشاد ربانی ہے:

"وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا"(النساء:۱۲۵) اور جس نے اپنے دین کو حسین تر بنایا۔"

اعمال کا بہترین پیراہن اور افعال کا عمدہ ترین روپ' احسان ہے' اس لئے علم حسن' عمل حسن' کے مرکبات استعمال ہوتے ہیں' امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اَلنَّاسُ اَبْنَاءُ مَایُحْسِنُوْنَ" لوگ اعمال حسن کے حامل افراد کے غلام ہوتے ہیں۔

عموماً "عدل" اور "احسان" کو باہم مربوط ذکر کیا جاتا ہے اور یہ ایک اصطلاح کے طور پر مستعمل ہے' "عدل" کو واجبات میں گردانا گیا ہے اور "احسان" کو اخلاقی تقاضا قرار دیا گیا ہے کہ یہ ضوابط و قوانین کا بندھن نہیں نیکی کی محبت اور دریا دلی کا مظہر ہے' اس لئے "احسان" والوں کا قرآن مجید نے بار بار مقام مدح میں ذکر کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرۃ:۱۹۵) "بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے یہ اور اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (العنکبوت:۶۹) "بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" واضح رہنا چاہیئے کہ اسلامی تعلیمات میں اخلاقی

تقاضے بھی تعمیر سیرت کا حصہ ہوتے ہیں' اس طرح اُن کی حیثیت بھی لازمی ہو جاتی ہیں' قرآن مجید میں اس کی صراحت کر دی گئی' ارشاد ہوا: "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" (النحل:۹۰) "بے شک اللہ تعالیٰ' عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔" عدل کے ساتھ احسان کا حکم دے کر اس کی اخلاقی حیثیت کو سندو جوب عطا کر دی گئی۔ احسان کا تقاضا اس لئے کیا گیا کہ خود انسان کی نجات کا مدار بھی اسی پر ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے پایاں انعام و اکرام سے نواز' ایسے ایسے کرم کئے کہ اگر انسان پوری زندگی بھی خرچ کر ڈالے تب بھی کسی ایک کرم کا حق ادا نہ ہو' اگر ذات باری' عدل کے اصول پر محاسبہ کرے تو نجات کی اُمید کیسے ہو؟ انسان کسی نہ کسی شکل میں ادائیگی فرض میں کوتاہ ہوتا ہی ہے' ایسے میں احسان ہی واحد سہارا ہے جو نجات کی اُمید دلاتا ہے' جب نجات کا سارا انحصار صرف اور صرف احسان پر ہے تو انسان کیوں نہ اس صفت حسنہ کو اپنی زندگی کا جزو بنائے۔ قرآن مجید نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (القصص:۷۷) "اوراحسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔" اس آیت کریمہ میں احسان کو زندگی کا عمومی رویہ بنانے کا حکم دیا گیا' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حسن و خوبی کا مظہر ہے اور وہ ایسے افعال کو ہی پسند کرتا ہے جو ممکن حد تک حسین ہوں' اسلام کا مطالبہ ہے کہ یہ حسن و زیبائی ہر ہر عمل میں موجود رہے' حقوق العباد کا مرحلہ ہو تو ان کی ادائیگی احسن طریق سے ہو' ارشاد ہوا: وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" (النساء:۳۶) اور والدین کے ساتھ حسن عمل کے ساتھ پیش آؤ۔ باہمی معاملات ہوں تو اُن میں بھی حسن کی طلب رہے' قرض کا معاملہ ہو تو حسین تر انداز میں طے ہو' معاشرتی عدم اعتماد کا معاملہ ہو' خاندانی نظام میں خلا آنے لگے اور نوبت جدا ہونے تک آ جائے تو بھی:

بِاِحْسَان (البقرة:۲۲۹) علیحدگی میں بھی احسان کی کارفرمائی قائم رہے۔"
دفاع کا مرحلہ درپیش ہو اور دشمنان اسلام سے ستیزہ کاری کی نوبت آئے تو
بھی یہی حکم ہے کہ "اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" (فصلت:۳۴) "دفاع
احسن طریق سے کرو۔" جھگڑا ہو جائے' معاملہ بگڑ جائے اور مخاصمانہ فضا قائم
ہو جائے تو ایسے میں بھی احسان پر نظر جمی رہے:
"وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" (النحل:۱۲۵) اور جدال کرو احسن انداز
سے۔" اِن تمام ارشادات کا مقصود یہ ہے کہ اسلام اپنے تمام تر رویوں میں
احسان کا متلاشی ہے' اس کا مطمح نظر ہر معاملے میں بہتر کی تلاش ہے' معاملات
کتنے ہی اُلجھے ہوئے ہوں اور بظاہر ان میں حسن و خوبی کا وجود ناممکن بھی نظر
آئے گا مگر پھر بھی ممکن اچھائی کو اپنایا جائے تاکہ بہرطور رخ احسان کی جانب
ہی رہے' قتل ایک بھیانک فعل ہے اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا مگر جب برتر
مقاصد کے حصول کے لئے یہ ناپسندیدہ عمل ناگزیر ہو جائے کہ کسی ناسور کا کاٹنا
لازم ٹھہرے تو اس میں بھی احسن کی تلاش جاری رہے' جانور کا ذبح کرنا
ضرورت حیات کا لازمی نتیجہ ہے مگر اس عمل کو بھی حسن عمل سے مربوط کر دیا
گیا' صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
"اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ' فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ'
وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَۃَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ وَلْیُرِحْ
ذَبِیْحَتَہٗ۔"

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کا حکم دیا ہے' جب تم کسی کو قتل کرو
تو احسن طریق سے اور جب تم کوئی ذبح کرو تو عمدہ تر انداز سے' تمہیں چاہیے
کہ دھار کو تیز کر لو اور جانور کو آرام پہنچاؤ۔"

اللہ اللہ' حسن عمل کا یہ رویہ اس حد تک' کہ قتل و ذبح کو بھی محیط
ہے۔ ذبح تو کند چھری سے بھی ہو سکتا ہے مگر اس میں شقاوت کا عنصر ہو گا' عضو

کانٹا ہے تو یہ ناگزیر عمل کند آلے سے بھی ممکن ہے مگر اسی طرح تکلیف کا احساس کئی گنا ہو گا۔ اعمال کا حسن یہ ہے کہ ادائیگی کا حق ادا ہو' حدیث مبارک میں مثلہ یعنی اعضاء بدن کاٹنا' منع کیا گیا ہے بلکہ یہاں تک کہ "لَوْ كَانَ بِالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ" اگرچہ ایسا عمل کاٹنے والے باولے کتے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ معلوم ہوا اسلام' اعمال کی بجاآوری میں شائستگی' متانت اور رحمدلی کی کار فرمائی کا خواہاں ہے۔ اسلام کا یہ رویہ اسلامی معاشرے کی شناخت ہوتا ہے اور ہر ہر فردِ معاشرہ کے کردار کا جزو ہوتا ہے۔

حسن عمل کی معراج ذات رسالت پناہ ﷺ کے اُسوہ میں ہے کہ آپ کی ذات میں ظاہر و باطن کی تمام رعنائیاں موجود ہیں' آپ کا ہر عمل مجسم حسن ہے اور آپ کا ہر رویہ "تلاش احسن" کے راہ نوردوں کے لئے راہنما ہے۔ اب حسن عبادت ہو یا حسن نظر' اس کی خیرات اُس "حسن تمام" کی بارگاہ سے ہی حاصل ہوتی ہے اور تلاش احسن کی راہ آپ کے ارشادات کی روشنی ہی میں آسان ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس "حسن عمل" کے بنیادی حوالے ہیں کہ ظاہر و باطن کی حسنات کے امین ہیں اسی لئے آسمان ہدایت کے ستارے قرار دیئے گئے' حسن عمل کا یہ سفر مسلسل جاری رہا' صوفیاء کرام اسی راہ کے مسافر اور اسی احسان کے طلب گار ہیں کہ وہ بھی شاہراہ حیات پر حسن نیت اور حسن عمل کے نشان ہیں' ان مقدس افراد کے ہاں علم' عمل میں ڈھلا اور عمل' احسان کے جذبوں کا امین بنا۔

انسانی فطرت میں جذب و انجذاب کے داعیات بڑے شدید ہوتے ہیں' مادی احتیاج کا جبر آ جائے تو روحانی منزلت نظر انداز ہو جاتی ہے' ماورائیت پسندی کا انہماک بڑھے تو معاشرتی ضابطے فراموش ہو جاتے ہیں' یہ وارفتگی اور ہمہ تن گرویدگی کی یک رُخی کا شاخسانہ ہے کہ حد اعتدال سے انحراف ہونے لگتا ہے' کبھی اُمید خود سر بناتی ہے تو کبھی خوف بے دست و پا کر دیتا ہے' اس

کے نتیجے میں کبھی ہمہ طور غفلت اسیر کر لیتی ہے تو کبھی رہبانیت کی فراریت بے لباس کر دیتی ہے‘ قرآن مجید نے انسانی فطرت کے اس پہلو کی مناسبت سے رجاء اور خوف کے بارے میں واضح احکام دیئے ہیں‘ اگر دوزخ کی سزا اور جہنم کے عذاب کا ہولناک نقشہ پیش کیا گیا تو متصلا جنت کے دائمی اکرام کا بھی تذکرہ ہوا تاکہ خوف فرار کی راہ نہ دکھائے اور رجاء بے عملی کی ترغیب نہ دے متنبہ کر دیا گیا کہ نجات کا راستہ‘ سلامتی کا سفر اور کامیابی کی منزل خوف و رجاء کے درمیان ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا اُسوہ اسی توازن کا آئینہ دار ہے‘ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر انسان میں اخذ و ترک کے معیار و انداز مختلف ہوتے ہیں‘ اس لئے ایسا بھی ہوا کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عذاب کے بیان کا شدت سے اثر قبول کیا اور آرائش دنیا سے لاتعلقی کی خواہش کی تاکہ ہمہ وقت نجات کی جستجو کی جا سکے‘ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما نے ایک موقعہ پر عرض کیا:

”یا رسول اللہ! میرا دل کہتا ہے‘ میں دنیا چھوڑ دوں‘ پہاڑوں پر جا کر رہبانیت اختیار کر لوں‘ زمیں پر گھوموں‘ مال و دولت سے دستبردار ہو جاؤں‘ بیوی کو طلاق دے دوں‘ گوشت نہ کھاؤں اور خوشبو نہ لگاؤں۔“ ترک دنیا کی اس خواہش کا سن کر حضور اکرم ﷺ نے اُنہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا ور معاشرتی روابط کے استوار کی تلقین کی‘ اس ممانعت کا ہی اثر تھا کہ بعض صحابہ کرام ذاتی رغبت کے باوجود ایسا نہ کر سکے‘ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ تمام رات ایک ہی آیت جس میں بداعمالیوں پر سزا کا ذکر تھا پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی‘ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اگر تمہیں خبر ہو جائے کہ مرنے کے بعد تمہارا کیا حشر ہو گا تو تم کھانا پینا چھوڑ دو‘ ترک دنیا کی خواہش اور راہبانہ اخلاق کی طرف قدرے میلان کے باوجود آپ ایسا نہ کر سکے‘ اصحاب صفہ کی پوری جماعت اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی لیکن اسلامی

تعلیمات کے توازن نے کسی کو بھی حدود سے تجاوز کی راہ نہ دکھائی' یہ ضرور ہوا کہ جب ماحول پر مادیت کی گرفت مضبوط ہونے لگی اور احکام شریعت کی بجاآوری میں معاشرتی ناہمواری رکاوٹ بننے لگی تو بعض اکابر کے ہاں معاشرے سے کٹ جانے کا رجحان پیدا ہونے لگا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے بلند مرتبت صحابی بھی شدید بے رغبتی محسوس کرنے لگے' حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ جو اسلام کے پہلے تیرانداز اور جنگ قادسیہ کے کماندار تھے آخری عمر میں گوشہ نشینی کو ترجیح دینے لگے۔ یہ ردعمل تھابدی کی رواج پذیری پر' ترک دنیا سے زیادہ یہ ترک معصیت کا میلان تھا' "اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْن" (الصفٰت:۹۹) کا اسوہ ابراهیمی تھا' یہ درحقیقت معصیت کدوں سے ہجرت تھی' صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے عصر خیر میں اس لحاتی ردعمل کے باوجود دین متین کا معاشرتی کردار نمایاں رہا' مگر جب ملکی حالات اور سیاسی کوائف عدم توازن کا شکار ہوئے اور دین و دنیا کا بعد گھمبیر ہونے لگا تو وہ اکابر جو اصلاح خلق کے مشن پر مامور تھے' اپنا انداز بدلنے کی ترغیب پانے لگے تاکہ "سفر نجات" سماجی دھند میں نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اُن اکابر نے مادی گرسنگی سے ہٹ کر اصلاح باطن کے مراکز قائم کرنے پر توجہ دی' مقصد یہ تھا کہ عملی جدوجہد سے کنارہ کشی کی تحریک بھیانک صورت اختیار نہ کرے اور دین متین کے معاشرتی تقاضے نظر انداز نہ ہو جائیں' یہ اصلاحی مراکز' زاویوں' خانقاہوں اور عزلت خانوں کی صورت میں نمودار ہوئے' ان مراکز میں تلاوت آیات' تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ تزکیہ نفوس کا بھی اہتمام ہونے لگا تاکہ علم ظاہر کا علم باطن سے رابطہ استوار رہے' اب سیاسی حکمرانی بنو اُمیہ اور بنو عباس کے پاس تھی جس میں خلافت راشدہ کی سی جامعیت نہ تھی' اسی لئے اسی خلا کو ان مراکز نے پُر کیا کہ سلطنت باطن کی سربراہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی

اللہ عنہ کے جانشینوں کو حاصل ہوئی' اسی طرح علم تفسیر و حدیث و فقہ اور دیگر فنون کی آبیاری علماء کا فرض قرار پائی اور علم کو واردات بنانے کا فریضہ صوفیاء نے سنبھالا' عقل کی تہذیب علماء کے ہاتھوں ہوئی تو دل کی تنویر صوفیاء کے سوزِ دل سے' ان مراکز نے انقلاب آفرین خدمات انجام دیں' سیاسی حالات کی ابتری اور سطوت اسلامی کی تنزلی کے باوجود روح کے تربیت کدے آباد رہے اور پھر جی اٹھنے کا عزم سوزِ دروں کی صورت میں زندہ رہا۔ ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ اس کا بین ثبوت ہے۔ تصوف' باطن کی اسی بیداری کا نام ہے۔ اس کے ہمہ تن زندہ و توانا وجود کو ہی صوفی کا لقب دیا گیا ہے۔ یہ کوئی اجنبی تحریک نہ تھی اور نہ دوں ہمتی کی فراریت تھی بلکہ یہ ہمہ جہت اصلاح' ہمہ پہلو عملی اور سربسر اسلامی تعلیمات کی حامل جدوجہد تھی کہ ملت میں قوت عمل کی افزائش اور نظریاتی استحکام کی ترسیخ ہو۔

تصوف' داخل کی اصلاح' باطن کی تہذیب اور خارج و ظاہر کی تربیت کا ایک کفیل ادارہ ہے۔ اس سے وہ قوتیں بیدار ہوتی ہیں جو مادی یلغار اور نفسانی خواہشات کے دباؤ کی وجہ سے مضمحل ہو جاتی ہیں' یہ قوتیں داخل کو قوی اور ظاہر کو آداب آشنا بناتی ہیں' تصوف کے ضابطوں کے ذریعے سے صفائے قلب کی شعاعیں اعضاء و جوارح کے اعمال میں منعکس ہوتی ہیں اور انسان کے ظاہر و باطن کو یک رنگ بناتی ہیں' باطن کی نورانیت اعمال میں ڈھل کر تابانیوں کے فروغ کا ذریعہ بنتی ہے' یہ ہمہ گیر تحریک' باہمی تعاون اور ملی یکسانیت کی نوید تھی' یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کے مختلف گروہوں اور سلاسل میں مجادلت کی فضا پیدا نہ ہوئی' باہمی احترام قائم رہا اور معاصرانہ چشمک اور مناظرانہ چپقلش کی کوئی صورت ہویدا نہ ہوئی' حسن تمام ﷺ سے رشتہ مضبوط رہا اس لئے نظروں کے تفاوت کے باوجود نظری انتشار پیدا نہ ہوا۔ تصوف کے جملہ مدارج' اصلاح و فلاح کے نقیب رہے' محبت کی افزونی' اعتماد

کی بالیدگی اور دعوت و ارشاد کی پاکیزگی قائم رہی' دلچسپیوں کا تنوع بعض اعمال و میلانات میں تفاوت کا منظر پیش کرتا ہے' ایسا ہی تفاوت علماء و صوفیاء کے ہاں نظر آتا ہے مگر یہ صرف طریق کار کا اختلاف ہے' پسند و ناپسند کا اثر ہے اہداف کا الجھاؤ یا نظریات کا تصادم نہیں' قاری آیات' عالم بھی ہو سکتا ہے اور صوفی بھی' یہ قاری عالم اور صوفی کی تقسیم اضافی ہے اور میلان طبع کے حوالے سے ہے مثلاً امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نام سے پہلا تاثر یہ اُبھرتا ہے کہ آپ بلند پایہ فقیہہ ہیں حالانکہ آپ باکمال صوفی بھی تھے' حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی سے پیر پیراں کا خیال آتا ہے جبکہ آپ ممتاز عالم دین بھی تھے' ایک حوالہ کا معروف ہو جانا دوسرے کی نفی نہیں کہ صوفیاء علم کی معلومات سے کہیں زیادہ اس کی واردات کے قائل تھے' وہ جان کر دیکھنے کا ذوق فراواں رکھتے تھے۔

یہ ضرور ہوا کہ بعض کوتاہ بین اس مشن کی رفعت کا ادراک نہ کر سکے' اُن کے اندر نور یقین کی لو فروزاں نہ ہوئی مگر انہوں نے دنیاوی مفادات' ذاتی اغراض اور گروہی تعصبات کے زیر اثر صوفیاء کی صفوں میں گھسنے کی کوشش کی مگر یہ تمام تر کوشش لاحاصل رہی کہ کبھی بہروپ' روپ کا تقدس حاصل نہ کر سکا' اس ممکنہ خطرہ کے پیش نظر صوفیاء کرام اپنے متعلقین اور عوام الناس کو متنبہ کرتے رہے حتیٰ کہ مولانا روم علیہ الرحمتہ کو کہنا پڑا۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

صوفی کے لفظ کی تحقیق:

صوفی کا لفظ کس سے مشتق ہے؟ اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں مثلاً کہا گیا کہ:

۱۔ صوفی، صفہ سے ہے یعنی وہ شخص جو اصحاب صفہ کی سی زندگی گزارتا ہے اور ہمہ تن اسلامی مشن کے لئے کوشاں رہتا ہے، دنیاداری سے لاتعلق ہے، لغوی اعتبار سے اس اشتقاق پر اعتراض کیا گیا ہے۔

۲۔ بعض علماء جن میں چند مستشرقین بھی شامل ہیں اس لفظ کو یونانی کلمہ "سوف" سے ماخوذ مانتے ہیں جس سے حکمت و دانش مراد ہے، کہا گیا کہ عباسی دور حکومت میں یونانی زبان کے جو کلمات، عربی میں داخل ہوئے اُن میں "سوف" بھی ہے جو حکیم و دانا کے معنی میں استعمال ہوتا تھا، مرور وقت سے یہی کلمہ "صوفی" بن گیا، ابو ریحان البیرونی کا یہی خیال ہے۔

۳۔ بعض علماء کے نزدیک یہ "صوف" سے مستعار ہے۔ ابتدائی دور کے صوفیاء چونکہ صوف کے بنے ہوئے موٹے کپڑے پہنتے تھے اس لئے صوفی یعنی "صوف والے" مشہور ہو گئے، علامہ ابن خلدون اس نظریہ کے قائل ہیں۔

۴۔ صوفی، صفا سے مشتق ہے یعنی "صفائے قلب والا" علماء کی اکثریت اسی قول کی قائل ہے، مولانا جامی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں: "صوفی وہ ہے جو اپنے دل کو خدا کے ساتھ صاف رکھتا ہے۔"

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمتہ کا ارشاد ہے: "صوفی وہ ہے جو اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کرلیتا ہے اور اپنی طبیعت کو آلائشوں سے پاک کرلیتا ہے۔" آپ نے ایک شیخ کا قول بھی نقل کیا کہ "وہ شخص جو محبت میں مصفا ہوتا ہے صافی ہے، اور وہ شخص جو محبت میں غرق ہو اور غیر سے بیزار ہو صوفی ہے۔" پھر ارشاد فرمایا: "تصوف باب تفعل سے ہے جس کی خاصیت تکلیف ہے، صوفی اپنے نفس پر تکلف اٹھاتا ہے اس لئے صوفی ہے۔"

صوفیاء کی صفوں میں بعض نااہل اور دنیا دار شامل ہوئے تو اس کا اہل دل اکابر نے فوری محاسبہ کیا۔ مولانا رومؒ نے احتیاط کی تلقین کی تو حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس پر عملی گرفت کی' آپ نے تصوف کے حوالے سے تین اقسام کا ذکر کیا۔ فرماتے ہیں:

۱۔ صوفی: یہ وہ شخص ہے جو آپ سے فانی اور حق کے ساتھ باقی ہو' اپنی طبیعت کے قبضہ سے رہائی پائے ہوئے ہو اور حق کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

۲۔ متصوف: وہ متکلف صوفی جو مجاہدے اور تکلف سے صوفیاء کی صف میں شامل ہو۔

۳۔ مُستَصوِف: وہ انسان جو دنیاوی مال و متاع اور عزت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرے' صفا اور تصوف سے اُس کا کوئی تعلق نہ ہو' یہ وہ جعلی صوفی ہے جو صوفیاء کے نزدیک حقیر مکھی کی طرح ہے جو آلودگی پسند ہے مگر یہ شخص غیرلوگوں کے سامنے بھیڑیا ہے کہ اُن سے مال ہتھیا لیتا ہے۔

ان توجیہات سے معلوم ہوا کہ صوفی "صفا" سے مشتق ہے' زیادہ تر اسی توجیہہ کو پسند کیا گیا ہے حضرت خواجہ فریدالدین عطار علیہ الرحمتہ نے صوفی اور تصوف کی متعدد توجیہیں نقل کی ہیں' تیرہ میں اسے صفا ہی سے مشتق مانا گیا ہے جبکہ صوف کے حوالے سے صرف دو آراء ہیں۔

ان ارشادات سے ظاہر ہے کہ صوفی' صفائے قلب کا حامل وہ وجود ہے جس سے ہر لمحہ خیر کی توقع ہوتی ہے' وہ ذاتی اغراض سے محفوظ' بے لوثی کے حصار میں ہوتا ہے' مادی احتیاج کی آلودگی سے منزہ ہے کہ ہمہ وقت حاضری دربار الٰہی کی کیفیت میں رہتا ہے۔

"صوفی" کے لفظ کا استعمال:

رسول اکرم ﷺ کے حیات مظاہرہ کے عہد میں اور آپ کے بعد صحابہ

کرام رضی اللہ عنھم کے خیر القرآن میں صحابیؓ کے سوا کوئی اور کلمہ مسلمان کی شناخت نہ ہو سکتا تھا کیونکہ شرف صحابیت سے بڑھ کر کوئی شرف متصور نہیں، صحبت صحابہ سے فیض یاب تابعی اور اُن سے شرف صحبت پانے والے تبع تابعین کہلائے، بعد میں رجحان اور میلان کے حوالے سے تقسیم ہوئی، دنیا سے بے رغبت افراد، زاہد و عابد کہلائے، جب بدعات کا ظہور ہوا، گروہ بندیاں ہونے لگیں تو ایسی فضا میں وہ لوگ جو سیرت رسول ﷺ کو اُسوہ بنا کر، تزکیہ نفوس کے جہاد میں شریک ہوئے صوفی کہلائے، علامہ ابن خلدونؒ نے مقدمہ میں اسی نظریہ کو تسلیم کیا ہے، خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں کچھ شرح و بسط کے ساتھ اسی کی تائید کی ہے، علامہ قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں تبصریح درج کیا کہ صوفی کا لفظ دوسری صدی کے اختتام سے قبل عوامی استعمال میں آگیا تھا۔ مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں لکھا کہ سب سے پہلے صوفی کا لقب ابوہاشمؒ (م ۱۵۰) کو ملا،

اول کسیکہ ویرا صوفی خواندند دی بود
پیش ازوے کسے راباین نام نخواند بودند

بعض صوفیاء کے ذاتی رویے سے یہ تاثر قائم ہوا کہ دنیا سے بے زار، مفلوک الحال اور مفلس و نادار افراد صوفی کہلاتے تھے، حالانکہ تصوف وہ طریق حیات ہے جو اسلامی تعلیمات کا مقصود ہے، یہ علم تفسیر، حدیث یا فقہ کی طرح کا ایک علم ہے جس میں نظریاتی مباحث بھی ہیں اور عملی اشغال بھی، علامہ ابن خلدونؒ نے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ یہ ایک اسلامی علم ہے، حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں۔ "صوفیت نہ ہی فقر کا نام ہے اور نہ ہی زہد کا بلکہ یہ ان دونوں کے اور کچھ زوائد کے مجموعہ کا نام ہے" اگر یہ

سب خوبیاں نہ ہوں تو انسان زاہد یا فقیر تو ہو سکتا ہے صوفی نہیں' یہ تو صوفیت کی ابتدائی اشکال ہیں۔" صوفی اللہ کا بندہ نہ غرور و تکبر کا شکار ہوتا ہے اور نہ اکڑ کر چلتا ہے وہ تو تواضع و انکساری کا پیکر اور حسن خلق کا نمونہ ہوتا ہے۔ شیخ ابو عبداللہؒ نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی یہ پہچان بتائی: "میٹھی زبان' خوش خلقی' خندہ پیشانی' مسکراتا ہوا چہرہ' خواہ مخواہ کسی سے اُلجھنے سے اجتناب' عفو و درگزر کا شیوہ اور لوگوں سے ہمدردی۔"

صوفی اور اتباع شریعت:

اکثر یہ مغالطہ پیدا کیا جاتا ہے کہ تصوف ایک ایسا طریق حیات ہے جو علم فقہ یا شریعت اسلامیہ کی حدود سے ماورئی ہے کہ شریعت مبتدیوں کے لئے ہے' اس انداز فکر نے' بے عمل صوفیاء' کی ایک تعداد پیدا کر دی ہے جو تصوف کے نام پر بے عملی کا جواز تلاش کرتے ہیں' یہ روش' متعدد گروہوں کی افزائش کا باعث بنی ہے اور اسی راستے غیر اسلامی نظریات حملہ آور ہوئے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ تصوف' تلاش احسن کا نام ہے' یہ عبادت کے حسن سے عبارت ہے ترک عبادت سے نہیں' یہ تو ظاہری اعمال کے ساتھ مقصد اعمال پر نظر رکھنے کا نام ہے اس لئے دو آتشہ عمل ہے' اس میں شریعت سے بغاوت نہیں' اس کی پاسداری ہے' حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: "صوفی کے لئے متبع سنت ہونا بہت ضروری ہے بلکہ صوفی ہے ہی وہی جو شریعت کا صحیح پیروکار ہو۔" پھر فرماتے ہیں: "پس طریقت و حقیقت' دونوں شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل کے لئے شریعت کے خادم ہیں' اصل مقصود تو یہی ہے مگر ہر ایک کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا' اکثر اہل جہاں نے خواب و خیال کے ساتھ آرام کیا ہوا ہے اور اخروٹ و منقیٰ یعنی نکمی باتوں پر کفایت کی ہے' وہ شریعت کے کمالات کو جانتے نہیں' طریقت و حقیقت کا کیا پتہ لگا سکتے

ہیں، شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔" ایسے ہی بعض ذہنوں میں یہ خیال راسخ ہو چکا ہے کہ صوفی وہ ہے جو کرامات دکھائے، کرامت بلاشبہ صوفیاء کا امتیاز ہے لیکن یہ صوفی کی پہچان نہیں، شرط ولایت کرامت نہیں، اتباع شریعت ہے۔

صوفیاء کی زندگیوں پر نظر ڈالی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کا دل غیر کے خیال سے پاک، غیر کی خوشنودی سے مصئون اور خالق کی رضا سے مملو ہوتا ہے، اُن کو خیالات کی یکسانی اور جذبات کی یکسوئی حاصل ہوتی ہے، کائنات کی بو قلونی میں وحدت اُن کا مشن ہے اور بقول حضرت شمس تبریزی"

دوئی اس خود بدر کر دم یکے دیدم دو عالم را
یکے دیدیم یکے بینم یکے خواہم یکے دائم

اور وہ کون ہے، پکار اٹھے ہیں

ھو الاول ھو الآخر ھو الظاہر ھو الباطن
بجزیا ھو ھو دگر چیزے نمی دانم

یہ وحدت آشنائی صوفیاء کا رویہ بن جاتا ہے، مخلوق کی کثرت میں وہ خالق کی یکتائی تلاش کر لیتے ہیں اس لئے کہ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (البقرۃ:۱۱۳) پر ایمان نظریاتی مشق ہی نہیں زندگی کی واردات ہے۔ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ سے اِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ (بے شک تمہارا باپ ایک ہے) کی منزل کا شعور ملتا ہے اور یہ شعور وحدت نسل انسانی پر یقین کا باعث بنتا ہے، ایک باپ کی اولاد ہونے کے ناطے قرب زمینی حاصل ہوتا ہے اور ایک خالق و رب کے یقین سے وحدت انسانیت پر اعتماد قائم ہوتا ہے، یہ قرب اور یہ اعتماد، معاشرت میں حسن، حسن عمل اور حسن روابط کا محرک ہوتا ہے، تاریخ کے جھروکوں میں جھا نکئے تو ایسے

مردان باصفا اور صوفیاء بے ریا کے کئی قافلے نظر آتے ہیں' ان قافلوں کے مختلف سلاسل' تبلیغ دین اور تقویم عقاید کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں' ان میں سے چار کو زیادہ شہرت ملی' نقشبندیہ' قادریہ' سہروردیہ اور چشتیہ' تاریخ کے اوراق ان سلاسل کے بزرگوں کے تذکروں سے منور ہیں' برصغیر پاک و ہند میں بھی ان سلاسل کا زور رہا اور ان کے مستقل زاویے اور خانقاہیں قائم ہوئیں۔

۶۰۳ھ تا ۹۳۲ھ کا عرصہ عالم اسلام کی شکست و ریخت کا دور ہے۔ منگول حملے شدت اختیار کرتے گئے اور مسلم ممالک ایک ایک کر کے سپرانداز ہوتے گئے' بے پناہ ظلم ہوا' خون کی ندیاں بہیں' تخت اُلٹے گئے اور عالم اسلام کراہنے لگا' انسانی فطرت ہے کہ ظاہری سہارے ٹوٹتے ہیں تو روحانی رابطوں کی فکر ہوتی ہے' عالم اسلام کی زبوں حالی نے تصوف میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا' پریشاں نظری کا شکار انسان اندر کی طرف جھانکنے لگا تو درد و غم کے شناوروں نے اس کرب کو پہچانا اور تپتی دھوپ کے مسافروں کو گھنے سایوں والے زاویوں میں پناہ دی مگر جب یہ مراکز ظلم کی زد میں آ گئے تو درد آشنا معالجوں نے صحت کے یہ مراکز اس تعفن سے دور منتقل کرنے کا عزم کر لیا' بہت سے صوفیاء برصغیر آ گئے اور مراکز قائم کیے' ان صوفیاء کے حسن کردار کی بدولت مقامی آبادی کی کثیر تعداد مسلمان ہو گئی' اس سے برصغیر میں موجود مذاہب کو تشویش لاحق ہوئی مگر اسلامی تعلیمات کا حسن اور اسے پیش کرنے والے صوفیاء کا حسین کردار اس قدر دلآویز تھا کہ مخالفت کی تمام آوازیں دب گئیں' اس پر معاندین نے نئے راستے تلاش کیے' مخفی سازشوں اور نظریاتی مغالطوں نے ایک ایسی تحریک کو جنم دیا جو بظاہر ایک اصلاحی تحریک تھی مگر درحقیقت اسلام کے خلاف ایک سازش تھی' اسے بھگتی تحریک کہتے ہیں' اسلام کو دیگر مذاہب سے مربوط کرنے کی یہ کوشش دراصل مسلمانوں کو اپنے

مرکز سے برگشتہ کرنے کی کوشش تھی' بدقسمتی سے مسلمان حکومت اس سازش کا ادراک نہ کر سکی' یہ نازک مرحلہ صوفیاء کے اجلے کردار کی وساطت سے طے ہوا اور تصوف کے حوالے سے غیراسلامی نظریات کی ترویج کا رد ہوا۔ یہ ایک ایسے صوفی باصفا کا عظیم کارنامہ ہے' جو علم کا منبع' حلم کا مخزن' مجاہدے کا امام اور اشاعت دین کا روشن حوالہ ہے' چند صدیوں کی سیاسی' معاشرتی اور سماجی تاریخ پر نظر ڈالئے' برصغیر کی توہم پرستی' صنم آشنائی اور سماجی تفریق کو پیش نظر رکھئے' کیا کسی مذہب کو اس ماورائت پسند سرزمین پر قدم جمانے کا موقعہ ملا؟ ہندو کی ملفوف چرب زبانی اور بے حد و حساب خود نگری کسی کے لئے کوئی موافق فضا پیدا کر سکی؟ ایسی اجنبی فضا اور ایسے ماند ماحول میں "تلاش احسن" کا ایک خوگر حسن عمل اور حسن معاشرت کی سلاح لئے میدان عمل میں اُترا تو کیا ہوا؟ دشمنی کا توڑ دوستی کے فروغ سے' توہم پرستی کا مقابلہ یقین کی سپر سے' تقسیم نسل آدم کے زہر کا مداوا وحدت انسانیت کے تریاق سے ہوا' تاریکیاں کافور ہوئیں' نظریات کی دھند چھٹنے لگی' رویوں کی تلخی معاشرت کی شرینی سے کافور ہوئی' نہ مال کا سہارا' نہ خاندانی وجاہت کا بھروسہ' نہ دعووں کی جلترنگ اور نہ آسائشوں کی چکا چوند' ایک قوت' ایک ہتھیار اور ایک ہی کاری ضرب' حسن مطلق کی نشان دہی' حسن عمل کی ترویج اور حسن معاملہ کا پرچار' معاملات اُلجھے ہوئے تھے' حسن و خوبی کا وجود ناممکن دکھائی دے رہا تھا پھر بھی احسن کی تلاش جاری رہی اور بہرحال رخ احسان کی جانب رہا یہ وجود حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ہے جو مدارج تصوف کے رمز آشنا اور احکام شریعت کی سربلندی کے بے باک ترجمان تھے' احسان زندگی کا ایک گوشہ نہیں مجموعی حوالہ ہے' رسول اکرم ﷺ کی سیرت گواہ ہے کہ آپ ہمہ تن احسان ہیں' احسن تقویم انسان کے لئے "اسوہ حسنہ" ہیں اس اُسوہ پر عمل پیرا یہ قافلہ احسان روشنی کا مینار ثابت ہوا' مادیت میں لتھڑا ہوا انسان' معاندین کا

گروہ، احسان مجسم سے پرخاش رکھنے والا فرد سب حسن خلق کے گھائل ہوئے، آج بھی ضرورت اس حسن عمل کی ہے، ہمہ خیر، ہمہ جہت اصلاح، سب کے لئے دردمند دل اور سب کے دکھوں کا مداوا کرنے والا عزم مطلوب ہے۔ دہشت و وحشت کے سیاہ پردوں میں راہ حیات کے بھٹکے ہوئے مسافروں کے لئے حسن نظراور حسن عمل کی ضیاء درکار ہے۔ آیئے صوفیاء کرام کے کردار میں اس اُجالے کو تلاش کریں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے آمین!

دریائے احسان میں تلاش احسن
کا عالمگیر سفر

پروفیسر محمد جمیل قلندر
ایسوسی ایٹ پروفیسر
نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز
اسلام آباد

دریائے احسان میں تلاش احسن کا عالمگیر سفر (ذلک ماکنانبغ)

پروفیسر محمد جمیل قلندر

دنیائے فکر جدید میں عمانویل کانٹ (Immanual Kant) ایک ایسا فلسفی ہو گزرا ہے، جس کی عمر بھر کی تحقیقی اور تدقیقی کاوشوں کا ماحصل یہ سامنے آیا ہے کہ انسان اشیاء کے حقائق (Things in Themselves) تک نہیں پہنچ سکتا، اور اس کا مبلغ علم اشیاء کے ظواہر (Phenomena) ہیں۔ کانٹ کے اس اعتراف شکست سے دنیائے فکر میں ایک گونہ قنوطیت اور یاسیت کی لہر دوڑ گئی، جو بالآخر شک و ارتیاب (Skepticism) اور لا ادریت (Agnosticism) کے اس منفیانہ رویے پر منتج ہو گئی کہ مابعد الطبیعی سوچ بچار (Melaphysical thinking) اور ماوراء النفسیاتی تحقیق (Parapsychological research) عبث و بیکار شے ہے، کیونکہ انسان کا حاصل علم صرف وہ کچھ ہے، جو اس کے حواس خمسہ کی زدو گرفت میں آ سکتا ہے۔ اس میں بھی اس کا ہدہد معلومات (Data) حسی ادراک کے کئی مغالطوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ لاادریت اور شک و ارتیاب کے اس منفیانہ رویے (Nihilistic Attitude) نے آگے چل کر مابعد الطبیعی اور ماوراء النفسیاتی حقائق سے جہل، فلھذا ان کے انکار پر مبنی ظوہرایت

(Phenomenologism) منطقی ایجابیت (Logical Positivism) اسمیت (Nominalism) اور الحادی وجودیت (Atheistic existentialism) جیسے بانجھ اور خشک فلسفوں کو جنم دیا۔

مغرب میں عرصے تک مابعد الطبیعی سوچ بچار اور ماورالنفسیاتی تحقیق و تدقیق علاقہ ممنوعہ رہی' تآنکہ۔ بیسویں صدی کے اختتام سے پہلے ہی' اہل فکر نے ظواہریت کے مغالطوں کو نہ صرف محسوس کیا' بلکہ اس کی سطحیت اور کھوکھلے پن کو بے نقاب کرنا شروع کیا۔

ہمارے ہاں دنیائے اسلام میں بھی جب سے قدیم و جدید ظواہریت اور حسیت کے زہریلے اور بیمار کن اثرات در آئے ہیں' تب سے کچھ مخصوص غیر پختہ اذہان صُمٌّ بُکمٌ عُمْیٌ ' کے اسی خفاشی اور شترمرغی روگ میں مبتلا رہے ہیں۔ خفاشی و شترمرغی روگ کیا ہے؟ یہ کہ انسان چاہے' جتنا بھی آگے بڑھے' اُوپر اُٹھے' وہ حس و عقل کے دائرے سے نہ تو آگے جا سکتا ہے' اور نہ ہی اسے آگے جانا چاہئے۔ اور اہل بصیرت کی یہ پکار کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں' اس کے بارے میں ان کا رویہ یہ رہا ہے کہ فِیْ آذَانِهِمْ وَقَرًا (الانعام:۲۵) (ان کے کانوں پر اس قسم کی دعوت بوجھ ہے) وَقُلُوْبُنَا غُلْفٌ۔(البقرۃ:۸۸) (ہمارے دل و دماغ میں اس قسم کی بدعت کے لئے کوئی گنجائش نہیں)

قرآن مجید نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسان' کائنات اور رب کائنات کے بارے میں ایک جامع و کلی نظریہ (Holistic View) پیش کیا' تاکہ ظواہریت اور حسیت پر مبنی یاس و قنوط کے جحیم کی تنگنائے میں محصور' کراہتی اور سسکتی ہوئی انسانیت کو نکال کر ماورائیت اور آخرت کی وسعتوں میں لے آئے۔ حیات دنیا کے مقابلے میں یہ حیات آخرت و ماورائیت کیا ہے؟ یہ شعور ذات' شعور کائنات اور شعور ذات حق کے لامتناہی ارتقائی سفر میں

قدم رکھنا' آگے بڑھنا اور اوپر اُٹھنا ہے۔ اَلْحَمْدُ سے لے کر وَالنَّاس تک سارا قرآن اسی سہ بعدی سفر کی رہنما کتاب (Guide book) ہے۔

آدمؑ اور علم الاسماء

قرآن کے سورہ بقرہ کے اندر قصہ آدم میں اسی سہ بعدی سفر کا آغاز اس نقطہ ماسکہ سے ہوا' کہ وَعَلَّمَ آدَمَ الاسْمَاءَ كُلَّهَا اللہ نے آدم کو سب کے سب' سارے کے سارے اسماء کا کلی علم دیا۔ یعنی ایسا علم' جس کی زد و گرفت سے کوئی اسم خارج نہیں۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ اسماء اپنے مسمیات۔ اشیاء سے اہم (More general) ہیں' کیونکہ وہ وجوب (Necessity)' وقوع (Occurance)' امکان (Possibility) اور احتمال (Probability) کے چاردوں دائروں پر' زمانی اور مکانی اعتبار سے محیط ہیں۔ بالفاظ دیگر' آدم (خلیفہ ربانی) اللہ کا وہ جیتا جاگتا کمپیوٹر ہے' جس کے ایک ڈسک کے اندر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ چاروں دائروں پر محیط اسماء کا کلی علم بھر دیا' (Feed) کیا۔ اور پھر ملائکہ سے مطالبہ کیا کہ اَنْبِئُونِيْ بِاَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (البقرۃ:۳۱) اگر تم اپنے دعوائے عبودیت و برتری میں سچے ہو تو ان مسمیات سے متعلق اپنا پیشگی علم پیش کرو۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے اَلِانْبَاءُ بِاَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ (مسمیات کے اسماء کے پیشگی علم) کا مطالبہ کیا' جس کا مظاہرہ آدم کر چکے تھے' مگر جس سے ملائکہ عاجز آ گئے۔ لہٰذا انہیں حکم دیا گیا کہ اِسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (البقرۃ:۳۴) تم سب کے سب آدم کو سجدہ کرو۔ گویا آدم کے خلافت و مسجودیت کی علت غائی "کُل اَسْمَاء" کے بارے میں علم نبوت پر مبنی یہی اِنباء (Information) تھا۔

آدمؑ، امام مبین، کتاب

قرآن حکیم نے وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ (البقرۃ:۳۱) کی حقیقت اور واقعیت کو دو اور مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ ایک جگہ (سورہ یٰسین کے اندر) یہ اعلان کیا ہے:۔ وَكُلَّ شَيٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْن (یٰسین:۱۲) ہم نے ہر شے کا۔ ایک ناطق و گویا امام میں۔ احصاء کیا ہے۔ اور دوسری جگہ (سورہ النباء کے اندر) یہ تصریح کی ہے کہ وَكُلَّ شَيٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتَابًا (النباء:۲۹) ہم نے ہر شے کو احصاء ایک کتاب، ایک رجسٹر، ایک کمپیوٹر کے ایجاد، اور اس کے نت نئے ماڈلوں کے اختراع سے یہ سمجھ میں آنے لگے ہیں۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی لائبریری۔ امریکہ کی کانگریس لائبریری۔ اپنے ضخیم مجلدات کے تمام صفات سمیت۔ کمپیوٹر کے ایک ایسے منی ڈسک میں، جو ناخن پر آسکتا ہے، سمو دی گئی ہے۔ جسے دیکھ کر یہ احتمال پختہ ہو جاتا ہے کہ آئندہ جا کر مائکرو صنعت (Micro industry) کے کمال کارکردگی کے بل بوتے پر، اسے اور بھی گھٹا، سکیڑ، اور سمٹا کر صرف ایک ہندسی نقطہ (Geometrical point) پر لایا جائے گا۔

اب مذکورہ آیات کو ایک ساتھ مندرجہ ذیل ترتیب سے ملاحظہ کیجئے:

۱۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الاَسْمَاءَ كُلَّهَا

۲۔ وَكُلَّ شَيٍ اَحْصِيْنٰهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْن

۳۔ وَكُلَّ شَيٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتَابًا

یہ تینوں آیات حضرت ابن عباسؓ کے قول۔ القرآن يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا کے مصداق ایک دوسری تفسیر کی کرتی ہیں۔ ان میں پوشیدہ واقعیت و حقیقت کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

وَتَحْسَبُ اَنَکَ جُرْمٌ صَغِیْرٌ
وَفِیْکَ اَنْطَوِیٰ اَلْعَالَمُ الاَکْبَرُ

تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے' حالانکہ تجھ میں یہ عظیم کائنات (Macrocosm) سمٹ کر آئی ہے۔

اب ذرا آگے بڑھیئے:۔

ہر علم جب کمال تک جا پہنچتا ہے' تو اس کا منطقی اور فطری نتیجہ تسخیرو تصرف ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اگر ایک طرف مقام آدمؑ سے متعلق وَعَلَّمَ آدَمَ الاَسْمَاءَ کُلَّهَا کا اعلان کیا' تو دوسری طرف اسی علم کلی پر مبنی تسخیر کلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ دوسرا نہایت اہم اور معنی خیز اعلان بھی کیا:۔ وَسَخَّرَلَکُمْ مَافِیْ اَلسَّمٰوَاتِ وَمَا فِیْ اَلْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ (الجاثیۃ:۱۳) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے' سب کا سب' اپنے پاس سے' تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اسم آدم' آدمی کے حیطہ علم سے خارج نہیں' اور کوئی شے انسان کے دائرہ تسخیرو تصرف سے باہر نہیں۔ اس حیطہ علم اور دائرہ تسخیرو تصرف کی زدو گرفت میں عالم شہادت و شہود (The visible realm) سے لے کر عالم غیب (The invisible realm) تک آتا ہے۔ ورنہ الاسماء کلھا اور جَمِیْعًا منہ کے کلمات بے معنی ہوتے۔

قرآن حکیم نے آدمؑ کی خلافت کی نظری بنیاد:۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا کے مضمون کو جابجا کئی انبیاء کے قصوں میں الم نشرح کیا ہے۔ وہ کیسے؟ اس کے لئے ذرا آگے بڑھنا ہو گا۔ انسان کے اندر جتنا داعیہ علم مرئی و مشہود کے ظواہر' حوادث اور وقائع کا کھوج لگانے کے لئے موجود ہے' اس سے کہیں زیادہ داعیہ اس کے اندر عالم غیب کے حقائق دریافت کے بارے میں پایا جاتا

ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ عام انسانوں کو تو چھوڑیئے' قرآن حکیم انبیاء اور رُسل۔ جو اخص الخواص ہیں۔ کے اندر نہ صرف اس قسم کے داعیے کا ذکر کرتا ہے' بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

اَنّٰی یُحْیِ هٰذِهِ اللّٰهُ

"مثلاً اسی سورہ البقرہ میں' جس میں آدمؑ سے متعلق وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا کا اعلان ہوا ہے' ایک برگزیدہ نبی عزرا' کا ذکر آیا ہے۔ ان کا گزر ایک ویران' خستہ اور اُجڑی ہوئی بستی سے ہوا۔ اور انہوں نے حیرت سے پوچھا:۔ اَنّٰی یُحْیِیْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (البقرۃ:۲۵۹) (اے اللہ اپنی اس موت کے بعد کب' کیسے' اور کیونکر زندہ کرے گا)۔ ان کا یہ کہنا ہی تھا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے سو سال تک "موت" وارد کی۔ اور پھر انہیں جگا کر پوچھا:۔ کَمْ لَبِثْتَ ؟ بتا تو کتنی دیر اس حالت میں رہا" وہ بولے:۔ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْبَعْضَ یَوْمٍ "دن بھر یا دن کا کچھ حصہ" اللہ تعالیٰ نے کہا:۔ نہیں' بلکہ امر واقعہ تو یہ ہے' کہ تو سو سال تک اس حالت میں رہا ہے۔ سو دیکھ اپنی کھانے پینے کی چیزوں کی طرف' جن میں مرور وقت سے کچھ تغیر نہیں آیا۔ اور دیکھ اپنے گدھے کی طرف (اور پھر اپنی طرف) تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں' اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم کیسے انہیں اٹھا کر جوڑتے ہیں' اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ سو جب یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے' لیبارٹری طریقہ کار کے مطابق۔ ان پر کھل گیا تو وہ پکار اُٹھے کہ اب مجھے علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔۔۔ اس آیت مبارکہ میں "انظر" کی تین مرتبہ تکرار ببانگ دھل پکار رہی ہے کہ

؏ ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اور پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس قسم کا ماورائی تجربہ اور مشاہدہ تعلیم و تربیت انبیاء کے اس پروگرام کا ناگزیر اور لاینفک حصہ ہے جس کی طرف ان آیات مبارکہ میں اشارہ کیا گیا ہے:۔ عٰالِمُ الْغَیْبِ فَلاَ یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا۔ لِیَعْلَمَ اَنْ قَدَا بْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِھِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْھِمْ وَاَحْصٰی کُلَّ شَئیٍ عَدَدًا۔ (سورۃ الجن ۲۶۔۲۸)

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی

دریائے احسان میں تلاش احسن کی سیرو سیاحت میں حضرت سیدنا ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت مبارکہ۔ قرآن حکیم کے نزدیک۔ ایک حسین و جمیل ماڈل (اسوہ حسنہ) کی حیثیت رکھتی ہے۔ (قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ)(المتحنۃ:۴) یہ حضرت سیدنا ابراھیم علیہ السلام ہی ہیں، جس سے قرآن حکیم دین اسلام کو منسوب کرتے ہوئے کہتا ہے:۔ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ یہ تمہارے باپ ابراھیم کی ملت ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی سیرت مبارکہ کے مابہ الامتیاز پہلوؤں میں سے، جو ہمارے لئے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک پہلو، جو اس وقت اس مبحث میں پیش نظر ہے، یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے غیبی اور ماورائی حقائق پوچھنے، ان کو جاننے اور سمجھنے میں حیرت انگیز او تعجب خیز بے باکی اور جرأتمندی کا مظاہرہ کیا، جس کی اللہ تعالیٰ نے حوصلہ افزائی اور پذیرائی کی۔

عالم غیب سے متعلق حضرت ابراھیم علیہ السلام کا یہ سوال اپنے اندر

تجسّس و تفحص کی ابراہیمی تڑپ سموئے ہوئے ہے کہ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی (البقرۃ: ۲۶۰) اے میرے رب مجھے "دکھایئے" کہ تو مردوں اور بے جان اشیاء کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام جیسے ذوالعزم پیغمبر کے اس سوال پر جس قدر حیرت ہونی چاہیئے' اس سے کہیں زیادہ اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابراھیم علیہ السلام کے اس سوال سے نہ صرف ناراض نہیں ہو جاتے' بلکہ حوصلہ افزائی' پذیرائی اور لیبارٹری تجرباتی طریقہ (Lab demontrative method) پر ابراہیم علیہ السلام سے چار پرندوں پر تجربہ کرا کر ان کی تشفی کرتے ہیں۔ اور آپ علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ اس تجربہ و مشاہدہ کی روشنی میں جان لو (اعلم) کہ اللہ زبردست طاقت و قوت اور حکمت والا ہے۔ یہاں پہ نکتہ قابل غور ہے کہ ابراھیم علیہ السلام کے مذکورہ سوال پر جب اللہ تعالیٰ اس سے پوچھتے ہیں: اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ؟ (کیا تو نے اب تک اسے نہیں مانا ہے؟) تو آپ جواب دیتے ہیں:- وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ (کیوں نہیں' مگر میں تو صرف اطمینان قلب چاہتا ہوں)--- اس سے دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ انبیاء۔ جو اخص الخواص ہیں۔ خالی خولی' نرے (ایمان) پر قناعت نہیں کرتے' بلکہ وہ مکمل اطمینان چاہتے ہیں' جو تجربے اور مشاہدے کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ پھر وہی بات کہ

ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اِنِّیۡ وَجَّھۡتُ وَجۡھِیَ لِلَّذِیۡ

دریائے احسان میں تلاش احسن کے سفر میں' فطرت کی کھلی لیبارٹری میں' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ "مناظرے" میں دیدہ بینا

اور دل دانا کے لئے کئی معنی خیز اشارے موجود ہیں۔ اس میں غالبا پہلی مرتبہ فرضیاتی۔استقرائی طریقہ استدلال (Hypothetico inductive method) کام میں لایا گیا ہے۔

یہ مناظرہ گویا حضرت ابراھیم علیہ السلام کا دریائے احسان میں تلاش احسن کا ایک سفر ہے' جس کا آغاز رات کے اندھیرے میں آسمان پر ایک تارے کے مشاہدے سے ہوتا ہے۔ جسے دیکھ کر حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی قوم کی تفہیم کی خاطر یہ مفروضہ (Hypothesis) فرض کر لیتے ہیں کہ ھذا ربی (چلو' فرض کر لیتے ہیں کہ یہ مرا رب ہے)۔ جب وہ ڈوب جاتا ہے تو کہتے ہیں: میں ڈوبنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ کچھ دیر کے بعد چاند نمودار ہو جاتا ہے' جسے دیکھ کر حضرت ابراھیم علیہ السلام پھر وہی مفروضہ 'بغرض تفہیم' فرض کر لیتے ہیں کہ ھذا ربی۔ جب وہ ڈوب جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اگر مرا رب میری رہنمائی نہ کرے' تو میں یقیناً ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں گا جو اپنی منزل سے بھٹک کر کھو گئے ہیں۔ طلوع صبح کے وقت سورج کو چڑھتا ہوا دیکھ کر پھر وہی مفروضہ زبان پر لاتے ہیں۔ کہ ھذا ربی۔ ھذا اکبر (چلو فرض کر لیتے ہیں' یہ میرا رب ہے' یہ ان دونوں جرموں سے بڑا ہے۔) مگر جب وہ بھی ڈوب جاتا ہے تو پکار اُٹھتے ہیں کہ "اے میری قوم! جو کچھ تم شریک بناتے ہو' میں ان سے بری ہوں۔ میں نے اپنی تمام تر توجہ اس ذات کی طرف مبذول کی ہے کہ جس نے زمین و آسمان کو ایک دوسرے سے پھاڑ کر تخلیق کیا ہے۔ اور میں مشرکیں میں سے نہیں ہوں۔" یوں مظاہر فطرت کے "اَفُول" سے ان کے صفات الوہیت و ربوبیت سے خالی و عاری ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ یہ پھر وہی مشاہدے کا طریقہ ہے--- یہ مشاہدہ چاند' تاروں اور سورج تک محدود نہیں ہوتا۔ بلکہ زمین و آسمان کے سارے نظام کو شامل اور محیط ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ

السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (الانعام: ۷۵) (اسی طرح ہم ابراھیم کو آسمانوں اور زمین کے نظام کا مشاہدہ کراتے ہیں' تاکہ وہ اہل یقین میں داخل ہو جائے) دریائے احسان میں تلاش احسن کی آخری منزل یقین ہے۔ حدیث میں ہے:۔ اَنْ تَعْبُدُ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ وَاِنَّ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ :۔ اپنے رب سے لو لگائے رکھو' اس طرح کہ جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے' اور اگر تو اسے نہیں دیکھ پاتا تو یہ یقین پیدا کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سید الوجود اور خاتم الانبیاء علیہ الصلواۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے موسیٰ' ابراہیم' عزراء علیھم السلام کی طرح رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (الاعراف: ۱۴۳)' رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی' اور اَنّٰی یُحْیِ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا جیسے مطالبات اور سوالات کیئے تھے' اور کیا آپ ﷺ کو بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کی طرح آسمانوں اور زمینوں کے نظام کا مشاہدہ کرایا گیا تھا؟ اس کے جواب میں دو نکتے قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن حکیم نے تصریح کی ہے کہ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (الضحیٰ: ۵) اور اللہ آپ کو اتنا کچھ' اتنا کچھ دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ معطیات کے اس وعدے میں عالم غیب اور عالم شہود کے حقائق' وقائع' اور ظواہر سے متعلق علم و تسخیر کے سارے انعامات اور اکرامات آ جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے اسی وعدے کے وقوع اور تحقق کے بارے میں اعلان کیا ہے کہ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (الکوثر: ۱) ہم نے تجھے الکوثر دیا ہے۔ الکوثر کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے معیار کے مطابق "خیر کثیر" ہے' جس کے اندر حکمت بھی شامل ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (البقرۃ: ۲۶۹) بحث کی اس شق کا حاصل یہ ہے کہ جو کچھ پہلے انبیاء و رُسل کو مانگنے پر دیا گیا تھا' اس سے لاانتاہی طور پر زیادہ حضور ﷺ کو بن مانگے عطا کیا گیا۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قرآن

حکیم میں سابقہ انبیاء و رسل کے جن جن کمالات کا جو ذکر آتا ہے' وہ ضمناً آپ ﷺ ہی کے کمالات کا جزئی تذکرہ ہے۔ چنانچہ سنن الدارمی اور مشکوٰۃ المصابیح میں عبدالرحمٰنؓ بن عائش سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ میں نے اپنے رب عزوجل کو ایک حسین ترین شکل میں دیکھا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ ملاء اعلیٰ کے مکیں کس بات پر جھگڑتے ہیں۔ میں نے جواب دیا:۔ تو ہی سب سے زیادہ دانا ہے۔ تو رب عزوجل نے اپنی ہتھیلی میرے دو کندھوں کے درمیان رکھی تاآنکہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنی چھاتیوں میں محسوس کی' جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے' وہ میرے علم میں آیا۔ اور پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ وَ كَذٰلِكَ نُرِیْ اِبْرَاهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ" (الانعام:۷۵) ایک اور روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔ "ہم ابراھیمؑ سے کہیں زیادہ اس مقام کے مستحق ہیں"۔۔۔ اور معاذؓ بن جبل سے مروی ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:۔ وَجَدْتُ یَرَدَ اَنَامِلِهٖ بَیْنَ ثَدَیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ كُلُّ شَیْئٍ وَعَرَفْتُ میں نے رب کریم کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں میں محسوس کی' اور پھر ہر شے مجھ پر عیاں ہو گئی' اور ہر شے کو میں نے پہچان لیا۔" ترمذی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:۔ "رب عزوجل نے اپنی ہتھیلی میرے کندھوں کے درمیاں رکھی یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیاں محسوس کی' اور پھر جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیاں ہے' وہ مجھے معلوم ہوا۔"

یہ تمام روایات ایک ہی سلسلہ کلام کی مختلف کڑیاں ہے' جو ہر راوی نے اپنی فہم و یادداشت کے مطابق سن کر اور حفظ کر کے بیان کی ہیں۔ ان کے اندر کے اجمال کی تفصیل دوسری روایات میں موجود ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ثوبانؓ سے مروی ہے کہ "اللہ نے میرے لئے زمین کو سمٹا دیا تو میں نے

اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھا۔" طبرانی نے ابن عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو یوں اُٹھا دیا (ایک گیند کی طرح) کہ میں اس کی طرف' اور اس کے اندر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے' اس کی طرف یوں دیکھ رہا ہوں' جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔"---

آج سے کچھ عرصہ پہلے یہ باتیں عام لوگوں کی سمجھ بوجھ سے باہر تھیں۔ مگر زمانہ حال میں ریڈیو' ٹیلی فون' لاسلکی' راڈار' ٹی وی' کمپیوٹر اور انٹرنیٹ جیسے ایجادات نے حضور ﷺ کے ان فرمودات کو سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ اور پھر مستقبل قریب و بعید میں کیا کیا کچھ سامنے آنے والا ہے' جس کے سامنے موجودہ ایجادات کی دنیا محض بازیچہ اطفال دکھائی دے گی۔ چارلس برلٹز (Charies berlitz) اپنی مشہور کتاب (The Bermuda triangle) میں لکھتا ہے کہ "امریکہ اور روس جیسی خلائی قوتوں کی طرف سے ایسے تجربات کیئے جا رہے ہیں' جو اس بات کے غماز ہیں کہ مجودہ سائنسی افسانے (Science fictions) شاید بنیادی عمل تبدل و تحول سے گزر کر مستقبل کی حقیقی سائنس کے روپ میں سامنے آجائیں گے۔"

میراث پیغمبر آخر زمان ﷺ

حضور ﷺ کے مذکورہ فرمودات مشت نمونہ ای از خروارے کے مصداق پیش کیئے گئے ہیں' ورنہ یہ تو علم و عرفان کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے' جس کے بارے میں لب کشائی کرنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ہمارے لئے علم ظاہر کا صرف ایک دریا ہی نہیں چھوڑا ہے' بلکہ علم باطن کا سات سمندری ہفت

دریائی سمندر' دریا بھی چھوڑا ہے۔ چنانچہ حضرت ابودرداء ؓ سے روایت ہے کہ "بلا شک و شبہ رسول ﷺ کو ہم نے اس حال میں چھوڑ آئے کہ کوئی پرندہ اپنے پردوں کو نہیں ہلاتا' مگر یہ کہ آپ نے ہم سے اس کا مفصل علم بیان فرمایا۔" عمرو بن الاخطب الانصاری ؓ سے روایت ہے کہ "ایک دن رسول ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے' اور ہم سے خطاب کیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوا تو آپ اُترے اور نماز پڑھائی۔ اور پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اور ہم سے خطاب کیا' یہاں تک کہ عصر کا وقت پہنچا تو آپ اُترے اور نماز پڑھائی۔ اور پھر منبر پر تشریف لے جا کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ اور اس طرح آپ نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے' ہمیں اس کے بارے میں بتا دیا۔ پس ہم میں سے سب سے عالم وہ ہے' جس نے سب سے زیادہ اسے یاد رکھا۔" اس حدیث کی رو سے اَعْلَمِیَّتْ کا معیار حضور ﷺ کے علمی ورثے کے اس حصے کو سب سے زیادہ جاننا' سمجھنا اور یاد کرنا ہے' جو امور غیبیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور صحابہ کرام ؓ اسی پر فخر کرتے تھے۔ اور یہ فخر بلاوجہ نہیں تھا' کیونکہ حضور ﷺ کی نبوت و انباء کا یہ حصہ اتنا اہم اور ضروری تھا کہ آپ ﷺ نے اسے صحابہ کرام ؓ کو سنانے کے لئے بیچ میں سے نمازوں کا وقفہ چھوڑ کر فجر سے مغرب تک کے طویل دورانیے تک ان کو مسجد میں پابند کیا تھا۔۔۔

حضور ﷺ نے بار بار صحابہ کرام ؓ پر یہ واقعیت اور حقیقت روز روشن کی طرح واضح کر دی تھی کہ وہ علم و عرفان اور خبر و نظر کے کتنے بلند ترین افق اعلیٰ پر متمکن ہیں' جہاں سے وہ غیب و شہود کے دونوں سمندروں کا نظارہ کر رہے ہیں۔ امام احمد بن حنبل ؒ سے روایت ہے کہ:۔ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو' بناتے ہو' اس میں سے شاید کوئی چیز مجھ سے چھپی رہتی ہے۔ اللہ کی قسم! بلاشک و شبہ میں اپنے پیچھے

سے اس طرح دیکھتا ہوں' جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔" حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ "ایک جگہ رسول ﷺ ہماری محفل میں اُٹھ کھڑے ہوئے' اور ہمیں تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہل جنت اور اہل دوزخ کے اپنے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔ پس جس نے اسے یاد رکھا' اسے یاد رہا اور جس نے اسے بھلا دیا' وہ بھول گیا۔"

حضور ﷺ کے یہ فرمودات اور ارشادات دراصل اس اجمال کی تفصیل ہیں' جو آیت: وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا کے اندر پایا جاتا ہے۔ مگر اس فرق کے ساتھ کہ آدم کو صرف "کل اسماء" کا علم دیا گیا تھا' جبکہ حضور ﷺ کا علم کلی اسماء اور اشیاء دونوں پر محیط ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے' جس کی طرف امام شرف الدین بوصیری قدس سرہ نے اپنے قصیدہ ہمزیہ اور قصیدہ بردہ شریف کے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

لَكَ ذَاتُ الْعُلُوْمَ مِنْ عَالَمِ الْغَيْب
وَمِنْهَا لِآدَمَ الْاَسْمَاءُ

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

قرآن مجید نے ساری تفصیل کو اس آیت میں سمٹا کر بیان کیا ہے:۔
وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (النساء: ۱۱۳) "جو کچھ پہلے تو نہیں جانتا تھا' وہ سب کچھ کا اس نے تجھے علم دیا۔ اور اس ضمن میں اللہ کا تجھ پر فضل عظیم رہا ہے۔" اللہ تعالیٰ اپنی سطح سے' جو اسی کی شایان ہے' یہ اعلان کر رہا ہے۔ اور اپنے الوھیاتی معیار کے مطابق علم کی

اس عطاء کو فضل عظیم قرار دے رہا ہے' تو پھر کونسا وہ بشری پیمانہ ہو سکتا ہے' جس سے اس کو ناپا تولا جانا ممکن ہے۔ ورنہ اس کے بارے میں فضل عظیم کا ربانی ادعاء۔ العیاذ باللہ۔ نری مبالغہ آرائی اور شاعری ہو گی' جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات بہت دور ہے۔

تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

حافظ محمد شکیل اوج
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہ علوم اسلامی
کراچی یونیورسٹی

تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

حافظ محمد شکیل اوج

اسلامی علوم کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول فقہ دوئم تصوف اور سوئم فلسفہ۔۔۔ فقہ ظاہری احکام کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ تصوف ان ظاہری احکام کی باطنی کیفیت کو اُجاگر کرتا ہے اور فلسفہ ان احکام کے صحیح اور راست ہونے کے دلائل فراہم کرتا ہے۔ یہ تینوں علیحدہ علیحدہ علوم ہیں۔ مگر اس وقت ہم صرف تصوف کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔

اہل علم نے تصوف کے درج ذیل مادہ ہائے اشتقاق بیان کیئے ہیں۔

۱۔ بعض نے اسے الصفا سے مشتق مانا ہے۔ جس کے معنی صفائی اور پاکیزگی کے ہیں۔۔۔ اس مادہ اشتقاق کی رو سے کسی شے کو ہر طرح کی ظاہری و باطنی آلودگی سے پاک و صاف کر کے اُجلا اور شفاف بنا دینا تصوف ہے۔ حضرت علی ہجویری ؒ المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں شیخ خضری ؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ کَدُوْرَۃِ الْمُخَالَفَۃِ ترجمہ:۔ باطن کو مخالفت حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک و صاف کر دینے کا نام تصوف ہے۔(۱)

۲۔ بعض کے خیال میں یہ "الصفو" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی محبت اور

دوستی میں اخلاص کے ہیں۔ جیسے کہ المنجد میں ہے اَلْاِخْلَاصُ فِیْ مَوَدَّۃِ اَلصَّدِیْقِ الْمُخْلِصِ۔ (۲)

۳۔ بعض کے نزدیک یہ الصوف سے مشتق ہے۔ جس کے معنی اون کے ہیں اور باب تفعل کے وزن پر تصوف کا معنی ہے۔ اس نے اونی لباس پہنا۔۔۔ بعض مردان حق نے قرون اولیٰ میں اظہار تذلل' مجاہدہ اور غایت درجہ عجز و نیاز کی خاطر کھردرا اونی لباس پہنا۔ چنانچہ اس اونی لباس کی مناسبت سے ان کو "صوفی" کا لقب ملا۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میری ان ستر صحابہ سے ملاقات ہوئی' جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی اور انکا لباس پشمینہ کا تھا۔(۳)

۴۔ بعض کے نزدیک یہ الصفہ سے قریب ہے۔ جیسا کہ شیخ ابوبکر بن اسحٰق بخاریؒ فرماتے ہیں۔ صوفیاء کی وجہ تسمیہ ان کا بااعتبار اوصاف اصحاب صفہ سے قریب تر ہونا ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں موجود تھا۔

۵۔ بعض علماء تصوف کو الصف سے مشتق قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں۔ تصوف' صف سے مشتق ہے۔ گویا کہ صوفیاء کے قلوب باری تعالیٰ کے حضوری کے اعتبار سے صف اول میں ہوتے ہیں۔

۶۔ بعض کے نزدیک یہ صفتہ سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ سارا تصوف محاسن کے ساتھ متصف ہونا ہے۔(۴)

امام قشیریؒ' تصوف کی لغوی بحث بالتفصیل نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔ اس لفظ کا ماخذ اشتقاق عربیت کے لحاظ سے اور قواعد صرف کی رو سے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ اس فن کا ایک لقب ہے۔ واضح رہے کہ علامہ ابن خلدونؒ نے امام قشیری کی اس رائے کو پسند کیا ہے۔

بعض لوگ تصوف کا انکار محض اس بناء پر کر دیتے ہیں کہ یہ اصطلاح رسول پاک ﷺ' صحابہ کرامؓ اور تابعین کے زمانے میں رائج نہ تھی۔

حالانکہ یہ ایک فضول بات ہے۔ اگر تصوف کا لفظ حضور ﷺ کے زمانے میں رائج نہ ہونے کی وجہ سے بدعت اور قابل نفرت ہے تو بقول ابوالفیض قلندر علی سہروردی کے اہلحدیث' اہل قرآن' دیوبندی' وہابی' شیعہ' ندوی اور لیڈر (جیسے الفاظ) کب رائج تھے "کانگریسی' لیگی' احراری' خاکسار نیلی پوش' سرخ پوش' خدائی فوجدار کہاں تھے؟ حکیم الامت' علامہ' مولانا' مولوی کا کب ذکر ہوا تھا؟ کیا صحابہ کرام کی جماعت کوئی بزرگ مولوی ابوہریرہ' یا مولانا معاذ بن جبل یا ملا ابن مسعود' علامہ ابن عباس یا حکیم الامت ابن عمر مشہور تھے؟(۵)

قاضی قیصر الاسلام کے نزدیک مسلک تصوف کی کوئی مکمل تعریف ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اس کا انحصار ذاتی رجحانات اور مشاہدہ یا وجدان پر ہے۔ چنانچہ جداگانہ وجدانی صورت احوال کے مختلف النوع تجربات کا میدان بڑا وسیع ہو جاتا ہے۔ تاہم ایک بات ضرور ہے کہ جسکو جس منتہا کی ذوقی کیفیات میسر آئیں گی اسی اعتبار سے اسے حقیقت الامر کا فہم حاصل ہو گا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد بہ عہد تصوف کی مختلف صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ابتدائے اسلام میں تصوف محض زہد و ورع کی ایک شکل تھی۔ اور پھر اس میں آمیزش کے آثار پائے جانے لگے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ صرف اسلامی تصوف میں اسکی بے شمار صورتیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ جو باہم ایک دوسرے سے متخالف معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس صورتحال میں تصوف کی مختلف تعریفات میں کسی "قدر مشترک" کی جستجو کرنا بہت دشوار گزار کام ہے۔(٦)

تاہم باطنی مشاہدات کی پوری تاریخ کے پس منظر میں ہمیں صوفیاء کے یہاں جو مختلف تعریفات تصوف کی ملتی ہیں۔ ہم یہاں انکا مختصراً تذکرہ کریں گے۔ کیونکہ قاعدہ اور دستور یہی ہے کہ کسی بھی علم و فن کو سمجھنے اور سیکھنے کے لئے ان علوم و فنون کے ماہرین کے اقوال کا پابند ہونا اور انکی پیش کردہ

تعریفات میں ہی اس علم و فن کو سمجھنا اور سیکھنا پڑتا ہے۔ یہ منزل ہے جہاں تقلید کئے بغیر بات بنتی نظر نہیں آتی۔ اس لئے ہم بھی تصوف کی اس تعریف کو معتبر اور لائق تسلیم سمجھتے ہیں، جو صوفیاء نے کی۔

۱۔ حضرت محمد بن حسین بن علی بن ابی طالب" فرماتے ہیں۔ تصوف نیک خوئی کا نام ہے۔ جتنا کوئی شخص نیک خوئی میں بڑھا ہوا ہو گا اتنا ہی تصوف میں بڑھ کر ہو گا۔

۲۔ حضرت معروف کرخی" (۲۰۰ھ۔۔۔ ۸۱۶ء) فرماتے ہیں کہ حقائق کو گرفت میں لانا، دقائق پر گفتگو کرنا، اور خلائق کے پاس جو کچھ ہے۔ اس سے ناامید ہونا تصوف ہے۔

۳۔ حضرت ذوالنون مصری" (۲۴۵ھ۔۔۔۸۵۹ء) فرماتے ہیں کہ صوفی وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے تمام کائنات میں صرف خدائے بزرگ و برتر کو پسند کیا ہے۔

۴۔ حضرت ابوالحسن نوری" (۲۹۵ء۔۔۔ ۹۰۸ء) فرماتے ہیں کہ صوفی وہ لوگ ہیں کہ جنکی روح بشریت کی کدورت سے آزاد ہو چکی ہے اور آفت نفس سے صاف، ہوا و ہوس سے خالص ہو گئی ہے۔ یہ لوگ صف اول اور درجہ اعلیٰ میں خدا سے قریب ہیں۔ وہ نہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں اور نہ کسی کے مملوک۔ تصوف نہ علوم کا نام ہے اور نہ رسوم کا بلکہ یہ ایک اخلاق کا نام ہے۔ اگر یہ رسم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہو جاتا اور اگر یہ علم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہو جاتا۔

۵۔ حضرت جنید بغدادی" (۲۹۷ھ۔۔۔۹۱۰ء) فرماتے ہیں کہ عارف وہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اسرار نہانی سے گفتگو کرتا ہے تو وہ خاموش رہتا ہے۔ معرفت خدائے تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنے کا نام ہے۔ تصوف ذکر ہے۔ پیروئی حق ہے اور پھر نہ یہ ہے اور نہ وہ ہے۔ نیز فرماتے ہیں: تصوف کی آٹھ

خصلتیں ہیں۔ سخاوت' رضا' صبر' اشارت' غربت (اجنبی ہونا) لباس صوف' سیاحت اور فقر۔۔۔ سخاوت کا نمونہ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ رضا کا نمونہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ صبر کا نمونہ حضرت ایوبؑ ہیں۔ اشارت کا نمونہ حضرت زکریاؑ ہیں۔ غربت کا نمونہ حضرت یحییٰؑ ہیں۔ صوف پوشی کا نمونہ حضرت موسیٰؑ ہیں' سیاحت کا نمونہ حضرت عیسیٰؑ ہیں اور فقر کا نمونہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔۔۔ نیز فرماتے ہیں:۔ تصوف یہ ہے کہ اللہ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ سے سوال کیا کہ ولی کی تعریف کیا ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جس کے چہرے پر حیاء' آنکھوں میں گریہ' دل میں پاکیزگی' زبان پر ثناء' ہاتھوں میں بخشش' وعدہ میں وفا' اور باتوں میں شفا ہو۔

۷۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔ ولی اسے کہتے ہیں کہ جو خدا کی محبت و رضا کو بلا طلب اغراض منظور خاطر رکھے۔ تذلل و اخلاص کو شیوہ بنائے' نفس کے ساتھ جہاد کرے' روح کو ذکر الٰہی سے زندہ کرے' امیروں میں جب بیٹھے تو اپنے شرف و احترام کا غلبہ رکھے' فقریوں کی مجلس میں عاجزی کرے' بے شرمی' شوخی اور بد خلقی سے بچے' مسلمانوں سے حسن ظن رکھے' اور ان کے مفاد کو پیش نظر رکھے۔ امربالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوشاں رہے۔ کسی کی برائی اور بغض و کینہ کو اپنے سینہ میں نہ رکھے۔ سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے۔ ادائے فرض میں کسی مصیبت اور آزمائش سے نہ گھبرائے۔ اپنی روزی قوت بازو سے پیدا کرے۔

۸۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔ منزل تصوف کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے۔ صفات مذمومہ کو مٹائے' تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو

جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اسکو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔

تصوف کے بارے میں متعدد صوفیائے کرام کی آراء آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ اِن تعریفات میں آپ کس تعریف کو غیراسلامی نظریات کا مجموعہ، عجمی افکار کا مظہر، مسیحی رہبانیت کا عکس، بدھ ازم سے موخوذ یا مانویت کا سرچشمہ کہہ سکتے ہیں۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ ان واضح اور روشن تصریحات کے باوجود متشرقین کو مسلمانوں میں اپنے ہمنوا کیسے مل گئے کہ جنہوں نے اسلامی تصوف کو ہندو مت کے نظریئہ ترک علائق، بدھ مت کے نظریہ ترک دنیا اور عیسائیت کے نظریہ رہبانیت کے مشابہ قرار دیا ہے۔

میرے خیال میں تصوف کو ویدانت ازم، مانویت، اشراقیت، یوگا، مسیحی رہبانیت یا بدھ ازم وغیرہ کا نام دینا اور اس کے خوشگوار اثرات کو افیون اور کوکین جیسا سمجھنا لا علمی، کم نظری، ناقص الفہمی، بے بضاعتی، کٹ حجتی اور تصوف دشمنی کے سوا کچھ نہیں۔

تصوف کو مسیحی رہبانیت سمجھنے والے اپنے دعوئ میں چلہ کشی اور ریاضت کو بطور دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ خانقاہوں میں نشینان عزلت و خلوت کو راہب اور جوگی تصور کر سکتے ہیں۔ مگر ان کا یہ سمجھنا مبنی برصائب نہیں۔۔۔ جس طرح ایک طالبعلم حصول علم دین کے لئے، ایک کاریگر حصول معاش کے لئے، ایک سیاح اپنے مشن کے لئے، ایک ملازم اطاعت مقتدر کے لئے، اگر سالہا سال تک گھر اور وطن سے دور رہتا ہے اور اسکی زندگی پر رہبانیت کا شبہ بھی نہیں کیا جاتا تو پھر کیا یہ نافہمی نہیں کہ ایک متلاشی حق نے اسی طریق پر اگر چند سال زہد و ریاضت میں گزار دیئے، اصلاح نفس کے لئے کچھ عرصہ کسی پیر طریقت کے ارشاد پر بادیہ پیمائی کی تو اس پر رہبانیت کی پھبتی کس دی جائے۔

جبکہ صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کی مقدس جماعتوں میں خود ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جنکا طرز عمل وہی تھا' جو آجکل کے ایک خداشناس صوفی کا ہے۔ اصحاب صفہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

مقام غور ہے کہ کتنی تگ و دو کے ساتھ صوفیوں کے فعل چلہ کشی کو بدعت کا رنگ دے کر اُچھالا جاتا ہے۔ فقط اس لئے کہ ان لوگوں کے زعم باطل میں صوفی کا چلہ کشی کرنا رہبانیت کا جزو اعظم ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کے لئے چالیس دن کی میعاد مقرر فرمائے جانے کا ذکر بڑی وضاحت سے آیا ہے۔(۷) اور بقول عبدالماجد دریا باری "مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل سلوک کے یہاں جو چلہ میعاد متعارف ہے۔ اسکی اصل یہیں سے ہے۔"(۸)

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام اولاد کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ جواب میں خوشخبری ملتی ہے کہ ہم تجھکو یحییٰ نام کا بیٹا عطا فرمائیں گے۔ عرض کرتے ہیں۔ کوئی نشانی فرمائی جائے تو جواب ملتا ہے کہ تو تین دن خاموشی (یعنی چپ) کا روزہ رکھ اور فقط اشارے سے بات کرو اور اللہ کا صبح شام کثرت سے ذکر کر' حضرت زکریا کو بیٹا ملا مگر تین دن کا یہ مختصر سا چپ کا روزہ اور مجاہدہ بیٹے کے پیدا ہونے سے کیا تعلق رکھتا تھا۔ معلوم ہوا کہ قدرت کے کچھ قوانین ہیں اور عموماً نتائج ان ہی قوانین کی پابندی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر علمی تحقیق سے کام لیا جائے تو مجاہدہ کا سب سے بڑا رکن چلہ کشی ہے۔ جس کے بغیر مجاہدہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت کے چلہ کا ذکر بھی احادیث میں بایں الفاظ آتا ہے۔

مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعِینْ صَبَاحًا ظَھَرَتْ لَہُ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَۃِ عَلٰی لِسَانِہٖ وَمِنْ قَلْبِہٖ۔

یعنی جس نے چالیس دن اللہ کے لئے خلوص سے گزار دیئے۔ حکمت

کے چشمے اسکے دل اور زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ (۹)

غرض یہ کہ غارِ حرا میں آنحضرت ﷺ کی چلہ کشی اور ریاضت ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اور ذکر الٰہی پر مداومت کے متعدد احکام قرآن و سنت میں بصراحت موجود ہیں۔۔۔ پس خانقاہوں کے گوشہ نشینوں کے مثال بعینہ ایسی ہوئی، جیسے فوج میں کسی رنگروٹ کو بھرتی کیا جائے اور اسے کچھ عرصے کے لئے چھاؤنی میں بھیج دیا جائے، جہاں اسکی عسکری تربیت و تنظیم کی جائے تاکہ وہ دشمنوں پر موثر حملہ کرنے کے قابل ہو سکے۔ اگر کسی رنگروٹ کو ٹریننگ کے مراحل سے گزارے بغیر محاذ جنگ پر بھیج دیا جائے تو یقین کیجئے وہ رنگروٹ کسی دشمن پر موثر حملہ تو کیا کرے گا۔ خود اپنے ہی لشکر کے لئے وبال جان بن جائے گا۔ اسی لئے علمائے کرام کو کچھ عرصہ کے لئے روحانی چھاؤنیوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں انکی روحانی تربیت و تنظیم ہوتی ہے تاکہ جب وہ علمی میدان میں قدم رکھیں تو دین کی تبلیغ بڑے موثر طریقے سے کر سکیں۔

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سطحی سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ رائج الوقت انداز میں صحابہ نے مجاہدے کہاں کیئے؟ حالانکہ یہ امر خوب واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور پاک میں صحابہ کرام ؓ کی تمام ظاہری و باطنی منزلیں بہ آسانی طے ہو جایا کرتی تھیں۔ انہیں مراقبوں، مکاشفوں اور وظیفوں کی خاص ضرورت نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ کی صحبت بابرکت تمام وظیفوں اور چلوں، تمام مجاہدوں اور ریاضتوں سے برتر و افضل تھی۔ اس لئے صحابہ کو زیادہ مشقتوں یا انفرادی عبادتوں کی ضرورت نہ تھی اور ویسے بھی صحابہ کی حیات مستعار کے بیشتر حصے غزوات و سرایا میں بسر ہوئے کیونکہ وہ دور اسلام کی بقاء ارتقاء کا دور تھا۔ دور صحابہ کے بعد تابعین کا عہد شروع ہوا۔ اور ان کے بعد تبع تابعین کا۔ ہر دور میں ایمان کی حالت و کیفیت وہ نہ رہی۔ جو ان کے پیشروؤں کی تھی۔ ایمان میں بتدریج ضعف و کمزوری کے احساس نے مسلمانوں

کو علوم شریعت پر باقاعدہ توجہ دینے پر مجبور کیا۔ جو مسلمان یُعَلِّمُھُمُ الکتاب کی عملی تفسیر بنے وہ فقہا کہلائے اور جنہوں نے یُزَکِّیْھِمْ پر خصوصی توجہ دی وہ صوفیا و اولیاء کہلائے۔

تصوف کے حوالے سے صوفی کے لقب کو اختیار کرنے والے سب سے پہلے بزرگ کا نام ابوالہاشمؒ (م ۱۵۰ھ) ہے۔ اور اسلام میں سب سے پہلی خانقاہ قائم کرنے والے بھی یہ ابوہاشم ہیں۔ خانقاہ بنوانے کی ضرورت انہیں اس لئے پیش آئی تھی کہ مسجدوں میں بجائے یاد الہی کے مسلمان باہم جنگ و جدل میں مصروف تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اختتام تک کم و بیش ساٹھ ہزار مسلمان' مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ جنگ جمل' جنگ صفین' مختار ثقفی کا خروج اور اسکی شکست اور واقعہ کربلا اسکی دلیلیں ہیں۔ مسجدوں میں تلواریں چل رہی تھیں۔ تو ابوہاشم صوفی نے خدا کو یاد کرنے کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرتے ہوئے سب سے پہلی خانقاہ تعمیر کروائی۔ اور آہستہ آہستہ یہ خانقاہ' مسلمانوں کی ضرورت بن گئی۔ ابوہاشمؒ کی اتباع میں سینکڑوں چراغ جلے۔ خانقاہوں پر خانقاہیں تعمیر ہونے لگیں۔(۱۰)

شمس بریلوی کے بقول تصوف میں سوائے اتباع شریعت کے اور کچھ نہیں۔ اور بہت معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ مدارس دینیہ میں فارغ التحصیل طلبہ سے اتباع شریعت کا عہد نہیں لیا جاتا جبکہ خانقاہوں میں بیعت کرتے وقت صوفیاء سے اتباع شریعت کا عہد لیا جاتا ہے لیکن رفتہ رفتہ خانقاہی نظام میں بھی ایک برائی در آئی۔ وہ یہ کہ باپ کے بعد اسکے بیٹے کو جانشین بنانے کی رسم چل نکلی۔ بیٹا نہ ہوا تو بھائی کو' بھائی نہ ہوا تو داماد کو' داماد نہ ہوا تو بھتیجے یا بھانجے کو خلیفہ بنایا جانے لگا اگرچہ وہ ناسعادت ہی کیوں نہ ہو۔(۱۱)

راقم الحروف نے "سیاست' مذہبی اور روحانی ملوکتیں" کے زیر عنوان ایک مضمون میں لکھا تھا۔ اسی مضمون سے ایک اقتباس ذیل میں رقم کر رہا

ہوں۔ جو موضوع زیر بحث میں مفید ہے۔

"سیاست و مذہب میں نظام ملوکیت سے جو خرابیاں در آتی ہیں۔ وہ نظام اگر روحانیت میں قائم ہو جائے تو وہاں بھی اپنے اثر سے خالی نہیں ہوتا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نظام بیعت و خلافت میں بھی سیاست و مذہب کی طرح شرائط اہل بیت کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے' باپ اپنے بیٹے کو جانشین بنا جاتا ہے۔ (یا وہ خود بن جاتا ہے) پھر ظاہر ہے کہ جو خرابیاں اور ناکامیاں' ذلتیں اور ہزیمتیں اس نظام سے جہاں جہاں رونما ہوتی ہیں۔ وہ یہاں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ ہمارے معاشرے میں جس قدر جاہل پیروں (قرآن و سنت سے نابلد) کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ لوگوں میں تہذیب نفس' تزکیۂ باطن' تصفیۂ قلب اور اصلاح ذات کا فقدان بھی اسی تیزی سے نمایاں ہو رہا ہے۔ افسوس کہ اب پیری مریدی' سو فیصد ایک کاروبار اور دھندا بن چکا ہے یا زیادہ سے زیادہ ایک رسم (الا ماشاء اللہ) عصر حاضر میں کسی پیر کی عظمت کا انداز مریدوں کی کثرت' نیز اس کی ٹھاٹ باٹ اور عیش و آرام سے لگایا جاتا ہے۔ گویا بقول اقبال

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن
مجھ کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

اب وہ زمانے گئے' جب پیروں کی عظمت قرآن و سنت سے گہری عقیدت و تمسک اور اخذ و استفادہ سے عبارت تھی۔ اور شریعت پہ استقامت انکی سب سے بڑی کرامت تھی۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

دَرَسْتُ اَلْعَلَمَ حَتّٰی صِرَتُ قَطْبَا
وَنِلْتُ اَلْسَعَدَ مِنْ مَوْلٰی اَلْمُوَالٰی

ترجمہ:۔ میں نے علم کے ذریعہ مقام قطبیت کو پایا ہے اور اسی علم کی بدولت ملاوؤں کا مولیٰ بننے کی سعادت پائی ہے۔

افسوس کہ اب ایسے پیر کہاں؟ جو پہلے علم پائیں۔ پھر ولی اللہ کہلائیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اب ایسے پیر خال خال ہیں کہ جنہیں دیکھ کر خدا کی یاد قائم ہو اور دیکھنے والوں کی زندگی میں روحانی انقلاب برپا ہو۔ دراصل یہ سب خرابی اس نظام ملوکیت کی پیدا کردہ ہے۔ جو جہاں بھی قائم ہوتا ہے۔ عدل و انصاف کا خون کرتا ہے۔ افسوس کہ سیاست' مذہب اور روحانیت سبھی اس کا شکار ہوئے۔ خدا وہ دن جلد لائے کہ جب حیات انسانی کے تمام شعبے ملوکیت کی اسیری سے باہر آئیں اور مسلم معاشرہ ایک بار پھر سے آزاد ہو۔" (۱۲)

اگر کسی پیر سے بیعت ہونے کے بعد معلوم ہو کہ وہ غیر صالح' ناقص' نااہل اور خلاف شرع و بدعتی ہے تو اسکی بیعت فسخ کر دینی چاہیئے۔ کسی شخص نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کا مرید ہو جائے اور بعد ازاں اس کو فضول پائے تو کیا وہ بیعت برقرار رکھے یا توڑ دے۔ آپ نے فرمایا کہ اسکے لئے ضروری ہے کہ بیعت فسخ کر دے اور کسی دوسرے کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے۔ مثال اسکی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جنگل میں ہو اور قبلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں کسی ایک سمت میں نماز پڑھ چکا ہو اور بعد میں اسے معلوم ہو کہ قبلہ کسی اور طرف ہے۔ تو اسے چاہیئے' صحیح قبلہ کی طرف نماز پڑھے۔ (۱۳)

تصوف میں بیعت کا عمل بہت ضروری سمجھا جاتا ہے اور اصل اسکی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ سے چند اقسام کی بیعتیں لی ہیں۔

کبھی کسی فعل کے کرنے پر، کبھی ممنوعات کے ترک کرنے پر، کبھی ہجرت پر، کبھی جہاد پر، کبھی بیعت عام، کبھی بیعت خاص، کبھی کسی شخص خاص کی، کبھی کسی قوم خاص کی، کبھی مردوں سے، کبھی عورتوں سے، کبھی مہاجرین سے کہ ہم کسی سے کچھ نہ مانگیں گے۔۔۔ منجملہ اقسام بیعت میں ایک بیعت خلافت بھی ہے۔ ایک بیعت اسلام بھی ہے۔ اور ایک بیعت تقویٰ بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی کتاب (خواہ الہامی ہو یا غیر الہامی) انسان کو فقط راہ حق پیش کر سکتی ہے۔ ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتی۔ قانون کسی جرم کے عوض، مجرم کو بیڑیاں تو ڈال سکتا ہے مگر جرم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے تمام کتابوں کے ساتھ عملی نمونے بھی مبعوث فرمائے ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ قَالَ لَهُ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ (۱۴) (ترجمہ:۔ موسیٰؑ نے ان (یعنی حضرت خضرؑ) سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ جو علم مفید آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس میں سے آپ مجھے بھی سکھا دیں۔) اس اَمر کی کھلی دلیل ہے کہ راہ رشد و ہدایت، مرشد کامل ہی سے مل سکتی ہے۔

اسی واقعہ خضرؑ و موسیٰؑ میں اللہ تعالیٰ نے طالبان حق کو جہاں راہ رشد و ہدایت کی کسی پیر کامل سے تعلیم لینے کی ہدایت فرمائی ہے وہاں چند ایسی باتوں کی آگاہی بھی فرمائی ہے جو راہرو طریقت کے لئے نہایت ضروری ہے۔

۱۔ طریقت کی تعلیم، مرشد کامل کے پانے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ طریقت کے حصول کے لئے صحبت مرشد بہت ضروری ہے۔

۳۔ تعلیم طریقت میں صبر سے کام لینا چاہیئے۔

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہو در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اکبر)

عِلم سفینہ اور ہے اور عِلم سینہ اور ہے۔ دربار رسالت مآب ﷺ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ یا رسول اللہ! میں اپنی جان سے حضور کو عزیز سمجھنے میں ہچکچاہٹ پاتا ہوں۔ سرکار نے باطنی توجہ سے قلب عمر پر نگاہ مرشدانہ ڈالی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ عمرؓ فوراً پکار اُٹھے کہ میں حضور ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہی انتقال نور' دوسرے معنوں میں حقیقت تصوف ہے اور اسکا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔

جیسا کہ حدیث جبریلؑ میں علی الترتیب ایمان' اسلام اور احسان کی اصطلاحات میں جو باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔ اسکے مطابق احسان کا درجہ' ایمان و اسلام سے بڑھا ہوا ہے۔۔۔ اس میں انسان کی باطنی یا لاشعوری کیفیات میں حسن نیت اور اخلاص کو پیدا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ (۱۵)

ترجمہ:۔ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو' گویا اسے دیکھ رہے ہو اور اگر نہ دیکھ سکو تو (یہ کیفیت تو رہنی چاہیئے کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس تصور اور کیفیت کے ساتھ عبادت کرنے کو حضور ﷺ نے احسان فرمایا ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے مجموعہ عقائد کو ایمان کے جامع لفظ سے تعبیر فرمایا' مجموعہ اعمال کو اسلام سے تعبیر فرمایا اور باطنی مشاہدے کی کیفیت کو احسان کے اسم سے موسوم فرمایا۔ جس طرح فن کی صورت اختیار کر لینے پر علم العقائد کو علم الکلام کا نام دیا گیا۔ علم الاحکام' فنی صورت اختیار کر لینے پر علم الفقہ کہلایا۔ اسی طرح مستقل فن کی صورت اختیار کر لینے پر احسان کو علم التصوف کا نام دیا گیا۔ ثابت ہوا کہ تصوف' درحقیقت اسلام سے الگ کوئی چیز نہیں۔ اور نہ ہی وہ دین میں اضافہ ہے اور نہ متوازی دین ہے۔ بلکہ دین کا ایک مستقل شعبہ ہے اور اسکا انکار' دین کے ایک ایسے اہم شعبہ کا انکار ہے'

جو اخلاص اور حسن نیت کے باعث' عمل کو حسن عطا کر کے عمل احسن کے درجہ کمال تک پہنچاتا ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی تحقیق و تحریر کے مطابق مذہب کی طرح تصوف بھی ایک عالمگیر صداقت ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تصوف مذہب کی روح ہے۔ تو مذہب سے کوئی قوم خالی نہیں ہے۔ اس لئے تصوف بھی ہر قوم میں کار فرما رہا ہے۔ اللہ کے طالبین ہر زمانے میں ہر قوم میں موجود رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔

اقوام عالم کے صوفیانہ ادب اور صوفیوں کے اقوال کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے تصوف اس اشتیاق کا نام ہے جو ایک صوفی کے دل و دماغ میں خدا سے ملنے کے لئے اس شدت کے ساتھ موجزن رہتا ہے کہ اسکی پوری عقلی اور جذباتی زندگی پر غالب آجاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صوفی اسی (خدا) کو اپنا مقصود حیات بنالیتا ہے۔ گفتگو کرتا ہے تو اسی کی' خیال کرتا ہے تو اسی کا' یاد کرتا ہے تو اسی کو' کلمہ پڑھتا ہے تو اسی کا۔

ہر مذہب نے دو چیزیں پیش کیں' پہلی چیز یہ کہ اگر تم میری اطاعت کرو گے تو میں تمہیں اسکی جزا دوں گا یعنی جنت میں داخل کروں گا اور اگر میری نافرمانی کرو گے تو سزا دوں گا یعنی دوزخ میں ڈال دوں گا۔

دوسری چیز یہ کہ اگر اطاعت کے علاوہ تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اس محبت کا ثمر یہ ملے گا کہ تمہاری شخصیت میں میری صفات منعکس ہو جائیں گی۔ اور اس قرب یا اتصال کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم بچشم دل میرا دیدار کر سکو گے۔

اسی لئے اہل مذہب دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ جن لوگوں پر عقل کا غلبہ تھا۔ انہوں نے صرف اطاعت شریعت کو کافی سمجھا اور جنت کو مقصود بنایا

لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا۔ انہوں نے اطاعت کے علاوہ محبت (طریقت) کو بھی ضروری سمجھا یعنی دیدار کو مقصود بنایا۔۔۔ دوسرے طبقے کے افراد کو عرف عام میں صوفی کہتے ہیں اور اس تصریح سے یہ معلوم ہو گیا کہ ہر صوفی دراصل عاشق ہوتا ہے۔ عشق اور تصوف مترادف الفاظ ہیں۔

تصوف کیا ہے؟ خدا سے ملنے یا اسے دریافت کرنے یا اسے دیکھنے کی شدید ترین آرزو کا دوسرا نام ہے۔

تصوف کیا ہے؟ روح انسانی کا اپنی اصل (خدا) سے واصل ہو جانے کا اشتیاق۔

یہ جذبہ انسان میں کیسے برانگیختہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس نے خدا کی طرف سے یہ نوید سنی کہ اگر تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں بھی تم سے محبت کروں گا' تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ شے جسے میں روح یا آتما کہتا ہوں' فی الحقیقت خدا سے جدا نہیں ہے۔ بلکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس سے متصل ہے۔ بالفاظ واضح تر خدا اور روح دونوں ہم جنس ہیں اور قاعدہ کلیہ ہے کہ الجنس یمیل الیٰ الجنس۔۔۔ اگر خدا اور میری روح میں باعتبار حقیقت مغائرت ہوتی تو خدا مجھے اپنی ذات سے محبت کا حکم نہ دیتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ روح اس کے پاس سے آئی ہے۔

اس کے بعد اس نے اپنی ذات میں یا اپنے باطن میں غور کیا تو اسے معلوم ہوا کہ میری روح خود بھی

۱۔ شیدائے جمال مطلق ہے یعنی کسی ایسی ہستی سے محبت کرنا چاہتی ہے جس سے جمیل تر یا خوب تر یا حسین تر ہستی متصور نہیں ہو سکتی۔

۲۔ ابدیت سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے۔

تو اسے یقین ہو گیا کہ میری روح واقعی خدا ہی کے پاس سے آئی ہے۔ کیونکہ اگر خدا مجھ سے محبت کرتا ہے تو میری روح بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ یہ ہے وہ مرکزی نقطۂ خیال (جسکی صداقت سالک پر' مراقبے اور

مشاہدے کے بعد' روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔) جس پر تصوف کا مدار ہے۔

جب انسان خدا کے بجائے دنیا (زن + زر + زمین) کو اپنا مقصود و مطلوب و محبوب بنالیتا ہے تو قلب و نظر کی دونوں قوتیں رنجور ہو جاتی ہیں اور اگر مداوا نہ کیا جائے تو بفحوائے قانون قدرت' دونوں قوتیں مرجاتی ہیں اور ان کے مرجانے سے انسان مرجاتا ہے۔ صرف حیوان باقی رہ جاتا ہے۔

اللہ نے ہر انسان کے اندر (دل میں) اپنی محبت کی شمع روشن کر دی ہے اور ذکر الہی بمنزلہ روغن ہے۔ اگر روغن ختم ہو جائے تو شمع کا بجھ جانا یقینی ہے۔

تصوف کیا ہے؟ مذہب کی روح ہے۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ مذہب دراصل یعنی اپنی حقیقت کے لحاظ سے زندہ خدا کے ساتھ زندہ رابطہ پیدا کرنے کا نام ہے۔ ارکان' شعائر' مناسک' قواعد' ظواہر' یعنی احکام شرع یہ سب اس رابطے کے حصول کے ذرائع ہیں۔ بالفاظ صحیح تر یہ سب مقصود بالعرض ہیں نہ کہ مقصود بالذات۔

تصوف ہی وہ رہنما' مشیر اور ناصح ہے' جو ہر وقت انسان (سالک) کو تلقین کرتا رہتا ہے کہ دیکھنا! کہیں مقصود نگاہ سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اے انسان! تیرا مقصود حقیقی' اللہ سے رابطہ یا تعلق پیدا کرنا ہے۔ اس لئے جب تو نماز پڑھنے کھڑا ہو اور یہ دیکھے کہ مصلیٰ پاک ہے یا نہیں؟ منہ قبلے کی طرف ہے یا نہیں؟ تو ان ظواہر کے ساتھ ساتھ یہ بھی تو دیکھ کہ تیرا تصور پاک ہے یا نہیں؟ دل اللہ کی طرف ہے یا نہیں---- اگر بحالت نماز تیرا دل دنیا کی طرف ہے تو ایسی نماز بے حضور سے ظاہر شرع کا تقاضا تو پورا ہو جائے گا لیکن اللہ سے تعلق پیدا نہ ہو سکے گا اور جب اللہ سے تعلق پیدا نہ ہوا تو نماز کا مقصود حقیقی بھی فوت ہو گیا۔

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

(اقبال)

اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

قرآن رہے پیش نظر یہ ہے شریعت
اللہ رہے پیش نظر یہ ہے طریقت

جو شخص کسی مذہب کا پیرو ہے۔ مگر تصوف پر عامل نہیں۔ اسکی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جس نے ساری عمر کسی حلوائی کی دکان میں حلوہ بنایا مگر خود کبھی حلوہ نہ کھایا۔

فقیہہ کہتا ہے۔ اے مسلمان! اللہ کا نام لے۔ صوفی کہتا ہے کہ اے مسلمان! اللہ کا نام ضرور لے۔ مگر اس طرح لے کہ وہ تیرے دل میں بس جائے۔

تصوف دل کی نگہبانی کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ انسان بظاہر جسم اور نفس کا نام ہے۔ مگر درحقیقت دل کا نام ہے۔ اور اگر دل مسلمان نہ ہو سکا تو رکوع و سجود یا زبان سے خدا کا اقرار دونوں بے معنی ہیں۔

جب تک کوئی شخص "خداوندان دل" کی صحبت اختیار نہیں کرے گا۔ اس وقت تک دل، حقیقی معنی میں دل نہیں بن سکتا۔ اور بات بھی معقول ہے چراغ تو چراغ ہی سے روشن ہو سکتا ہے۔

تصوف کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دنیا کے دوسرے تمام علوم و فنون سے متمیز کر دیتی ہے۔ یہ ہے کہ اسکی بدولت خدا، انسان کا محبوب بن جاتا ہے۔

انسانی زندگی پر تصوف کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں یا تصوف کا ثمرہ کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ بخوب طوالت چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ صوفی (اگر وہ درحقیقت تصوف پر عامل ہے) تمام رذائل اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تصوف (عشق) تمام انسانی عیوب کا ازالہ کر دیتا ہے۔۔۔ اس جگہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ تصوف میں سارا زور عمل پر دیا جاتا ہے۔ بلکہ تصوف کی تعلیم یہ ہے کہ حقیقی علم (عرفان) صرف عمل کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ پس جو صوفی عمل نہیں کرتا، وہ صوفی نہیں ہے بلکہ فلسفی یا متکلم ہے۔

ایک عالم دین، صرف تعلیم پر اکتفاء کرتا ہے۔ یعنی وہ صرف زبان سے اپنے شاگردوں کو اس بات کا علم عطا کرتا ہے کہ خدا نے تزکیہ نفس کا حکم دیا ہے لیکن نہ وہ انہیں اس کا طریقہ بتاتا ہے نہ عملاً کسی کا تزکیہ نفس کر کے دکھاتا ہے۔ اس کے پاس صرف تھیوری (نظریہ) ہے۔ اور وہ صرف اسی پر اکتفا کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ عالم دین رنگ فروش ہے۔ رنگ بیچتا ہے مگر چڑھا نہیں سکتا۔

صوفی بھی تزکیہ نفس ہی کی تلقین کرتا ہے مگر وہ صرف تلقین پر اکتفاء نہیں کرتا۔ وہ اپنے شاگردوں سے یہ کہتا ہے کہ میرے پاس آؤ، میری صحبت میں بیٹھو، میں بالفعل تمہارے نفس کا تزکیہ کر دوں گا۔ عالم دین نے تمہیں بتایا ہے کہ خدا ہے، میں تمہیں دکھا دوں گا کہ واقعی خدا ہے۔

۲۔ تصوف کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ ہر شخص سے محبت کرنے لگتا ہے۔

بقول اقبالؒ

بندہ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

صوفی کے دل و دماغ سے تعصب، تنگ نظری، نفرت، حقارت، امتیاز رنگ و نسل، فرقہ بندی، گروہ بندی، بیجا پاس داری اور ناحق کوشی یا باطل پسندی کے جذبات بالکل مٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ کسی کو آزار نہیں پہنچا سکتا۔ اس سے کسی کو رنج نہیں پہنچ سکتا۔ انسان تو انسان ہے۔ وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے۔

خلاصہ کلام ایں کہ تصوف، انسان کو رذائل اخلاق سے پاک کر دیتا ہے اور انکی جگہ بہترین اخلاقی صفات سے مزین کر دیتا ہے لیکن اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ یہ تبدیلی مرشد کی صحبت کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ ہر فن، صاحب فن کی صحبت میں رہ کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ غواصی، طباخی، نجاری، خوش نویسی، خیاطی وغیرہ ان میں سے کوئی فن کتابوں یا تقریروں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح صیقل گری (تزکیہ نفس) بھی ایک فن ہے اور وہ کسی صاحب فن کی نگاہ ہی کی بدولت حاصل ہو سکتا ہے۔ تصوف کی پوری تاریخ ہمارے اس دعوے کی صداقت پر شاہد ہے اور تمام انسانوں کا روزمرہ مشاہدہ بھی یہی بتاتا ہے کہ چراغ، چراغ سے روشن ہو سکتا ہے۔ (۱۶)

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری، حقیقت صوف جلد اول ص ۸۵، ادارہ منہاج القرآن۔ ایم ماڈل ٹاؤن، لاہور، ۱۹۹۰ء

۲۔ لویس معلوف، المنجد، ص ۴۲۹، مطبوعہ بیروت، ۱۹۷۱ء

۳۔ امام ابوبکر بن اسحٰق۔ تعرف، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۳۹، المعارف گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۳۹۱ء

خواجہ محمد فخرالحسن ص ۶۸، ترجمہ: شاہ حسین گرویزی، دارلعلوم مہریہ، صحافی کالونی، گلشن اقبال، کراچی، سنہ اشاعت ندارد

۴۔ شیخ عبدالقادر عیسٰی۔ حقائق عن التصوف ص۔ ۱۹، ترجمہ، مفتی محمد یوسف بندیالوی، زیراہتمام، احمد حسن قادری، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۹۹۳ء

۵۔ ابوالفیض قلندر علی سہروردی، الفقر فخری، ص ۴۷، مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور، سنہ اشاعت ندارد،

۶۔ قاضی قیصر الاسلام، فلسفے کے بنیادی مسائل، ص ۴۱۱، نیشنل بک فاؤنڈیشن، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی، ۱۹۷۶ء

۷۔ البقرہ/۵۱۔۔۔ الاعراف/ ۱۴۲

۸۔ تفسیر ماجدی، حاشیہ زیر آیت البقرۃ /۵۱

۹۔ ابوالفیض قلندر علی سہروردی، ص ۵۷

۱۰۔ شمس بریلوی، ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی فروی ۱۹۸۶ء ص ۱۲۴

۱۱۔ ایضاً ص ۱۲۵

۱۲۔ روزنامہ جسارت، کراچی، ۵ جنوری ۱۹۹۵ء

۱۳۔ ابوالفیض قلندر علی سہروردی، ص ۳۰

۱۴۔ الکھف/ ۶۶

۱۵۔ امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب عمری، مشکوٰۃ، کتاب الایمان، دینی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، سنہ اشاعت ندارد

۱۶۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف، ص ۱ تا ۱۵، علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، ۱۹۷۶ء

تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

پروفیسر منظور حسین سیالوی
اسسٹنٹ پروفیسر عربی
گورنمنٹ کالج فیصل آباد

تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

پروفیسر منظور حسین سیالوی

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ۝
ترجمہ:۔ (اللہ وہ ہے) جس نے پیدا کیا ہے۔ موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے۔ کہ تم سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو چیزوں کا مرکب بنایا ہے۔ جسم اور روح۔ جس طرح جسم کی نشوونما ہوتی ہے۔ اسی طرح روح بھی ارتقاء پذیر رہتی ہے۔ جسم کا تعلق چونکہ مادہ سے ہے۔ اس لئے اس کی افزائش اور بقاء کے لئے مادی اشیاء کی ضرورت ہے۔ اور جسم اپنی خوراک زمین سے حاصل کرتا ہے۔ روح کا تعلق چونکہ عالم بالا سے ہے۔ اس لئے اس کی خوراک کا انتظام بھی عالم بالا سے کیا گیا ہے۔ جس طرح جسم کی حفاظت' بیماری کی صورت میں علاج معالجہ' مضر اشیاء سے پرہیز' مناسب متوازن اور بروقت غذا' مناسب آرام اور ورزش وغیرہ ضروری ہیں۔ اسی طرح روحانی صحت اور ارتقاء کے لئے اس کی مناسب ضروریات کا بہم پہنچانا از بس لازم ہے۔ حفظان صحت کے اصولوں کو جس طرح پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ روحانی معاملے میں بھی ان کا ملحوظ رہنا ضروری ہے۔ نزلہ' زکام' بخار' سردرد' تپ دق' کینسر وغیرہ جس طرح جسمانی

عوارض ہیں۔ بعینہٖ لالچ' بغض' حسد' جھوٹ غیبت' بہتان' ریاکاری اور نفاق وغیرہ روحانی امراض ہیں۔

جسمانی امراض یقیناً مریض پر کچھ اثرات مرتب کرتے ہیں۔ کہ مریض کمزور و لاغر ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ جاتے ہیں۔ رنگ پیلا ہو جاتا ہے۔ چلنے میں لڑکھڑاہٹ اور رفتار غیر متوازن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح روحانی مریض کے چہرے پر سیاہی' گرد اور ذلت و ھوان کی ایک تہہ جم جاتی ہے۔ اس کے چہرے کے خطوط بھیانک محسوس ہوتے ہیں۔ آنکھیں خشک اور بے نور ہو جاتی ہیں۔ اس کی شخصیت کے گرد نفرت و نحوست کا ایک ہالہ بن جاتا ہے۔ جبکہ نیک آدمی کے چہرے پر نور' طمانیت اور اس کی شخصیت میں ایک عجیب سی کشش ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح چمن کا کوئی پودا سیراب ہونے کے بعد سرسبز' گھنا اور خوبصورت نظر آتا ہے۔ اور باغ سے دور جنگل کا درخت کمزور اور بے برگ نظر آتا ہے۔ اسی طرح روح کی غذا (نیکی) جسم لطیف کے شجر کو خوشنما' بارونق اور بار آور بنا دیتی ہے۔ اور بدی وہ بادسموم ہے جس سے گلستان روح کا ہر پودا سوکھ جاتا ہے۔ جو تازگی لچک اور چمک ایک ہری شاخ میں ہوتی ہے۔ وہ خشک اور سخت ٹہنی میں نہیں۔ روح ایک سانچہ ہے جس میں یہ مادی جسم ڈھلتا ہے۔ اگر سانچہ ہی درست نہ ہو تو مادی جسم کا حسن بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ گھڑی وقت کا پتہ دیتی ہے۔ انجن کا میٹر درجہ حرارت بتاتا ہے۔ بعینہٖ ایک گناہگار چہرہ ایسی کتاب ہے جس کی لکیریں کاتب قدرت کی سچی تحریریں ہیں۔

ارشاد ربانی تعالیٰ ہے: وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ:

بعض چہرے اس دن گرد آلود اور تاریک ہوں گے:(۲)

بعض اوقات کچھ روحانی باتوں کا تعلق ہمارے نام نہاد علم کی حدود سے قائم نہیں ہوتا۔ تو کیا ہمارے علم کی حدیں آخری حدیں ہیں۔ اور ان سے

آگے حدیں نہیں ہو سکتیں۔ کیا اس اُفق کے آگے اور اُفق بلکہ آفاق نہیں ہو سکتے؟ ہو سکتے ہیں بلکہ ہوتے ہیں۔ جہاں کی چیزں کو عقل کے بنائے ہوئے پیمانوں سے نہیں ماپا جا سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی داستاں کو بغور تلاوت کرنے سے ساری اُلجھنیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد اپنے موضوع کو اختصار کے ساتھ سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بنیادی طور پر اس موضوع کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱)۔ تصوف

(۲)۔ تلاش احسن

(۳)۔ ہمہ گیر تحریک

تصوف:۔ اس وقت تصوف کی تعریف اور تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔

علماء و صوفیا نے تصوف کی جو مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ان کا ماحصل اور قدر مشترک اصلاح نفس کے لئے علم، عمل اور اخلاص کے ذریعے حسن عمل کا حصول ہے۔ قرآن مجید اور حدیث پاک میں موجود کلمات' تقویٰ' اخلاص اور احسان دراصل طریقت و تصوف کے مترادفات ہیں۔ اکابرین دین کی تصریحات کے مطابق کمال شریعت کا نام طریقت ہے۔ اتباع رسول ﷺ جب تک ظواہر تک محدود رہے۔ شریعت ہے اور جب قلب و باطن نور نبوت سے منور ہو جائے۔ تو یہی طریقت ہے۔ جس شخص نے نماز کتب فقہ میں درج قواعد و احکام کے مطابق ادا کر دی۔ از روئے شریعت نماز مکمل ہو گئی مگر طریقت اس پر مصر ہو گی۔ کہ جس طرح نماز میں چہرہ کعبہ کی طرف متوجہ رہا۔ قلب بھی رب کعبہ کی طرف متوجہ رہے۔ اور جس طرح جسم حالت نماز میں ظاہری نجاستوں سے پاک رہا روح بھی باطنی آلائشوں اور پریشان خیالیوں سے پاک رہے۔ اس بحث کا منبع حدیث جبریل علیہ السلام ہے۔ (۳)

اس حدیث پاک میں مرد مومن کے تین درجات بیان ہوئے ہیں۔
ایمان' اسلام اور احسان ایمان اور اسلام عقیدہ و عمل کا نام ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ایک اور مقام ہے۔ جسے اصطلاح حدیث میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمتہ اسے ہی سلوک و تصوف و طریقت کا نام دیتے ہیں۔(۴)

تصوف نام ہے علم' عمل اور اخلاص کا

حسن توازن و تنسیق سے عبارت ہے۔ انسان فطرتاً حسن کا طالب و متلاشی ہے۔
علم عمل اور اخلاص جب ایک خاص تناسب سے جمع ہو جائیں۔ تو وہ حسن تمام یا احسن کہلاتا ہے۔ اس حسن تمام کی طلب و تلاش جب مسلمانوں کے ہاں ایک تحریک کی شکل اختیار کرے تو وہ تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک کہلائے گی۔ گویا مسلمانوں کا تصوف کی راہ اختیار کرنا۔ اور تصوف کا اسلامی معاشرہ میں رواج پا جانا تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک کے عنوان سے معنون ہو گا۔ اسلام کی عالم گیر تحریک کا آغاز اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ (۵) سے ہوا۔
اس شرک آلود معاشرہ میں ضرورت اصلاح عقائد کی تھی لیکن اللہ رب العزت نے پڑھنے کی تلقین فرما کر بتا دیا کہ عقائد اور اعمال کی تمام بیماریوں کا علاج علم ہی سے ممکن ہے۔ گویا کفر' شرک' الحاد' نفاق اور دیگر تمام بیماریوں کا سبب جہالت ہے۔ اگر یہ علت ختم ہو جائے۔ تو سارے معلولات خود بخود نابود ہو جائیں گے۔ اس لئے قرآن و حدیث میں حصول علم پر بڑا زور دیا گیا۔ حتیٰ کہ حصول علم کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا عمل علم کے بغیر ناممکن

ہے اور اخلاص عمل کی روح ہے۔ احسن عمل کے لئے اخلاص شرط ہے۔ تو حاصل کلام یہ ہوا۔ کہ تصوف ہی احسن عمل ہے۔ اور تصوف کا رواج پانا۔ احسن کی ہمہ گیر تحریک ہے۔

اصطلاح تصوف میں "نظر بر قدم" کا مفہوم ہی یہ ہے۔ کہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے معلوم کیا جائے۔ کہ اس اقدام کے بارے میں اللہ کریم اور رسول کریم ﷺ کا حکم کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر کام میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی رضا اور خوشنودی مقصود ہو تو یہ اخلاص اور احسان کہلائے گا۔

اَلَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً:

اس دارالعمل میں عمل بالاخلاص کے ذریعے اُخروی کامیابی کا حصول ہی موت و حیات کا فلسفہ ہے۔ امتحان لینے والا علیم و خبیر ہے۔ جو عمل کے محرکات سے بخوبی آگاہ ہے۔ اگر عمل کے پیچھے جذبہ صادقہ نہ ہو یعنی رضائے الٰہی مقصود نہ ہو تو بڑے سے بڑا اور بظاہر اچھا عمل بھی موجب ہلاکت بن جاتا ہے۔

تصوف سے انسان کے اندر نیکی کا ایسا ملکہ پیدا کرنا مقصود ہے۔ کہ انسان کے ہر عمل کا محرک رضائے رب ہو اور یہ ملکہ روحانی تربیت سے حاصل ہوتا ہے۔ تصوف ہی ایسا پلیٹ فارم ہے۔ جہاں سے تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس کا عمل انجام پذیر ہوتا ہے۔ ان تمام مقدمات کا حاصل اور نتیجہ یہ ہے کہ "تصوف تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک ہے"

تصوف چونکہ اسلامی تعلیمات کی طرح زندگی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے۔ لہٰذا تصوف انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کا کفیل ہے۔ اخلاقیات سے معاشیات تک' حقوق العباد سے حقوق اللہ تک۔ تعلیمی مراحل سے تربیتی مراحل کی تکمیل تک معاشرت سے سیاست تک زندگی کے تمام میدانوں میں تصوف نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ امن و خوف عسر و یسر نیز

انقلاب زمانہ کے ساتھ ساتھ تصوف نے انسانی معاشرہ کی ہمہ جہت راہنمائی کی۔

امام احمد بن جنبل" عالم بے بدل ہونے کے باوصف ایک کامیاب صوفی بھی تھے اور معتصم باللہ عباسی کے دور کے سرگرم سیاستدان بھی' امام ابو حنیفہ" بیک وقت عالم و صوفی تھے اور قابل ذکر سیاستدان بھی جن کی سیاسی زندگی شامل کئے بغیر عباسی عہد کی تاریخ نامکمل رہے گی۔

امام مالک مجمع الشریعة و الطریقة تو امام شافعی برزخ شریعت و طریقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء" کا شمار آئمہ تصوف میں ہوتا ہے مگر ملکی سیاست میں خاصا عمل دخل بھی تھا' حضرت مجدد الف ثانی" میدان تصوف کے شاہسوار بھی تھے۔ اور ملکی سیاست میں بھرپور کردار ادا کرنے والے بھی۔ حضرت امام احمد رضا بریلوی" بیک وقت باکمال صوفی' مفتی' ماہر تعلیم' ماہر اقتصادیات' بالغ نظر سیاستدان سینکڑوں کتب کے مصنف اور جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ غرضیکہ ہر صوفی ایسی ہمہ جہت اور ہمہ پہلو شخصیت کا حامل ہے۔ کہ جس نے معاشرے کے ہر طبقہ کو متاثر کیا اور اُس کی شخصیت و کردار نے ایسے نقوش چھوڑے کہ اس کے نظریات اور رویے تحریک کی شکل اختیار کر گئے۔

ہر صوفی اپنی ذات میں ایک ادارہ اور انجمن نظر آتا ہے۔ وہ بیک وقت اپنے ارادتمندوں کی تعلیم و تربیت اصلاح عقائد و اعمال' انتظام قیام و طعام کا کفیل' ان کے دکھوں کا مداوا کرتا اور دلجوئی' اشک شوئی کرتا نظر آتا ہے۔ وقت کی نبض پر اس کا ہاتھ ہوتا ہے۔ مستقبل کے لئے منصوبہ بندی کرتا ہے معاشرے کے تمام طبقات اس کی نظر میں ہوتے ہیں۔ وہ ہر طبقہ کی نفسیات کے مطابق ان سے معاملہ کرتا ہے۔ مساوات انسانی کا اصول اُس کے پیش نظر ہوتا ہے۔ معاشرے کی ۹۰ فیصد غریب آبادی کو صوفیاء کے منشور میں اپنی ترقی اور بقاء نظر آتی ہے۔ لہٰذا وہ لوگ سب سے پہلے ان کے حلقہ ارادت میں آتے ہیں۔ اسلام دنیا کا واحد

مذہب ہے۔ جس نے طبقاتی نظام کی بیخ کنی کی۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدم! (٦) (ہم نے اولاد آدم علیہ السلام کو عزت بخشی) کا اعلان کر کے انسانی مساوات کی عالمگیر تحریک کی بنیاد رکھی۔ رنگ، نسل اور وطنیت کے سارے بت توڑ دیئے۔ اور وحدت اسلامی کا سنگ بنیاد رکھا۔ صوفیا کرام نے اپنی تحریک کو انہی بنیادوں پر استوار کیا۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نبوت کے فرائض چہار گانہ مذکور ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُولاً مِنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوا عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمْ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ:(٧)

اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ اہل ایمان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ جب انہی میں سے اپنا رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

فرائض نبوت میں تزکیہ نفوس سے مراد اصلاح باطن ہے۔ جو اصطلاح میں تصوف کہلاتا ہے۔ تعلیم کتاب و حکمت سے مراد اصلاح اعمال و عقائد ہے جو کہ شریعت ہے۔ صوفیائے کرام اور علماء عظام کے نزدیک شریعت و طریقت لازم و ملزوم ہیں۔ مجمع الشریعۃ حضرت امام مالک بن انس ؒ فرماتے ہیں!

"مَنْ تَفقَّہَ وَلَمْ یَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ یَتَفقَّہْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ جَمَعَ بَیْنَھُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ"

جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف سے بے بہرہ رہا وہ فاسق ہوا۔ اور جس نے تصوف کو اپنایا مگر فقہ کو نظرانداز کیا وہ زندیق ہوا۔ اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا۔ اس نے حق کو پا لیا۔(٨)

تصوف تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا اہتمام کرتا ہے۔ اور جب نفس مصفی اور منور ہو جاتا ہے تو "نفس لوامہ" "نفس مطمئنۃ" اور نفس

مطمئنة راضية مرضية کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو ایسا قلب انوار الہیہ کا مہبط بنتا ہے۔ عرش اللہ بننے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ اس کی وسعتوں کے مقابلے میں صحرا کی وسعتیں اور سمندر کی پہنائیاں ہیچ نظر آتی ہیں۔ زمین و آسمان کی وسعتوں میں نہ سمانے والا رب جب قلب مومن میں سما جاتا ہے۔ تو اس دل میں خلق خدا کی بے پناہ محبت موجزن ہو جاتی ہے۔ محبت کے یہ جذبات اپنا اظہار خدمت خلق کے احسن عمل کی صورت میں کرتے ہیں۔ اور تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک وجود میں آتی ہے۔ رسول رحمت ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ غارِ حرا سے کوہ صفا تک' سفر طائف سے ہجرت مدینہ تک غزوہ بدر سے فتح مکہ تک غزوہ حنین و تبوک سے خطبہ حجتہ الوداع تک یہ تحریک بتدریج اپنا سفر کرتی رہی اور انوار رسالت سے فیض یاب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس تحریک کو حجاز اور جزیرہ عرب سے آگے فارس و روم تک اور پھر صوفیائے کرام نے اس تحریک کو اکناف عالم تک روشناس کرایا اور خاطر خواہ نتائج حاصل ہوئے۔ صوفیاء کرام نے لوگوں کی تربیت کر کے انہیں وطن سے دور تبلیغ دین کا فریضہ سونپا اور نہایت بے سروسامانی کے عالم میں کمال اخلاص و احسان سے لوگوں کو دعوت حق دی ان کی مساعی سے نور اسلام نے اُجالا کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس خطے کو صوفیاء کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا وہاں پر اگر مسلمانوں کی کوتاہی عمل کے نتیجے میں سیاسی طور پر اسلام مغلوب بھی ہوا۔ مگر روحانی طور پر اسلام غالب رہا۔ صوفیا عظام نے جس محبت' دلسوزی اور اخلاص سے لوگوں کے دلوں میں دین کا بیج بویا اور خون جگر سے اس کی آبیاری کی۔ اگرچہ کبھی کبھی مسلمانوں کے سیاسی حالات وقتی طور پر ناسازگار ہوئے۔ مگر روحانی طور پر وہ زوال آشنا نہ ہوئے۔ اور جونہی سیاسی حالات سازگار ہوئے شجر اسلام پر پھر سے بہار آگئی کیونکہ اس شجر طیب کی جڑیں اہل اسلام کے قلوب میں راسخ تھیں۔ اور صوفیائے کرام مسلسل اس

کی آبیاری فرما رہے تھے۔ عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ شاہد عدل ہے۔

تلاش احسن کی اس ہمہ گیر تحریک کے محرکین میں سے داتا گنج بخش علی بن عثمان ؒ نے ہجویر سے ہجرت کی لاہور کو اپنا مسکن بنایا۔ تو خاک پنجاب کی قسمت جاگ اُٹھی۔ حضرت معین الدین چشتی ؒ نے سنجر کو چھوڑ کر اجمیر کو آباد فرمایا۔ حضرت گنج بخش شکر ؒ نے پاک پتن کو رونق بخشی اور خواجہ غلام محی الدین غزنوی ؒ نے غزنی کو خیر آباد کہہ کر خطۂ کشمیر کو نہ صرف بہار آشنا کیا بلکہ سدا بہار بنا دیا۔

اسلام کی حقیقت اور روح سے واقف ارباب نظر بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام رضاکارانہ طور پر اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے ان کے حوالے کر دینے کے عزم اور اس عزم کے اعلان کا نام ہے۔ اور تصوف اس عزم وارادے کے بطریق احسن تکمیل کا نام ہے۔ اسلام کا محرک محبت ہے۔ اور تصوف محبت کے تقاضوں کی عملی اظہار کا خوبصورت طریق ہے۔ صوفیائے کرام نے محبت فاتح عالم کے ساز پر جب درس وفا دیا تو طالبان حق سائے کی طرح ان کے ساتھ ہو گئے۔ جیسے جیسے ان کی تربیت مکمل ہوتی گئی۔ انہیں اپنی اپنی جگہ پر تعینات کر دیا گیا۔ روحانی اور جسمانی تربیت نے انہیں کندن بنا دیا۔ جب وہ مارکیٹ میں پہنچے اور ان کا جوہر کھلا تو ان میں سے ہر ایک ایسا پارس ثابت ہوا۔ کہ جس نے بھی اُسے چھو لیا سونا بن گیا۔

حضرت صدیق اکبر ؓ سے لے کر حضرت مجدد الف ثانی ؒ اور حضرت غلام محی الدین غزنوی ؒ تک، حضرت علی ؓ سے لے کر پیر سنجر، گنج ؒ شکر، قبلہ عالم مہاوری، شاہ سلیمان تونسوی، حضرت شیخ الاسلام سیالوی اور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہم الرحمتہ تک پورے سلسلتہ الذھب میں ہر ایک اپنی جگہ پارس بھی ہے اور کندن بھی۔ دنیائے تصوف کے یہ بادشاہ اپنے حسن عمل

سے دعوت حق کی ہمہ گیر تحریک چلا کر عنداللہ وعند الناس مقبول ہوئے۔
مطلق عمل سے شہرت تو مل سکتی ہے۔ مگر مقبولیت حسن عمل سے نصیب ہوتی
ہے۔ ہلاکو، چنگیز، نیرو، دارا، سکندر مشہور تو ہوئے مگر مقبولیت صوفیائے کرام
کے حصے میں آئی۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ:(۹)

"پاک کلام اللہ کی طرف اُٹھتا ہے۔ اور نیک اعمال اسے اور بلند کر
دیتے ہیں۔"

تصوف کی راہ آسان نہیں۔ راہرو راہ تصوف کو ہر قدم پر اپنی
آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کرنا ہوتا ہے۔ یہ راہ پرخار ہے۔ اور خاراز
پاکشیدن کی فرصت بھی نہیں یہاں ایک لمحے کی غفلت منزل سے صد سال دور
کر دیتی ہے۔ اس راہ میں طوفان آشنا سمندر ہی نہیں خون کے دریا بھی عبور
کرنے پڑتے ہیں۔ مسلسل پتھروں پر سفر کرتے کرتے پاؤں میں چھالے ہوتے
ہیں مگر لب تبسم ریز ہیں آبلہ پائی کے ہاتھوں پریشان ہوتے ہیں تو خار راہ دیکھ
کر خوش ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہی ان کے درد کا درماں ہے۔ طریق محبت کے
اس مسافر کی کیفیت کو مرزا غالب نے یوں بیان کیا ہے۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا دل
جی خوش ہوا ہے راستہ پرخار دیکھ کر

ایک دنیا دار دانشور اپنے مبلغ دانش کی بنا پر ایسے شخص کو مجنوں، پاگل
جیسے القاب سے سرفراز کرے گا۔ مگر یہ سرمست بڑا ذہین ہے۔ وہ اس دُنیا کی
حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس کی نظر منزل پر ہے۔ وہ راستے کی رنگینیوں

میں کھو کر اپنی منزل کھوٹی نہیں کر سکتا۔ وہ وقتی اور آنی لذات کی خاطر دائمی نعمتوں سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔ وہ بلا خوف لومتہ لائم ماحول سے بے خبر راستے کی رکاوٹوں کو خاطر میں لائے بغیر مستانہ وار جانب منزل قرب الٰہی رواں دواں ہے۔ اسے اپنی منزل پر اتنا یقین کامل ہے کہ وہ راستے کی صعوبتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ دوسرے کنارے پر اس کا یوسف بے حجاب تشریف فرما ہے۔ وہ لذت دیدار میں زخم پر زخم کھا کر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ شوق دیدار نے اسے حریص لذات آزار بنا دیا ہے۔ اس کا تڑپنا اس کے لئے اتنا قرار بخش ہے کہ وہ سراپا آرزو بن کر پکار اُٹھتا ہے۔

میرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

لیلائے مقصود کے حصول کے لئے فرزانگی نہیں دیوانگی ضروری ہے۔ یہ کام خرد مند کا نہیں صاحب جنوں کا ہے۔ نعم من قال

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

یعنی اگر محبوب کے راستے کو طے کرنے کی خواہش ہے۔ جس میں جسم و جان کے ہزارہا خطرات موجود ہیں۔ تو اس میں قدم رکھنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ مجنوں بن جایئے۔

جب تخلیق حیات کا سبب وحید ہی آزمائش ہے کہ کون احسن عمل کی کوشش کرتا ہے۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ یہ حیات مستعار انسان کے لئے مدت امتحان ہے اور امتحان وہ لے رہا ہے۔ جو

ظاہر و باطن غیب و شہادت کا جاننے والا ہے۔ تو پھر کس کی مجال کہ امتحان کی تیاری میں کوئی کوتاہی کرے اور نتائج سے غافل رہے۔ وہ اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے نہایت مستعدی سے کام کرے گا۔ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرے گا۔ حتیٰ کہ اپنی عارضی زندگی کو زندگی بخشنے والے کی راہ میں قربان کر کے حیات جاودانی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ بہتر گریڈ میں پاس ہونے کی آرزو اور اس کے لئے حتیٰ المقدور کوشش احسن عمل ہے۔ اور اس کی جستجو کا نام تلاش احسن ہے۔ جب ہر ذی روح اس کو اپنا مقصد حیات اور مطمع نظر بنا لے تو یہ تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک بن جائے گی۔ اور یہ تحریک تصوف کی رہنمائی کے بغیر نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ تمام توانائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اور اس سرچشمے سے سیراب ہونے کا ذریعہ اس ذات سے ذہنی اور قلبی رابطہ ہے۔ تمام حواس کو سمیٹ کر اس کا دھیان کریں۔ لب پر اسی کا نام ہو روح اسی کے تصور سے سرشار ہو۔ آنکھیں اسی کی تلاش میں لگی ہوں۔ قدم اسی کی طرف اُٹھ رہے ہوں۔ اس عمل کے پیہم تکرار سے روح کو ایک پراسرار قوت اور آسمانی توانائی کا احساس ہوتا ہے۔ آنکھوں کے سامنے کچھ جلوے رقصاں نظر آئیں گے۔ دل کی چٹان سے کیف و سرور کے چشمے پھوٹ نکلیں گے۔ زندگی حدود زمان و مکان سے اُبھر کر بے کراں ہو جائے گی۔

جس طرح موتی حاصل کرنے کے لئے سمندر میں غوطہ زن ہونا پڑتا ہے۔ تسخیر کائنات کے لئے خود کائنات سے برقی و جوہری توانائی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ اس مقصد کے لئے تجربہ' تجزیہ اور تحقیق و طلب کے کئی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح روحی توانائی کے لامحدود ذخائر تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ ذکر و تسبیح اور فکر و خلوت کے طویل دور سے گزرنا پڑتا ہے۔ یکسوئی میں کمال پیدا کرنے کے لئے بعض لوگ

غاروں میں جا بیٹھتے ہیں۔ اور وہاں سے طاقت کا اتنا بڑا خزانہ ساتھ لاتے ہیں کہ جدھر نگاہ اُٹھاتے ہیں۔ دلوں میں آسمانی محبت کے مقدس چراغ جلا دیتے ہیں۔ یہ قوت پہلے ضمیر وجود میں جنم لیتی ہے۔ اور پھر حیات پر چھا جاتی ہے۔ اس سے دیدہ و دل میں نور آتا ہے۔ اور محویت و مستی کی دولت ملتی ہے۔ چونکہ باطن کی فضائیں بے کراں ہیں۔ جن کے سامنے ارض و سماء کی وسعتیں کم مایہ اور حقیر نظر آتی ہیں اس لئے اس مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لئے تصوف اور صوفیاء کی تعلیمات سے آگہی لازم ہے۔ کیونکہ یہ تصوف ہی تو ہے جو نفس کی اصلاح کر کے انسان کی روحانی بلندیوں کو درجہ احسان پر فائز کر دیتا ہے۔ یہی مقصود شریعت ہے۔ یہی منزل طریقت ہے۔ اسی کی تلاش سبب خلق حیات ہے۔ اور اس کے حصول کی شعوری کوشش کا نام تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے تعلق قلبی اور باطنی ہے۔ کوئی عدالت نہ اس پر حکم لگا سکتی ہے۔ نہ کوئی بصارت اسے دیکھ سکتی ہے۔ اس لئے اللہ کریم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: (۱۰) (یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے بخوبی واقف ہے) اور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا۔ اِنَّما الْاَعْمَالُ بالنیات (بے شک عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے) گویا حسن عمل کے ساتھ جب تک حسن نیت شامل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اعمال کا انعام حاصل کرنا محال ہے۔ اگر نیک عمل کا محرک رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ اور ہے۔ تو نیکی مقبول نہیں۔ اخلاص اعمال کی روح ہے۔ حسن عمل کو حسن نیت کے نور سے مزین و منور کرنے والا یہی شعبہ ایک فن کی صورت اختیار کر لے تو علم تصوف کہلاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ تصوف تلاش احسن کا نام ہے اور حسن زمان و مکان کی حد بندیوں سے بے نیاز ہے۔ لہٰذا یہ ایک ہمہ گیر تحریک ہے۔

انسان نماز کے تمام ظاہری تقاضوں کو تو پورا کرے مگر حضوری کی کیفیت سے محروم رہے۔ جو حاصل نماز ہے تو یہ ریاکاری کی صورت میں شرک خفی بن سکتی ہے۔ تصوف صرف نماز میں ہی نہیں بلکہ ہر آن انسان کے قلب کو متوجہ الی اللہ رکھنے کی سعی کا نام ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے دنیاوی آلائشوں سے پاک رہے۔ اور مچھلی کی طرح پانی میں رہتے ہوئے اپنے جسم کو پانی سے آلودہ نہ کرے۔ دنیا کی مثال پانی کی سی ہے۔ اور دل مانند کشتی اگر پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو کشتی پانی میں غرق ہو جائے گی۔ البتہ اگر پانی کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کو بوجھ سمیت اُٹھا رکھے گا۔ اس طرح دنیا میں رہتے ہوئے مال' اہل' دوست' کاروبار کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے انسان یاد الٰہی سے غافل نہ ہو تو دُنیا پر حاوی رہے گا۔ اسلام اور تصوف ترک دنیا کا حکم نہیں دیتے۔ بلکہ

نمی گویم کہ از عالم جدا باش
بہر جائے کہ باشی باخدا باش

ایک مومن کا حاصل بندگی اور حاصل زندگی ذات مطلق کا دیدار ہے۔ مگر یہ سعادت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کی نظر جسد خاکی کے پنجرے میں بند ہے اور حجاب ذات درمیان میں حائل ہے۔ اپنی ذات کے پردے کو ہٹانے اور انانیت کو مٹانے سے ہر سمت اس کے جلوے نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رستن ازبند جہان است

اپنی ذات کو رضائے الٰہی میں فنا کر کے ہی کمال حیات حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جب انسان کا مرنا جینا حرکات و سکنات مالی اور بدنی ساری عبادتوں کا مقصود رضائے الٰہی ہو جائے۔ اور وہ اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِینْ (۱۱) کی عملی تفسیر بن جائے۔ تو پھر "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْ فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه" تم جدھر نظر کرو گے اُدھر ہی اللہ کی ذات کو پاؤ گے۔(۱۲)

انسان اپنی عملی زندگی میں ہر قدم اُٹھانے سے پہلے یہ سوچ کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں۔ اگر اس کی دلیل قرآن و سنت سے مل جائے۔ تو کر لے ورنہ رک جائے۔ اور اپنی پسند و ناپسند کو دین کے تابع کر دے اور سراپا نیاز بن کر اپنی آرزوؤں کو یوں زبان دے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اس کمال زندگی اور معراج حیات کے حصول کے لئے نفس کی تہذیب اور تربیت ضروری تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے صوفیاء کرام نے مختلف مقامات پر تربیتی مراکز قائم کئے۔ جسے خانقاہوں کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یوں اصلاح احوال و اعمال اور تلاش احسن کی ایک باقاعدہ تحریک شروع ہوئی۔ ہر ایک صوفی اپنے مرکز پر بیٹھ کر تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کر رہا ہے۔ جذبے کی صداقت' سخن دلنواز' جان پرسوز کے مقناطیسی اثرات سے خلق خدا کھنچی آ رہی ہے۔ ان درویشان باصفا کی عوامی مقبولیت کے پیش نظر بعض سلاطین کو اپنا سنگھاسن ڈولتا نظر آیا۔ اور صوفیاء کو اپنا مقابل سمجھتے ہوئے ان سے عداوت کرنے لگے۔ انہیں ایذا پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ناکام

رہے۔ اگر یہ لوگ چاہتے تو حکومت حاصل کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے دلوں پر حکومت کرنے کو ترجیح دی۔ اور فقیری میں امیری کرتے رہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور مبارک شاہ کا تاریخی واقعہ مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ روحانی سلطنت قائم کر کے ارواح کی تربیت اور نفوس کی تہذیب تلاش اصلح واحسن کی سعی مشکور ہے۔

تصوف مسلسل حرکت و عمل کا نام ہے۔ جس میں ایک صوفی کی روحانیت ارتقاء پذیر رہتی ہے۔ اور اس کا آج گزشتہ کل سے بہتر ہوتا ہے۔ تصوف زندگی کے بدلتے تقاضوں کا ساتھ دینے والا فلسفہ ہے۔ تصوف ایک ہمہ گیر تصور حیات ہے۔ جو مقاصد کے اعتبار سے معراج حیات ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کی حقیقی تعلیم سے آگہی حاصل کی جائے۔ تصوف ایک مومن کو وہ حرکت انقلاب، تازگی جوش و عمل اور قوت کردار عطا کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے فکر و عمل کی ضیاباریوں سے دُنیا کو روشن کر دیتا ہے۔ اس کا اپنا دل وہ مقدس مقام بن جاتا ہے۔ جہاں ذات باری اپنا فیضان فرماتی ہے۔ جس ذات کے سامنے زمین و آسمان کی وسعتیں تنگ ہو جاتی ہیں۔ وہ قلب مومن میں سما جاتا ہے۔ جس کا اعلان صادق و مصدوق نبی رحمت ﷺ نے یوں فرمایا: "لَا یَسْعُنِی اَرْضِی وَلَا سَمَائِی وَلٰکِنْ یَسْعَنِی قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤمِنِ" میں زمین و آسمان کی وسعتوں میں نہیں سما سکتا لیکن اپنے بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

قلب مومن کی وسعت پہ لاکھوں سلام

ایسے ناپیدا کنار وسیع قلب میں یقینی طور پر فلاح انسانیت کی پیدا ہونے والی تحریک بھی زبان، نسل، رنگ، قومیت اور جغرافیائی حدود سے ناآشنا ہو گی

تو تصوف اپنے وسیع تر مفہوم میں تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک کے طور پر متعارف ہو گا۔

غیرت اسلامی اور دینی حمیت کے جذبے سے سرشار ہو کر یکبارگی سر کٹا کر مرتبہ شہادت پر فائز ہو جانا آسان ہے۔ مگر ساری زندگی سنت کے پل صراط پر چل کر گزارنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اور یہ کام صوفیائے کرام بکمال استقامت سرانجام دیتے رہے ہیں۔ یہ وہ زندہ شہید ہیں۔ جو کہ زمرہ صدیقین میں شمار ہوتے ہیں کہ کشتگان خنجر تسلیم و رضا ہر لمحے موت سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔

بگذر مسیح از سرما کشتگان عشق
یک زندہ کردن تو بصد خون برابراست

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ساری زندگی اس لئے خربوزہ نہ کھایا کہ انہیں آنحضور ﷺ کے خربوزہ تناول فرمانے کی کیفیت معلوم نہ تھی۔

صوفیائے کرام وہ مومن ہیں کہ جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ: (۱۳)

جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ یعنی جنہیں لذت ایمان نصیب ہے۔ اور حلاوت ایمان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اللہ کریم کی محبت ان کی نس نس میں سرایت کر جاتی ہے۔

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

انسان کے اندر عشق و محبت کا فطری جذبہ رکھا گیا ہے۔ تصوف اس کی جمال تلاش نظروں کے رخ کو جلال خداوندی اور جمال مصطفوی علیہ الصلواۃ السلام کی طرف پھیر دیتا ہے۔ صوفی اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور رسول ﷺ کی صفت رحمت سے متصف ہو کر کمال بندگی اور حسن عمل کا چراغ لے کر خلق خدا کی رہنمائی اور دستگیری کے لئے میدان عمل میں اُترتا ہے۔ اس کا اخلاص قدم قدم پر کرامات دکھاتا ہے۔ جملہ صوفیائے کرام نے دعوت الی الحق علی منہاج النبوت کو معیار بنایا۔ ہجرت کر کے وطنیت کے بت کو توڑا اور اسلام کے آفاقی پیغام کو اس آرزو کے ساتھ عام کیا کہ

طلب حسن تو ہے حسن طلب مل جائے

صوفیائے کرام کے نزدیک تزکیہ نفوس کے بعد لوگوں کی دلداری اور پاس خاطر انتہائی اہم عمل ہے۔ ان کا منشور فلاح انسانیت ہے۔ بلاتمیز دین و مذہب ان کا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے' ان کے نزدیک کسی شخص کی دلجوئی حج اکبر ہے۔ عیال اللہ' خلق خدا کی جسمانی اور روحانی ضروریات کی رضاکارانہ فراہمی ان کا مقصد حیات ہے۔ تصوف کے مراکز خانقاہوں میں لنگر کا انتظام اور روحانی حلقات: ذکر و اذکار' صوم النہار قیام اللیل اور مرشد کامل کی ہدایات کے مطابق باقی معمولات اسی سوچ کے عملی مظاہر ہیں۔ ایک خانقاہ پر اطراف و اکناف سے آئے ہوئے طالبان حق معاشی فکر سے بے نیاز جہاد اکبر یعنی اصلاح نفس میں مصروف خدمت خلق کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اور مرشد کامل کمال توجہ سے ان کی خفیہ صلاحیتوں کو جلا بخش کر نہایت اخلاص اور للّٰہیت سے ان کے ظاہر و باطن کو سنوارنے کے لئے دن رات کوشاں رہتا ہے۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والا ہر طالب علم مستقبل کا داعی حق

ہوتا ہے۔ مرشد کامل پوری دُنیا میں کسی بھی خالی آسامی پر ان کی تقرری کرتا ہے۔ عام طور پر پوسٹ ٹرانسفر ایبل نہیں ہوتی۔ اس طرح ایک روحانی مرکز کے کئی ذیلی مراکز قائم ہو جاتے ہیں۔ مین آفس سے ان کا رابطہ نہایت قوی ہوتا ہے۔ یوں چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ اور نور ہدایت عام ہوتا رہتا ہے۔ ہر خانقاہ مرکز رشد و ہدایت ہوتی ہے۔ اور زیب سجادہ اپنے خلوص نیت احسن عمل اور درد مندی سے اسلامی تعلیمات کو عام کرتا ہے۔ ان کا حسن عمل مریدوں' شاگردوں اور متوسلین کے لئے اُسوہ حسنہ کا پرتو ہوتا ہے۔ وہاں باتیں کم اور عمل زیادہ ہوتا ہے۔ یہ طریق تبلیغ جو کہ اصطلاح میں طریقت و تصوف کہلاتا ہے تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک بنتا ہے۔

اس وقت دُنیا کا جو بھی خطہ نور اسلام سے منور ہے۔ وہ صوفیا ہی کی مساعی جمیلہ کا مرہون منت ہے۔ اور عالم اسلام میں جب بھی اسلام کے خلاف کوئی سازش ہوئی۔ انہی صوفیا نے خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیری ادا کی۔ بقول شمس بریلوی "بزرگان نقشبند میں سے ایک بزرگ اور مقدس ہستی نے دلی کو اپنے قدوم پاک سے نوازا۔ مغلیہ دور کی گمراہیوں میں چراغ معرفت روشن کیا۔ اور حضرت پیر طریقیت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی نگاہ حقیقت بین نے آسمان سرہند کے ایک ستارے کو اپنے نور معرفت سے اس طرح نوازا کہ خود آپکی حیات اقدس میں سرہند کا وہ درخشاں ستارہ فلک معرفت کا خورشید تاباں بن گیا۔ اور مجدد الف ثانی کے لقب سے دنیائے طریقت و عرفان میں پہچانا گیا۔ اس کے انفاس قدسیہ نے ایسا اصلاحی کام کیا کہ اکبری دور کے الحادو بے دینی کی تندروست پڑ گئی۔(۱۴)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی تحریک کا حسن اور ہمہ گیریت اس تحریک کے مقاصد اور تعلیمات کے حسن و آفاقیت کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح تصوف جو کہ تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک ہے اپنی آفاقی اور احسن

تعلیمات کے باعث مقبول عوام ہوا۔ تصوف کی تعلیمات میں محبت کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور محبت چونکہ بے غرض اور بے لوث ہوتی ہے لہٰذا صوفیائے کرام انسانیت کی بے لوث خدمت اور خیرخواہی کا اَجر و ثواب صرف بارگاہ رب العالمین سے طلب کرتے ہیں۔ یہی محبت ایثار کا تقاضا کرتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہوا۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۱۵) کہ وہ اپنے بھائی بندوں کو اپنے نفوس پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود حاجت مند ہوتے ہیں۔
تصوف میں خلق خدا کی دلداری حج اکبر ہے

"دل بدست آور کہ حج اکبراست"

(اقبالؒ)

اور بقول عارف

جملہ فنون شیخ نیرزد بہ نیم خس
راحت بدل رساں کہ ہمیں مشرب است و بس

صوفیائے کرام نے انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف' عفو و درگزر سے آگے بہت آگے احسان کے رویئے کو فروغ دیا۔ فریق مخالف سے بدلہ لینا انصاف' معاف کر دینا عفو اور اس کی مزید اخلاقی و مالی امداد کرنا احسان ہے۔
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ' اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ:(۱۶)
جب انسان کا دل محبت الٰہی کا مرکز بن جاتا ہے۔ تو وہ ہر شخص سے پیار و محبت کرتا ہے۔ خطاکاروں کو معاف کرتا ہے۔ پتھروں کے جواب میں پھول پیش کرتا ہے۔ گالیوں کے جواب دُعاؤں سے دیتا ہے۔ اس فرمان الٰہی کی عملی تفسیر

بن جاتا ہے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِی ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَالَّذِی بَیْنَكَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ" (۱۷) (برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔ پس ناگہاں وہ شخص، کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے۔ یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔) ایسے لوگوں کے ہاں جزَآؤِ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِثْلُهَا (۱۸) کا معنی یہ ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا برائی ہے۔

ایک صوفی اپنے وفور علم اور کمال حکمت سے جب لوگوں کو دعوت الی الحق نہایت موثر انداز میں دیتا ہے۔ تو اس آیت کریمہ کا عملی ترجمان بن جاتا ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (بلاؤ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت سے)

ایک صوفی دنیاوی اشغال سے فارغ ہو کر کچھ وقت نہایت یکسوئی سے یاد الٰہی میں صرف کرتا ہے۔ تدبر فی الکون اور تفکر فی آیات الخالق سے جہانگیری اور حکومت آفرینی کا مواد حاصل کرتا ہے۔ رسول رحمت علیہ الصوٰۃ والسلام کا یہی اسوہ حسنہ ہے۔

در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

(اقبالؒ)

اسلامی تاریخ میں ہمارے ہیروز اور مثالی اسلاف کو اس دنیا سے گزرے ہوئے صدیاں بیت گئیں مگر دنیا آج بھی ان راہوں پر بوسہ زن ہے جس سے یہ بے نوا کبھی گزرے تھے۔ ان کے علو مرتبت میں ان کی سحر خیزی اور دعاہائے نیم شبی کا بڑا ہاتھ ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

حتیٰ کہ حکیم مشرق کی حکمت میں بھی سوزو ساز رومی اور پیچ و تاب رازی کی کشمکش میں گزرنے والی راتیں کار فرما ہیں۔ اس شب خیزی کی برکت سے نفس کی سرکوبی اور بات میں وزن پیدا ہوتا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیلِ هِیَ اَشْدُّ وَطاً وَاَقْوَمُ قِیلاً۔ (بلاشبہ رات کا قیام نفس کو سختی سے روندتا ہے۔ اور بات کو درست کرتا ہے)۔ (۲۰) اور یہی سحرخیزی مقام محمود تک پہنچا دیتی ہے۔ وَمِنَ الَّیلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَكَ عَسٰی اِنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (اور رات کو تہجد ادا کریں۔ یہ خاص آپ کے لئے ہے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے مقام محمود پر فائز فرما دے۔)(۲۱)

کائنات کے عظیم علم، کمال حکمت، محبت فاتح عالم، یقین محکم، عرش گیر بیداری دل، خلوت، شب زندہ داری، سحرخیزی اور احسان جیسی آفاقی اقدار نے تصوف یعنی تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک کو فروغ بخشا۔

ہم میں سے بہت سے لوگ تصوف کا مطالعہ بڑی دلچسپی سے کرتے ہیں۔ تصوف کی اہمیت و افادیت کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ مگر ہماری یہ دلچسپی نظری اور اعتراف زبان کی حد تک ہے۔ ہم میں اتنی جراٴت نہیں کہ اس میدان میں عملاً اُتر کر دیکھیں یا فوری طور پر ہم یہ جراٴت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہماری مثال ایک انگریز کے اس قول کی طرح ہے کہ

"God make me pious but not today."

(اللہ تعالیٰ مجھے نیک بنا دے مگر فوری طور پر نہیں) یا ہماری حالت اس ریاکار راہب جیسی ہے جس پر طنز کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا

اگرچہ پاک ہے طینت میں راہبی تری
ترس رہی ہے مگر لذت گناہ کے لئے

ایک عرصے سے تصوف کی اس عالم گیری میں ایک ٹھہراؤ اور ایک حد تک تعطل پیدا ہو گیا ہے۔ ہر زبان پر قحط الرجال کا شکوہ ہے۔ علامہ اقبال ؒ جیسا شخص جو مشت گل میں کیمیا پیدا کرنے کے لئے کسی مرد کامل کے آستان پر بوسہ زنی کی تلقین کرتا ہے۔ نہایت دردمندی سے شاکی ہے کہ

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر ؓ و دلق اویس ؓ وچادر زہرا ؓ

اور نہایت ہی حسرت ویاس سے پکار اُٹھتا ہے

نہ اُٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

(اقبال ؒ)

اور کبھی میراث میں ملنے والی مسند ارشاد پر فائز نااہل لوگوں کے لئے "زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن کی بلیغ ترکیب استعمال کرتا ہے۔ عالم اسلام بالخصوص برصغیر کے معروضی حالات میں خانقاہی نظام اور تجدید تحریک تصوف کی ضرورت دو چند ہو گئی ہے۔ اِن شاء اللہ خانقاہ نیریاں شریف پر تصوف سیمینار کا انعقاد تحریک تصوف کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سنگ میل ثابت ہو گا۔

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

(اقبالؒ)

وآخرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینْ ۝

حوالہ جات

(۱)۔ الملک : ۲
(۲)۔ عبس : ۴۰
(۳)۔ صحیح بخاری : ج :۱ ص : ۱۲
(۴)۔ لمعات ص:۲۶
(۵)۔ العلق : ۱
(۶)۔ الاسراء : ۷۰
(۷)۔ آل عمران : ۱۶۴
(۸)۔ مرقاۃ المفاتیح ج : ۲۵۶
(۹)۔ فاطر : ۲۳
(۱۱)۔ الانعام : ۱۶۲
(۱۲)۔ البقرۃ: ۱۱۵
(۱۳)۔ البقرۃ: ۱۶۵
(۱۴)۔ مقدمہ فوائد الفواد ص : ۸
(۱۵)۔ الحشر : ۹
(۱۶)۔ المائدہ : ۱۳
(۱۷)۔ حم السجدہ : ۳۴
(۱۸)۔ الشوریٰ : ۴۰
(۱۹)۔ النحل : ۱۲۵
(۲۰)۔ الاسراء : ۷۹

تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری
ڈائریکٹر مذہبی امور
محکمہ اوقاف پنجاب
لاہور

تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

فصل اول: تصوف کی حقیقت

رسول اللہ ﷺ جس دین حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے' اور زندگی کے جس طریقے کی طرف آپ ﷺ دُنیا کو دعوت دیتے تھے اس کا اگر اصولی تجزیہ کیا جائے تو اس میں مندرجہ ذیل تین شعبے دریافت ہوتے ہیں:

ا۔ شعبہ ایمانیات:۔

یعنی اللہ تعالٰی کی ذات و صفات' وحی و رسالت' ملائکہ' قیامت' حشر و نشر اور جنت و دوزخ جیسی غیر مشہود غیبی حقیقتوں کے بارے میں نبی ﷺ نے جو خبریں دی ہیں۔ آپ کو خدا کا سچا رسول مانتے ہوئے' ان سب کی دل سے تصدیق کرنا' یہ شعبہ ہمارے علم عقائد کا موضوع ہے۔

۲۔ شعبہ اعمال صالحہ:۔

اس سے مراد دین کا وہ تمام تر عملی حصہ ہے جو جوارح سے تعلق رکھتا ہے' جس میں اسلامی عبادات (بشمول ہجرت و جہاد و امر بالمعروف وغیرہ) اور معاملات

و آداب معاشرت وغیرہ داخل ہیں' یہ شعبہ گویا دین کا پورا قالب ہے اور یہی اسلام کا عملی نظام ہے' اور ہمارے علم فقہ کا خاص تعلق اسی شعبہ میں ہے۔

۳۔ شعبہ کیفیات روحانیہ:۔

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ایمانیات و اعتقادات اور اعمال صالحہ و اخلاق حسنہ کے ابواب میں اُمت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی محبت و خشیت' یقین و توکل' احسان و اخلاص جیسی روحانی و قلبی کیفیات کے متعلق بھی اہم ہدایات دی ہیں' اور ان کو کمال دین و ایمان قرار دیا ہے' اور مشہور حدیث جبریل میں پہلے شعبہ کو ایمان سے' دوسرے کو اسلام سے اور تیسرے کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے' اور آخر میں ان تینوں شعبوں کے مجموعے کو دین کہا گیا ہے۔ (اِنَّہٗ جِبْرِیْلُ جَاءَ لِیُعَلِّمَکُمْ دِیْنَکُمْ) (بخاری و مسلم)۔ دین کا یہی تیسرا شعبہ تصوف کا خاص موضوع ہے۔

آئمہ عقائد' فقہاء اور صوفیہ کرام کا دائرہ کار و اختصاص

رسول اللہ ﷺ کی مقدس ذات تو ان تینوں شعبوں کی یکساں طور پر جامع تھی' اور کسی درجہ میں جامعیت اکابر صحابہ ؓ کو بھی حاصل تھی' لیکن بعد کے قرنوں میں زیادہ تر ایسا ہوتا رہا کہ آنحضرت ﷺ کے اکثر وارثین و نائبین اگرچہ ذاتی طور پر کم و بیش ان تینوں شعبوں کے حامل اور جامع ہوتے تھے' لیکن اپنی اپنی صلاحیت و استعداد اور ذوق یا ماحول کے مطابق انہوں نے کسی ایک شعبہ کی خدمت سے اپنا خاص تعلق رکھا۔ چنانچہ آئمہ عقائد اور فقہاء نے خصوصیت کے ساتھ دین کے پہلے دو شعبوں کی خدمت و حفاظت و تنقیح و تفصیل کی' اور حضرات صوفیہ کرام نے دین کے تیسرے اہم شعبہ کی خدمت و حفاظت اور اس بات میں آنحضرت ﷺ کی نمائندگی و نیابت کی اس لئے اُمت

پر ان کا بھی بہت بڑا احسان ہے' اور اُمت یقیناً دین کے اس تکمیلی شعبہ میں ان کی خدمات کی ممنون اور محتاج ہے۔

لہٰذا تصوف و سلوک کی اصل غرض و غایت اور صوفیہ کرام کی مساعی کا اصل نصب العین اور خانقاہوں کا موضوع دراصل دین کا یہی تیسرا شعبہ ہے' یعنی رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی محبت و خشیت اور اخلاص و احسان جیسی روحانی کیفیات کی تحصیل و تکمیل اور پھر اس سلسلہ میں دوسروں کی رہنمائی اور فیض رسانی ان حضرات کا امتیاز اور شغل اور مخصوص دائرہ عمل ہے۔

فصل دوم

اعمال باطنہ اور مرشد کی ضرورت

توبہ' صبر' شکر' رجاء' خوف' زہد' توحید' توکل' محبت' رضا' اخلاص' تقویٰ جیسے فرض اعمال باطنہ کا حصول اور شہوت' غضب' کینہ' حسد' حب دنیا' بخل' حرص' حب جاہ' ریاء' تکبر و غرور ایسے حرام و ناجائز اعمال باطنہ کی اصلاح عادۃً اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اپنے آپ کو کسی ایسے شیخ مرشد کے حوالے کر دے جو باطنی فضائل اور رذائل میں پوری بصیرت اور درک رکھتا ہو' خود بھی باطنی رذائل سے پاک رہنے کی کوشش میں لگا ہو اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتا ہو اور باطنی اعمال کی تربیت کسی مستند شیخ کی صحبت میں رہ کر حاصل کر چکا ہو۔ پھر اس مرشد کی تشخیص و تجویز کے سامنے اپنی رائے کو بالکل فنا کر کے ٹھیک اسی طرح عمل کرے جس طرح ایک بیمار اپنے آپ کو کسی حکیم یا ڈاکٹر کے حوالہ کر کے اسی کی تشخیص و تجویز پر عمل کرتا ہے۔ اگر خود بھی حکیم یا ڈاکٹر ہو تو بھی بیمار ہونے کی حالت میں اپنی رائے اور اپنی تجویز کو چھوڑ کر معالج کا مکمل اتباع کرتا ہے۔ اعمال ظاہرہ کے صحت و فساد کو تو کسی استاد سے پڑھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے اور کتابوں کے مطالعہ سے بھی کچھ نہ کچھ معلومات

حاصل کی جا سکتی ہیں لیکن اعمال باطنہ کی اصلاح میں محض کسی کتاب کا پڑھ لینا اور پوری طرح سمجھ لینا بھی کافی نہیں ہوتا بلکہ ان کی اصلاح مرشد کامل کی اتباع کے بغیر عادۃً ممکن نہیں۔ خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی دولت بغیر اسباب ظاہری کے عطا فرما دیں تو یہ الگ بات ہے مگر اس کو ضابطے کا طریقہ نہیں کیا جا سکتا۔

فصل سوم

ثمرات تصوف

۱۔ کسی مرشد کامل سے تربیت کی خاطر بیعت ہونے کے بعد حسب ہدایت اعمال ظاہر و باطنہ کے التزام سے سب سے پہلی چیز یہ حاصل ہوتی ہے۔ کہ طبیعت میں ایک عجیب اطمینان اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۔ نیکیوں کی طرف میلان طبع زیادہ ہو جاتا ہے اور برائیوں سے بچنے کا ارادہ مستقل ہو جاتا ہے۔

۳۔ عبادت اور ذکر میں دل لگتا ہے۔

۴۔ سچے خواب آنے لگتے ہیں۔

۵۔ کشف و کرامت کا ظہور ہوتا ہے اگرچہ یہ بالذات مقصود نہیں ہے۔

۶۔ رذائل اخلاق سے تخلیہ اور فضائل اخلاق سے تحلیہ ہوتا ہے اور فی الحقیقت یہی ایک چیز ہے جو مقصود بالذات ہے۔

۷۔ جب سالک حسب ارشاد مرشد کماحقہ عمل کر لیتا ہے اور اس کے یہ اعمال مقبول ہو جاتے ہیں تو اس کو کوئی ایسی صاف اور صریح نشانی نیم خوابی کی حالت میں دکھائی جاتی ہے جس سے اس کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مساعی کو شرف قبولیت عطا فرما دیا ہے اور اسے اپنے اولیاء کے حلقہ میں شامل کر لیا ہے۔

فصل چہارم

تصوف کے معاملے میں افراط و تفریط اور گمراہیاں

تصوف کے معاملے میں مسلمانوں کا خاصا بڑا طبقہ افراط و تفریط بلکہ طرح طرح کی گمراہیوں کا شکار ہے۔ ان لوگوں نے تصوف کو سمجھے بغیر اس کے بارے میں عجیب و غریب مزعومات قائم کر لئے ہیں انہیں نہ علماء صلحاء کی تعلیم و تربیت ملی' نہ تصوف کی مستند کتابوں تک رسائی ہوئی' بلکہ جاہل مدعیان تصوف کی خودساختہ روش دیکھ کر اس کو تصوف سمجھ بیٹھے۔ انہوں نے دین اور احکام دین کو صرف فقہ پر منحصر جان کر سرے سے تصوف ہی سے بیزاری اختیار کر لی' اور تصوف کو دین سے خارج قرار دے دیا۔ یہ ایک شدید گمراہی ہے جو خاصے بڑے طبقے میں پائی جاتی ہے۔

ایک اور گمراہی اس سے کم درجہ کی' مگر اس لحاظ سے نہایت تشویشناک ہے کہ وہ علم دین کے بعض طلبہ بلکہ بعض نام نہاد اہل علم میں بھی پائی جاتی ہے کہ انہوں نے تصوف کو دین سے خارج تو نہیں سمجھا مگر نہ جانے کیوں یہ خیال کر بیٹھے کہ اس کا حاصل کرنا محض مباح یا مستحب ہے' شرعاً فرض یا واجب نہیں۔ اصلاح باطن بھی ہو گئی تو جنت میں درجات بڑھ جائیں گے' نہ ہوئی تو جنت میں جانے کے لئے ظاہری اعمال کافی ہیں۔

دوسری طرف جاہل مدعیان تصوف کی گرم بازاری ہے جنہوں نے تصوف و طریقت کے اہمیت کو تو تسلیم کیا مگر اس کی حقیقت کو کم کر ڈالا۔ کسی نے کہا "طریقت اور ہے' شریعت اور"۔ "یہ بات اگرچہ شرع میں ناجائز ہے مگر فقیری میں جائز ہے۔" ان لوگوں نے تصوف کو "راز سینہ بہ سینہ" قرار دے کر اس من گھڑت "راز" کی بنیاد پر دین کے کتنے ہی حرام کاموں کو حلال کر ڈالا' اور دین و تصوف کے نام پر الحاد و بے دینی کا شکار ہو گئے۔

کسی نے تعویذ گنڈوں کا اور کسی نے مریدوں سے نذرانے وصول کرنے کا نام تصوف رکھ لیا۔ کسی نے پیر صاحب سے بیعت ہونے ہی کو جنت کا پروانہ سمجھا' اور اصلاح نفس اور اعمال سے غافل ہو کر مطمئن ہو گئے کہ "پیر صاحب بخشش کرا دیں گے۔" کسی نے دل کی خاص قسم کی دھڑکنوں کو اور کسی نے "غیب کی باتیں" بتلانے کو تصوف کا کمال سمجھ لیا۔ کسی نے صرف تسبیحات و وظائف اور نوافل کو تصوف و طریقت کا نام دے لیا اور ظاہر و باطن کی اصلاح سے بے فکر ہو کر کتنے ہی فرائض اور حقوق العباد کو پامال کر ڈالا۔ کسی نے مجاہدوں' ریاضتوں' چلہ کشی' رہبانیت اور ترک دنیا کو طریقت و سلوک کی معراج قرار دے کر بال بچوں' ماں' باپ اور اعزاء و اقارب سے کنارہ کشی اختیار کرلی' اور جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے ہی کو دین کا مقصد سمجھ بیٹھے۔

غرض یہ اور اسی طرح کی بہت سی گمراہیاں تصوف کے بارے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ انتہا پسندی کا دور دورہ ہے۔ ایک جانب افراط ہے دوسری جانب تفریط۔ رسول عربی ﷺ کا لایا ہوا دین افراط و تفریط کے بیچوں بیچ راہ اعتدال ہے۔ وہ ترک دنیا کو دین نہیں کہتا' بلکہ دنیا کے تمام کاروبار کو شریعت کے قالب میں ڈھال کر تصوف کی راہ سے کار ثواب بنا دینا چاہتا ہے۔ وہ شریعت و طریقت کے تضاد کو نہیں جانتا' بلکہ دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کا قائل ہے۔ شریعت جسم ہے تو طریقت اس کی روح' تصوف "فقہ" کے بغیر ناکارہ ہے اور فقہ "تصوف" کے بغیر بے جان۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ

"شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ و الحاد۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو افراط و تفریط سے محفوظ و مامون فرمائے' آمین!

تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

ڈاکٹر تصدق حسین راجا
ڈائریکٹر (ریٹائرڈ)
دارالترجمہ 'مقتدرہ قومی زبان
اسلام آباد

تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک

ڈاکٹر تصدق حسین راجا

عنوان بالا میں شامل تین عناصر ترکیبی اہم اور غور طلب ہیں۔۔۔ اول یہ کہ تصوف سے کیا مراد ہے' دوئم یہ کہ "تلاش احسن" کے کیا معنی ہیں اور سوئم یہ کہ تصوف ایک ہمہ گیر تحریک کی حیثیت سے ساڑھے چودہ سو سال سے کس طرح مصروف عمل ہے۔

ایک بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ تصوف کوئی ایسی شے نہیں جو باہر سے اسلام میں داخل ہوئی ہو' یہ اسلام کا حصہ ہے اور اسلام کے اندر سے ہی وجود میں آیا ہے۔ ہر چند کہ یہ اصطلاح بہت بعد میں استعمال میں آئی لیکن تصوف یا فقر آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ کا حصہ تھا اور آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو بھی اس کی تعلیم فرمائی قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ میں تصوف کا ذکر مختلف حوالوں سے آیا ہے۔ جب ہم تصوف سے مراد ذکر الٰہی لیتے ہیں جس سے اللہ رب العزت کی قربت حاصل ہوتی ہے تو قرآن حکیم کی درج ذیل آیات پر نظر پڑتی ہے:

"اور پڑھے جا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا آ اس کی طرف سب سے الگ ہو کر" (۷۳:۸)

"اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد" (۴۱:۳۳)

"تو پڑھ جو اُتری طرف تیری کتاب اور قائم رکھ نماز بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے اور اللہ کی یاد سب سے بڑی ہے اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو" (۲۹:۴۵)

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے' سنا ہے دل اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں۔(۱۳:۲۸)

آنحضور ﷺ جب غارِ حرا میں خلوت نشین ہو کر اپنے رب کے ذکر میں محو رہتے ہیں تو تصوف کی عملی تعلیم کا آغاز تو یہیں سے ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے منبر پر خطبہ دیتے وقت جب اپنے ساریہؓ نامی سپہ سالار کو' جو دور دراز کے ایک علاقے میں مصروف جنگ تھا فرمایا: "اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ" تو یہ سب کیا تھا کوسوں کے فاصلے اور خلیفہ وقت کے درمیان حائل پردے کیسے اُٹھ گئے تھے؟ یقیناً یہ تصوف اور فقر کی اس تعلیم و تربیت کے طفیل تھا جو خلیفہ وقت نے آقائے نامدار ﷺ سے حاصل کی تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد آنحضور ﷺ جتنا عرصہ مدینہ طیبہ میں مقیم رہے یہ ساری مدت روحانیت کے حوالے سے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا بہت اہم حصہ تھی۔ اس عرصہ میں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں تصوف کے کئی عملی نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کا خاطر خواہ حصہ صحابہؓ کرام تک پہنچتا رہا۔

تصوف کے بہت سے مقامات ایسے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں ان کا ذکر بطور خاص فرمایا ہے مثلاً توبہ' زہد و تقویٰ' فقر' صبر' توکل' ایثار' تسلیم و رضا' حب الٰہی اور خوف و رجا' یہ سب سلوک کے مختلف مقامات ہیں جن کی طرف آنحضور ﷺ نے خاص توجہ دلائی اور صوفیائے کرام اور اولیاء کرام نے بھی اپنے معتقدین اور مریدوں کو ان سے روشناس فرمایا۔

ایک بار کسی نے حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا:۔ "تم اس کا ظاہر ہی لئے رہو باطن کی بابت کچھ نہ پوچھو کیونکہ صوفی وہ ہیں جن کا قیام اللہ کے ساتھ ہے اور وہی جانتا ہے۔" (تذکرہ الاولیاء ص ۲۳۹) تصوف کا ذکر آنے پر ذہن محض ایک غلط فہمی کی بنا پر قائم شدہ کچھ لوگوں کے اس اعتراض کی طرف مڑ جاتا ہے کہ شاید صوفیاء کا مسلک تو ترک دنیا کا مسلک ہے حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے خود مختلف پیغمبروں، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے اکل حلال مختلف ذرائع سے کمایا، کوئی لوہے کو پگھلا کر ہتھیار بناتے تھے، تو کوئی بڑھئی کا کام کرتے تھے، کہیں ذریعہ معاش کپڑے کا کاروبار تھا تو کہیں پارچہ بافی کو بطور پیشہ اپنا لیا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور خود آنحضور ﷺ نے ابتدائی زندگی میں بھیڑ بکریاں چرا کر رزق حلال کمایا حضرت علیؓ خطاطی میں ید طولیٰ رکھتے تھے صوفیاء کے ہاں بھی زیادہ تر تجارت یا زراعت کا پیشہ رائج رہا۔ انہوں نے "دست بہ کارو دل بہ یار" پر عمل کیا اور یہی تعلیم اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو دی۔

مختلف ادوار میں بزرگوں نے تصوف یا فقر کی تعریف اپنے اپنے انداز میں فرمائی۔ ایک بزرگ نے فقر کی تعریف یوں کی ہے: "فقر بدن کی مفلسی ہے، ذہن کا غنا ہے اور دل کی زندگی ہے، اللہ کی راہ پر چلنا فقر ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت سلمان فارسیؓ جیسے صوفی صفت صحابہ کرامؓ سے صرف بیعت ہی نہیں لی تھی بلکہ آپ ﷺ نے اپنی باطنی تعلیم اور استغراق کا وہ طریق کار بھی جو ذکر الٰہی سے عبارت ہے انہیں منتقل کیا تھا۔ غارِ حرا میں آنحضرت ﷺ کا خلوت گزین ہونا صوفیاء کے لئے پیروی کی ایک مثال ٹھہری اور اپنے اپنے عہد میں مختلف صوفیاء نے نور عرفان کے حصول کی خاطر زاویوں، تکیوں اور خانقاہوں میں بیٹھ

کر ذکر الٰہی کی اہمیت کا عملی ثبوت پیش کیا اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی تعلیم فرمائی۔ اسی ذکر الٰہی کے مشغلہ کو قرآن حکیم میں نماز پنجگانہ سے بہتر بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور منکر سے مگر ذکر الٰہی اس سے بڑھ کر ہے" (۲۹:۴۵)

آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد تک تو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہی نے بعد کے آنے والے دور کے لئے تصوف کے خدوخال مقرر کیئے تھے مگر تابعین کا دور آیا تو دو مشہور نام سامنے آئے: حضرت اویس قرنیؓ اور حضرت حسن بصریؒ۔ اس دور تابعین میں ان دو بزرگوں کی ذات سے بعض ایسی چیزیں وجود میں آئیں جن کو حب الٰہی سے تعبیر کیا گیا۔

"حب" اور "خوف" اصطلاحات تصوف میں حال ہیں اور دونوں ان حضرات کی زندگیوں سے ظاہر ہیں۔ اس لحاظ سے تاریخ تصوف اسلام میں انہیں ان احوال کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت اویس قرنیؓ آنحضرت ﷺ کے عہد میں زندہ تھے لیکن وہ حضور ﷺ کے دوسرے صحابہ کرام کی طرح آنحضور ﷺ کے ساتھ اپنی لیل و نہار نہیں گزار سکے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا: "قرن میں اویس نامی ایک شخص ہے' قیامت کے دن وہ بقدر ربیعہ و مضر کی بھیڑوں کے میری اُمت کے لوگوں کی شفاعت کرے گا۔" یہاں تک فرمایا اور پھر روئے سخن حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف یوں پھیرا:

"تم اس کو دیکھو گے وہ ایک شخص ہے میانہ قد اور بالوں والا' اس کے بائیں پہلو پر بمقدار درہم ایک سفید داغ ہے مگر وہ سکہ کا داغ نہیں اور اس کے ہاتھوں اور ہتھیلیوں پر بھی اس قسم کے نشانات ہیں جب تم اس کو دیکھو تو میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ میری اُمت

کے حق میں دعا کرے۔" (کشف المحجوب:٦٦)

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی تصوف کا رواج پانچویں صدی ہجری میں ہوا ابتداء میں تین بڑے سلاسل تھے: قادریہ' نقشبندیہ' سہروردیہ' پھر ان میں اضافہ ہوتا گیا اور تصوف کے جو نئے سلسلہ وجود میں آئے ان میں چشتیہ' شاذلیہ' اویسیہ' فردوسیہ' قلندریہ شامل تھے۔

اب سرہند شریف' کلیر شریف' پانی پت' دلی' لاہور' پاک پتن شریف' ملتان' شورکوٹ' سہون شریف' تونسہ شریف' جلال پور شریف' سیال شریف' گولڑہ شریف' نور پور' بھون ضلع چکوال' نیریاں شریف اور سینکڑوں چھوٹے بڑے مقامات ایسے تھے جہاں کوئی اللہ کا ولی' کوئی صوفی یا فقیر ایسا موجود تھا جو صورت گر تقدیر تھا' نگاہ کا تیغ باز تھا' یہ سب دیدار ذات کی منزل تک کا سفر طے کراتے تھے' قلوب میں ایمان و یقین پیدا کر رہے تھے' ذات بے ہمتا کے قرب کے حصول کو آسان بنا رہے تھے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک خط میں نیاز الدین خان کو لکھا کہ ان کے نزدیک تو آنحضور ﷺ آج بھی زندہ ہیں اور ان سے اسی طرح فیض حاصل کیا جا سکتا ہے جس طرح صحابہ کرامؓ حاصل کرتے تھے۔ میری ذاتی رائے میں یہی بات اولیاء کرام پر صادق آتی ہے۔ جن کے نصیب میں ان سے آج بھی ملاقاتیں شامل ہو گئیں جو ان سے فیضان حاصل کرنے والے خوش نصیب ٹھہرے انہیں کسی منطق و دلیل سے اس کے برعکس قائل کرنا ممکن ہی نہیں۔ ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی دنیا تو کسی کو اپنی فصیل کے اندر آنے ہی نہیں دیتی۔

ایک ایمان افروز واقعہ "ریڈینس" (Rediance) دہلی میں شائع ہوا تھا جو راقم نے اپنی کتاب "جیلانی بی۔اے کی کہانی" میں (ص١٧٦۔١٧٤) نقل کیا ہے:

"عراق کے شہر سلمان پاک (قدیم مدائن) میں حضرت سلمان

فارسی ؓ کے مزار کے قریب دو اور صحابہ کرام ؓ کے مزار ہیں۔ ایک حضرت حذیفہ ؓ اور دوسرے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ ۔ ان کے مزارات قبل ازیں دجلہ کے قریب واقع تھے لیکن بعد میں ان کو دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں عراق کے شاہ فیصل اول نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حذیفہ ؓ اس سے فرما رہے ہیں کہ مجھے اور جابر بن عبداللہ ؓ کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دو کیونکہ دریا اپنا راستہ بدل رہا ہے اور اس کا پانی ہماری قبروں تک پہنچ گیا ہے۔ بادشاہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو دوسری رات یہی خواب مفتی اعظم عراق نے دیکھا کہ بادشاہ کی توجہ اس طرف دلاؤ۔ مفتی اعظم عراق کے وزیراعظم نور سعید پاشا کے پاس پہنچے اور اسے ساتھ لے کر بادشاہ کے پاس گئے خواب سنایا تو بادشاہ نے بتایا کہ وہ بھی یہ خواب مسلسل دو رات سے دیکھتا رہا ہے۔ شاہ فیصل اول نے مفتی اعظم سے کہا کہ مزار کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کا حکم دے دوں گا۔ تحریری فتویٰ جاری ہوا۔ حج کا زمانہ قریب تھا حج کے دس روز بعد مزارات نماز ظہر کے بعد عظیم اجتماع کے سامنے کھولے گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ دریائے دجلہ کا پانی مزارات کے اندر رسنا شروع ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام کے کفن تک صحیح حالت میں تھے۔ ان کی داڑھیاں بھی اپنی اصلی حالت میں تھیں حالانکہ ان کو دفن ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں۔ اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ تھی کہ صحابہ کرام کے آنکھوں کی چمک تک باقی تھی وہ کھلی ہوئیں تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے امتداد زمانہ بھی اُسے ماند نہ کر سکا تھا۔ اس موقع پر نامی گرامی ڈاکٹر بھی موجود تھے ایک جرمن ماہر چشم بھی ان میں حیران کھڑا تھا۔

اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ شیشے کے تابوت بنوا کر دونوں صحابہ کرام ؓ کے اجساد کو بڑے احترام کے ساتھ دفن کیا گیا۔ ایک جرمن فلم کمپنی نے تدفین کی پوری کاروائی دکھائی۔ پھر یہ دستاویزی فلم بغداد کے سینما گھروں میں دکھائی گئی جس سے بہت سے عیسائی اور یہودی مسلمان ہوئے۔"

ایسا ہی ایک واقعہ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو ؒ کے بارے میں تاریخ کا حصہ بن گیا ہے' آپ کی قبر مبارک بھی دریا کے قریب تھی اور دریا کا پانی اس کے اندر رسنے لگا تھا خواب میں حضرت نے اس طرف توجہ دلائی تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا جسد خاکی بھی صحیح سلامت تھا جسے نئی جگہ دفن کیا گیا۔ کفن تبدیل ہوا تو پہلے کفن کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بطور تبرک زائرین میں تقسیم کیئے گئے۔ حضرت باہو ؒ فرماتے ہیں:

ظاہر باطن عین حیاتی ھُو' ھُو پیا سنیوے ھُو
ناں فقیر تنہاں دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ھُو

(پنجابی)

ظاہر باطن حق سچ ھُو' ھُو کی آواز ہی آئے ھُو
نام فقیر ہے باہو ان کا جن کی لحد بس جائے ھُو

(اردو ترجمہ)

جب صورت حال یہ ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ اللہ کے یہ ولی پیوند خاک ہو گئے۔ یہ تو عالم برزخ میں رہ کر بھی اس عالم رنگ و بو میں اپنا تصرف کر لیتے ہیں' روحانی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی۔ یہ طاقت بقول علامہ اقبال اللہ نے نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت کے اولیائے کرام

کو عطا کر رکھی ہے۔

نگاہ کے تیغ باز صوفی کا ذکر آتے ہی راقم کا ذہن ایک امریکی نو مسلم پروفیسر جیفرے لینگ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کی طرف مڑ گیا ہے اور مولانا غسان یاد آ گئے ہیں جن کے ہاتھ جیفرے لینگ نے اسلام قبول کیا۔ پروفیسر جیفرے جو آج کل ایک امریکی یونیورسٹی میں ریاضی کے پروفیسر ہیں دس سال تک بار بار ایک ہی خواب دیکھتے رہے۔ خواب کی تعبیر ان کے اسلام قبول کرنے پر سامنے آئی۔ پروفیسر جیفرے ایک روز سینٹ اگنیشن چرچ کے عقب میں واقع ایک چھوٹی سی مسجد دیکھنے گئے جس کا انتظام یونیورسٹی کے مسلم طلبہ کے ہاتھ میں تھا۔

جیفرے اپنی تصنیف "Struggling to Surrender" (جس کا راقم نے اردو ترجمہ "سر تسلیم خم ہے" کے نام سے کیا) میں لکھتے ہیں کہ مسجد میں ان کی ملاقات عبدالحنان نامی ایک مسلمان سے ہوئی جو ملائشیا سے تعلق رکھتے تھے جیفرے اسلام کے بارے میں ان سے سوالات پوچھتے رہے مگر تسلی نہ ہوئی وہ واپس جانے کے لئے اُٹھنے لگے تو مسجد کا دروازہ کھلا اور ایک صاحب اندر داخل ہوئے غسان نام تھا اور سعودی عرب سے تعلق رکھتے تھے جیفرے لینگ غسان کا حلیہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مجھے ایک ایسے شخص کا ہیولا دکھائی دیا جس کی بڑی سی داڑھی ٹخنوں سے اوپر تک چغہ تھا' پاؤں میں سینڈل تھے' سر پر پگڑی اور ہاتھ میں عصا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ لگتا جو کوہ سنائی سے واپس لوٹ رہے ہوں شخصیت مسحور کن تھی اور کسی بابلی کردار سے ملتی جلتی صورت تھی۔ مجھے رکنا پڑا۔ وہ مرد بزرگ خاموشی سے اندر داخل ہوئے اور ایسا لگا جیسے انہوں نے ہمیں دیکھا ہی نہیں۔ میں نے محسوس کیا جیسے آنکھیں تقریباً بند کیئے' سر ذرا سا اوپر اُٹھائے

وہ کوئی دعا مانگتے اندر داخل ہوئے تھے۔"

مولانا غسان جو محض امام مسجد نہ تھے ایک صوفی اور فقیر تھے ان کے بارے میں پروفیسر جیفرے لینگ مزید اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"میں یہ دیکھ چکا تھا کہ غسان کو ایک انوکھا عطیہ الٰہی حاصل تھا' انہیں ایک الہامی اور وجدانی وصف سے نوازا گیا تھا جو کسی روحانی رہنما کے لئے بہت ضروری ہوتا ہے۔ مجھے آگے چل کر اس بات کا علم ہوا کہ امریکہ اور امریکہ سے باہر ان کے پیروکاروں اور متعقدین کا ایک وسیع حلقہ ہے۔۔۔ جب تک انہوں نے اپنی بات مکمل نہیں کر لی مجھے یوں نظر آیا جیسے وہ کسی روح کے تصرف میں ہوں۔۔۔" (سر تسلیم خم ہے ص ۴۷)

ہم نے دیکھا کہ کس طرح ایک صوفی و فقیر نے پروفیسر جیفرے لینگ جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ' کٹر رومن کیتھولک کو کلمہ شہادت پڑھا کر مسجد سے رخصت کیا یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ جیفرے لینگ اسلام قبول کر چکے تب اس خواب کی تعبیر اس صورت میں سامنے آئی کہ پورا خواب جاگتے میں عملاً ایک کمرہ کی اس مسجد میں دہرایا گیا جس کی پوری تفصیل پروفیسر جیفرے کی اس تصنیف میں (اور راقم کی طرف سے اس کتاب کے ترجمے "سر تسلیم خم ہے' میں) دیکھی جا سکتی ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ تصوف اس ہمہ گیر تحریک کے طور پر کس طرح سرگرم عمل ہوا جو تلاش احسن میں ممدو معاون ثابت ہوتی ہے۔ وہ "احسن" کیا ہے۔۔۔ دیدار ذات باری تعالیٰ ہے' ایمان و یقین کی دولت ہے حب الٰہی ہے اور ایک پیرو و مرشد' ہدی و رہنما' فقیر اور صوفی اس کے حصول کے لئے

اپنے مریدوں' عقیدتمندوں' پیروکاروں کو تیار کرتا ہے۔ اس تیاری میں وہ انہیں پہلے دنیاوی زندگی کی آلائشوں سے صاف کرتا ہے تاکہ گوہر مقصود تک رسائی آسان ہو جائے۔ اب اولیاء کرام اور صوفیائے کرام نے زاویوں' تکیوں سے نکل کر خانقاہوں' خانقاہوں سے ملحقہ مدرسوں کو مراکز رشد و ہدایت بنا لیا تھا۔۔۔ تحریک ایک تھی' منزل ایک تھی منزل تک حصول کے طریقے ظاہراً مختلف نظر آتے تھے مگر دراصل وہ بھی ایک تھے۔۔۔ ہیڈکوارٹر ایک تھا جس کی چھاؤنیاں مختلف تھیں۔ صوفیاء کے ہاں اساسی باتیں یکساں مگر رمز و آثار مختلف ہوتے ہیں۔ فیض پانے والے شہروں' قصبوں' اور چھوٹے چھوٹے گاؤں سے کھنچے چلے آتے ہیں دین بھی سکھایا جا رہا ہے۔ اس دنیاوی زندگی کے اصول بھی بتائے جا رہے ہیں جس پر آنے والی دائمی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ اکل حلال کی اہمیت کا درس بھی شامل تعلیمات ہوتا ہے تو ذکر الٰہی سے قلوب کو روشن و منور کرنے کے طریقے بھی سکھائے جاتے ہیں جہاں ان صوفیاء کے مختلف درجات ہوتے ہیں وہیں مریدوں' عقیدتمندوں کے درجات بھی جدا جدا ہوتے ہیں کسی کو اللہ کے خوف میں سپاہی بھرتی کیا جا رہا ہے تو کسی کو اس کی روحانی اہلیت و صلاحیت کی بنیاد پر اس فوج میں اعلیٰ عہدہ پر فائز کر کے کندھوں پر اعلیٰ عہدے کے بلے (Pips) سجائے جا رہے ہیں جسمانی بیماریوں کے لئے ان کو دعاؤں سے بھی نوازا جاتا ہے جن کے بارگاہ رب العزت میں قبولیت پانے میں دیر نہیں لگتی تو علاج معالجہ کے لئے دواؤں کے استعمال کی طرف بھی ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔

راقم نے اپنے آبائی گھروں میں ایک عزیز کی کایا پلٹتی دیکھی۔ محمد افضل نام ہے آج بھی بقید حیات ہیں۔ بہت عرصہ پہلے کئی برس تک سود پر روپیہ دیتے تھے۔ حضرت سلطان باہوؒ کے خانوادہ کے ایک بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی تو قلب و ذہن روشن ہو گئے نہ صرف یہ کہ سودی کاروبار چھوڑ دیا بلکہ گھر

گھر جا کر بتایا کہ جس کسی سے انہوں نے سود لیا تھا وہ آ کر واپس لے لے کہ انہوں نے اللہ سے جنگ بند کر کے توبہ کر لی ہے۔ اب محمد افضل ایک متقی، پرہیزگار اور رزق حلال پر گزر اوقات کرنے والے انسان ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان کا سینہ جب تک روشن نہ ہو، دل زندہ میسر نہ ہو اس وقت تک "قل العفو" کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔ انسان جمع شدہ دولت گنتے گنتے مرجاتا ہے۔

تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک کے حوالہ سے عبدالجبار ڈیز لکھتے ہیں:

"تصوف اسلام کا روحانی طریق ہے۔ اسلام سے اس کی وابستگی ہزار برس سے اوپر چلی جاتی ہے۔۔۔ اس کا مزاج سلوک و عرفان والا ہے۔ مغربی علماء نے اسے اسلامی مسٹزم کے نام سے اس وجہ سے تعبیر کیا ہے کہ عیسائیت اور دوسرے مذاہب میں مسٹزم کی جو شکلیں ہیں ان سے اس کی بہت مشابہت ہے مگر عیسوی مسٹزم کے برعکس اسلامی تصوف میں ایک تاریخی تسلسل ہے اس کی حیثیت ایک ادارہ کی ہے جس سے ہر دور میں لاکھوں کی تعداد میں مرید وابستہ ہوتے ہیں۔ اگر ہم عالم اسلام پر نظر ڈالیں تو شاید ہی کوئی ایسا علاقہ نظر آئے گا جہاں صوفیاء کا کوئی نہ کوئی "سلسلہ" موجود نہ رہا اور موجود نہ ہو۔ اور تو اور اشتراکی روس کی وسطی ایشیائی ریاستوں میں جہاں اسلامی گروہوں کو دبانے کی بہت کوششیں ہوئیں مدارس اور مساجد میں قفل ڈال دیئے گئے تھے مگر پھر بھی بڑی تعداد میں مسلمان نظر آتے ہیں جو کسی نہ کسی صوفی سے منسلک ہیں اور اپنے مرشد سے ہدایت لے کر سلوک کی راہیں طے کرتے ہیں۔ پوری اسلامی دنیا میں آج بھی جابجا صوفیوں کے آستانے موجود ہیں۔ یہ

ٹھکانے عربی میں زاویہ اور فارسی میں خانقاہ کے نام سے معروف ہیں۔۔۔"

(اسلامی روایت: ص ۱۶۵)

تصوف نے تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک کی شکل اختیار کی تو اس میں اہل ظاہر بھی شامل تھے اور اہل باطن بھی۔ کہیں کہیں یہ دونوں ایک ہی شخصیت میں جمع ہو گئے تھے مثلاً بغداد کے عظیم المرتبت صوفی، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ ہیں۔ اور پیچھے لوٹ کر جائیں تو حضرت علیؓ میں باطنیت اور ظاہریت کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے لیکن آپ کا روئے سخن صرف صوفیوں تک محدود نہ تھا بلکہ اس میں اسلام قبول کرنے والے عالم لوگ بھی شامل تھے۔ ولایت و تصوف کا منبع حضرت علیؓ کو تصور کیا جاتا ہے، جس کے سوتے سرکار مدینہ ﷺ کی ذات بابرکات سے پھوٹتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو علم کا شہر اور حضرت علیؓ کو اس شہر کا دروازہ کہا تو اس علم میں علم ظاہری و باطنی دونوں شامل تھے۔ اس سے وہ فقر بھی جدا نہ تھا جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے "الفقر فخری" فرمایا تھا۔

اسلامی روایت کے عنوان سے تحریر کی جانے والی کتاب میں (جسے اردو کے قالب میں انتظار حسین نے ڈھالا) عبدالجبار ڈیز تصوف کی اس ہمہ گیر تحریک کے حوالہ سے صوفیاء کو علماء پر ترجیح کا ایک علیحدہ نکتہ پیش کرتے ہیں۔

دنیائے اسلام میں صوفیاء نے علماء کو وحی کے مافیہ پر اس طرح کی موثر اجارہ داری قائم نہیں کرنے دی۔ صوفیاء اکثر علمائے ظاہر کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن کا ایک محدود تصور رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وحی کی تہ میں جو علامتیں پنہاں ہیں ان سے وہ انکاری ہیں یا یوں کہئے کہ قرآنی الفاظ میں جو روحانی حقیقتیں پوشیدہ

ہیں انہیں یہ لوگ رد کر دیتے ہیں۔۔۔"

(اسلامی روایت: عبدالجبار ڈیز)

تلاش احسن کی یہ ہمہ گیر تحریک آٹھویں صدی میں پہنچی تو حامیان شریعت اور حامیان طریقت کے درمیان کوئی تصادم نہ تھا لیکن اموی خلافت کے زوال کے بعد جب عباسیوں کے عروج کا دور آیا تو علمائے دین اُمور مملکت کی طرف راغب ہونے لگے تھے اور پھر نویں صدی میں اسی بنیاد پر علماء اور صوفیاء کے درمیان مخاصمت و آویزش کا آغاز ہوا جس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا جو دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں منصور حلاج کے مسئلہ پر آکر اُبل پڑا تھا۔

امام غزالیؒ نے دسویں صدی کے ایک بزرگ ابو طالب مکی کی تصنیف "قوت القلوب" سے استفادہ کرتے ہوئے "احیاء علوم الدین" تحریر کی جسے شریعت و طریقت میں مفاہمت کی ایک اہم کوشش تصور کیا جاتا ہے برصغیر پاک و ہند میں جب حکومت وقت نے مختلف ادوار میں خانقاہوں کی طرف سیاسی اغراض کے لئے رجوع کیا اور اپنی مالی سرپرستی کی پیشکش کی تو ایسے شیخ طریقت نے جو دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز' سیاست کی آلائشوں سے اس نظام اور تحریک کو بچانا چاہتے تھے' کنار کشی اختیار کر لی تھی۔ اس صورت حال میں تلاش احسن کی یہ ہمہ گیر تحریک بایں معنی متاثر ہوئی کہ کہیں کہیں نام نہاد صوفیاء نے روحانیت کا لبادہ اوڑھ کر خوب دنیا کمائی۔ اور فقر و درویشی کے لئے بدنامی کا باعث بنے۔

تصوف جب تلاش احسن کی یہ ہمہ گیر تحریک بنتا ہے تو اس سارے عمل میں شیخ طریقت یا پیرو مرشد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جو اپنے زمانہ میں نمائندہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ فیض کی ان ہی صورتوں نے قرآن و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پوشیدہ پیغام کو روایتی چوکھٹے کے اندر تمام و

کمال برقرار رکھا مگر جب امتداد زمانہ سے امتوں کو غفلت آ گھیرتی ہے اور وحی کا پیغام زائل ہونے لگتا ہے تو صوفیاء فقراء کا فیضان ملت اسلامیہ کے قلوب سے زائل نہیں ہونے دیتا۔ یہی پیغام اس ہمہ گیر تحریک کا گوہر مقصود ہے' تلاش احسن ہے۔ اس تحریک کو کمزور کرنے کے لئے جدیدیت پسند مسلمان جتنی بھی تاویلات پیش کرتے ہیں سب کی سب ان مغربی سکالرز سے مستعار ہوتی ہیں جن کے خیال میں تصوف اسلام میں باہر سے داخل ہونے والی کوئی چیز ہے۔ یہ حضرات اسلامی تصوف کے ڈانڈے ہندو مت' عیسائیت' نو افلاطونیت سے ملانے کی ناکام سعی و کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند سے باہر نظر دوڑائیں تو یہ تحریک شمالی افریقہ میں شاذلیہ سلسلہ کے ذریعہ پھیلی' ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ سے' وسطی ایشیاء میں نقشبندیہ سلسلہ کے ذریعہ اور قادریہ سلسلہ نے مغربی افریقہ سے چین تک تصوف کو تلاش احسن کی تلاش میں ایک ہمہ گیر تحریک کے طور پر جاری رکھا ہے۔ سوڈان' دمشق' شام' مصر' ترکی اور مراکش میں صوفیاء نے اس تحریک کو زندہ رکھ کر اشاعت دین کے لئے بڑا کام کیا ہے۔ بربروں' تاتاریوں' ترکوں' اناطولیائی باشندوں اور ملایا کے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کرنے میں ان صوفیاء نے بڑا اہم کردار ادا کیا جو کسی ایک مرکز پر نہیں رکتے تھے بلکہ سفر اختیار کر کے لاتعداد افراد کو دائرہ اسلام میں داخل کر رہے تھے۔ چین میں اس تحریک کے حوالہ سے ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں خنسہ کا ذکر بطور خاص کیا ہے جہاں ایک ایسا زاویہ تھا جس کا نام عثمانیہ تھا' اس میں صوفیاء کی ایک پوری جماعت مقیم تھی۔ ماضی میں نصف صدی پیچھے لوٹ کر جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ مصر میں ۱۹۵۲ء کے انقلاب کے بعد جامعات کی سطح پر نوجوان طلبہ تصوف کی طرف زیادہ مائل ہوئے آج بھی وہاں ذکر کی مجالس منعقد ہوتی ہیں اور یوں یہ تحریک وہاں زندہ تو ہے لیکن اس میں وہ دم خم نہیں جو ہونا چاہیئے

تھا کیونکہ انہیں کوئی ایسا رہنما و رہبر میسر نہیں جو اس سلسلے میں ان کی رہنمائی کر سکے۔ ۱۹۵۰ء میں الجیریا میں اس تحریک کے ثمرات یوں سامنے آئے کہ پانچ لاکھ افراد تین اہم سلسلوں میں رحمانیہ (خلوتیہ)' شاذلیہ اور قادریہ سے وابستہ ہوئے۔ اب تو مزید پچاس برس گزر چکے ہیں یقیناً اس تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہو گا۔

اناطولیہ میں عہد سلجوق بڑا اہم تھا کیونکہ تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک نے اسلامی تہذیب کے پھلنے پھولنے کے اس عہد میں بڑا کام کیا تھا۔ ۱۳ویں صدی میں خصوصاً منگولوں کے حملوں کے دوران صوفیاء نے وسطی ایشیاء سے کثیر تعداد میں اناطولیہ کا رخ کیا تھا۔

سترویں اور اٹھارویں صدی میں خانقاہوں کی ایک نئی قسم زیارت وجود میں آئی۔ یہ زاویوں سے بھی چھوٹے مقامات تھے جہاں ایک سلسلہ سے وابستہ لوگ کسی پیرو مرشد' ہادی و رہنما سے آ کر ملتے' تجدید تعلیمات کے تجربہ سے گزرتے اور وہاں مقیم ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ بیعت کے بعد یہاں سے لوٹنے والوں کی دنیا بدل دی گئی ہوتی ہے۔ مقصد حیات کے اسرار و رموز کھل جاتے ہیں۔ فکر آخرت دامن گیر ہو کر مرضی مولا زہمہ اولیٰ کا فراموش شدہ سبق یاد کرا دیا گیا ہوتا ہے۔ زندگی گزارنے کا قرینہ آ جاتا ہے۔ کسی فقیر' صوفی' مرد قلندر کا دامن تھامنے والا اگر آجر ہو تو اجیر سے اس کا برتاؤ بدل جاتا ہے' تاجر ہے تو تجارت کے اصول بدل جاتے ہیں' باپ ہے تو بچوں سے معاملہ اور طرح کا ہو جاتا ہے' ہمسایہ ہے تو ہمسائیگی کے بھولے ہوئے حقوق یاد آ جاتے ہیں انسانوں سے تو کیا اب تو پالتو جانوروں تک سے وہ محبت' رحم اور مہربانی سے پیش آنے لگتا ہے۔ دیکھنے والوں کو حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ کسی سلسلے سے وابستگی کے بعد لوگوں کی زندگی میں فوری تبدیلی آ جاتی ہے یہاں تک کہ مدرسہ و کالج کی تعلیم حاصل نہ کر سکنے

والے انسان بھی تصوف کی زبان بولنے لگتے ہیں' وہ اصطلاحات جو خالصتاً فقر کی اصطلاحات ہیں اور بڑے پڑھے لکھے حضرات کے لئے بھی ثقیل اور مشکل ہوتی ہیں' یہ لوگ ان اصطلاحات کی تفہیم میں ذرا بھی دقت محسوس نہیں کرتے۔ جہاں کہیں کسی تبدیلی کے آثار دور دور تک نظر نہ آئیں وہاں پیرو مرید دونوں کو اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہو گی۔

راہ حق کی اس تحریک میں حضرت امام غزالیؒ پر جو اُمور منکشف ہوئے ان کا ذکر وہ اس طرح فرماتے ہیں:

"راہ حق میں مجھ پر ایسے اُمور منکشف ہوئے جن کا احاطہ میرے لئے ممکن نہیں۔ البتہ میرا یہ یقین ایمان بن گیا ہے کہ صوفیاء ہی کا گروہ وہ گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر گامزن ہے ان کی سیرتیں تمام لوگوں کی سیرتوں سے بہتر ہیں اور کے اخلاق سب سے زیادہ خوبصورت ہیں بلکہ اگر تمام عقلندوں کی عقل اور حکماء کی حکمت اور علماء کے علم کو جمع کیا جائے تاکہ صوفیاء کی سیرت و اخلاق میں کوئی تبدیلی پیدا کی جا سکے اور اس کی طرز اخلاق اور حسن سیرت کے مقابلہ میں کوئی نمونہ پیش کیا جائے تو یہ بات ناممکن ہو گی اس لئے ان کے ظاہر و باطن سے صادر ہونے والی ہر شے نور نبوت سے ماخوذ ہے اور نور نبوت سے بہتر کوئی اور نور نہیں جس سے کسب فیض کیا جائے۔۔۔"

تصوف صدیوں سے تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک کے طور پر اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کے طفیل زندہ تابندہ ہے جنہوں نے اس کام کے لئے اپنی اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ اس طویل عرصہ میں تصوف پر دور انحطاط بھی کئی بار آیا جس سے یہ تحریک بھی متاثر ہوئی لیکن وہ عرصہ گزر گیا اور یہ تحریک

پہلے سے زیادہ کامیابی کے ساتھ آگے بڑھی۔ ایسے ہی ایک دور کا ذکر حضرت داتا گنج بخشؒ نے "کشف المحجوب" میں کسی بزرگ کی سیاہ پوشی کے حوالہ سے یوں فرمایا ہے:

"ایک بے علم مدعی فقیر نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ حضرت آپ نے سیاہ پوشی کیوں اختیار فرما لی ہے۔ آپ نے جواب دیا: حضور ﷺ تین چیزیں چھوڑ گئے تھے: فقر، علم، شمشیر، شمشیر تو سلاطین نے لے لی مگر اس کے موقعہ و محل پر اسے استعمال نہ کیا۔ علم علماء نے اختیار کیا مگر اسے پڑھنے پڑھانے تک ختم کر دیا۔ فقر فقراء نے اختیار کر لیا مگر اسے آلہ غناو حصول مال بنا لیا۔ میں نے ان تینوں کے غم میں سیاہ پوشی اختیار کر لی ہے۔"

بیسویں صدی میں تصوف۔ تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک کے حوالہ سے پاکستان میں ابتلا و امتحان کے دور سے بھی گزرا اور دنیا جو اب سمٹ کر گلوبل ویلج بن گئی ہے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دور دراز کے ملکوں تک بھی یہ تحریک پھیلی۔

اس صدی کے آخری نصف حصے میں اس تحریک نے ایشیاء و افریقہ سے امریکہ اور یورپ کا رخ کیا۔ اشاعت دین کا کام بھی ہوا جس کے نتیجے میں بہت سے نومسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور تصوف کے مختلف سلسلوں کے بزرگوں نے ان بیشمار نوجوانوں کو ذکر الٰہی کی لذت سے سرشار کیا جس سے ذکر کے حلقوں میں امریکہ اور یورپ کے کئی ملکوں خصوصاً انگلستان میں اضافہ ہوا۔ راقم نے تین چار سال قبل برطانیہ میں ایسے کئی حلقے دیکھے ان میں شرکت کی اور ایسے نوجوانوں سے ملا جو مادر وطن میں رہنے والے نوجوانوں کی نسبت بہتر باعمل مسلمان تھے۔

بیسویں صدی کا ذکر آتے ہی ذہن میں کئی ایسی محافل میلاد کی یاد تازہ

ہو جاتی ہے جن میں ملک کے نامور نعت خوانوں نے آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت نچھاور کئے وہ اپنا ہدیہ عقیدت مدحت رسول مقبول ﷺ کے ذریعہ پیش کرتے ہیں جس کا اظہار مختلف نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس صدی کے آخری دو عشروں میں ایسی محفلوں کا انعقاد عام ہو گیا ہے جن کا دائرہ وطن سے بیرون وطن تک پھیل گیا ہے بظاہر تو یہ محفل میلاد رسول اللہ ﷺ ہوتی ہے جو ذکر محبوب خدا شاہ مرسلاں حضرت محمد ﷺ سے آراستہ کی گئی ہو مگر جس کی کیفیات اور قلبی وارداتیں وقتی و عارضی نہیں ہوتیں بلکہ عشق مصطفیٰ ﷺ کی حدت و گرمی شرکائے محفل میں سے بہت سے خوش نصیبوں کے دلوں کو روشن و منور کر دیتی ہے۔۔۔ ان میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور عشق رسول ﷺ و عشق رب دو جہاں سے سرشار یہ نوجوان تصوف کی اس ہمہ گیر تحریک میں شامل ہو کر تلاش احسن میں اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی شریک کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ جو احباب مذکورہ محفلوں کو سجانے کا اہتمام کرتے ہیں' وہ لائق تحسین ہیں اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی
مرشد من میرے وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر ہر رگے ہر جائی ہو

(ترجمہ): اللہ چنبیلی کی بوٹی من میں میرے مرشد نے ہی لگائی ہُو
نفی اثبات کا پانی ملا تو رگ رگ میں لہرائی ہُو
خیال گزرا ایسے دل بھی کس قدر خوش نصیب انسانوں کے ہوتے ہوں گے جن کو چنبے کی یہ بوٹی میسر آجائے۔ آج کے سیمینار میں میرے مقالے کے

عنوان میں جس ”تلاش احسن“ کا ذکر ہے وہ یقیناً یہی چنبیے دی بوٹی ہے جس کا ذکر سلطان العارفین نے فرمایا ہے مگر اسے مرشد کے ساتھ مشروط فرما دیا ہے۔ آیئے سب مل کر صمیم قلب سے دعا کریں کہ ہم میں سے وہ احباب جنہیں مرشد کامل کی تلاش و جستجو ہے انہیں کوئی ایسا مرشد و ہادی نصیب ہو جائے جو یہ کام سرانجام فرما دے۔ (آمین)

کتابیات

۱۔ اسلامی تصوف اور اقبال:۔ ڈاکٹر ابو سعید نور الدین۔ اقبال اکادمی' لاہور
۲۔ کشف المحجوب:۔ شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ لاہور
۳۔ اشارات فریدی' مقابیس المجالس (ملفوظات حضرت خواجہ غلام فریدؒ)
مرتبہ: مولانا رکن الدین' ترجمہ:۔ الحاج واحد بخش سیال چشتی صابری'
الفیصل ناشران کتب' لاہور
۴۔ مہر منیر (سوانح حضرت سید و پیر مہر علی شاہؒ) مولانا فیض احمد' پاکستان
انٹرنیشنل پرنٹرز' لاہور
۵۔ سنابل نور:۔ سید ریاض حسین شاہ۔ گنج شکر پرنٹرز' لاہور
۶۔ فیوض غوث یزدانی ترجمہ الفتح الربانی:۔ محبوب سبحانی حضرت شیخ سید
عبدالقادر جیلانیؒ
ترجمہ:۔ مولانا مفتی محمد ابراہیم قدری بدایونی' مطبوعہ' لاہور
۷۔ مسئلہ وحدت الوجود اور اقبال ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم' بزم اقبال' لاہور
۸۔ اسلامی روایت۔ مصنف:۔ عبدالجبار ڈیز مترجم:۔ انتظار حسین' ادارہ
ثقافت اسلامیہ' لاہور۔
۹۔ سر تسلیم خم ہے:۔ (ترجمہ سٹر گلنگ ٹو سرینڈر:۔ جیفرے لینگ)
مترجم ڈاکٹر تصدق حسین راجا
مکتبہ دانیال حیدر راجا۔ A/۱۱۴ سٹریٹ ۵۵' جی ۱۰/۳ اسلام آباد سال
اشاعت اول: ۱۹۹۶ء
۱۰۔ The Sufi Orders in Islam J.Spencer Trimingham,London
۱۱۔ The Sufis by Idries Shah,New York(USA)

۱۲۔ Fragrance of Sufism,Muhammad Mahmood. Ali Qutbi Royal Book Company, Karachi.

۱۳۔ Striggling to Surrender (Some impressions of an American convert to Islam)by Jafrey Lang Amana Publications,Beltsvilla,Maryland, USA.

۱۴۔ اردو ترجمہ "ابیات باھوؒ" مترجم:۔ عبدالمجید بھٹی
ناشر:۔ انجمن ترقی / اردو۔ کراچی

تصوف کیا ہے؟

ڈاکٹر ضیاء الحق یوسف زئی
چیئرمین شعبہ عربی
نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف
ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد

"تصوف کیا ہے"

ڈاکٹر ضیاء الحق یوسف زئی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ والصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ٥

تصوف کا موضوع انتہائی اہمیت کا حامل ہوتے ہوئے بھی' ہر دور میں کم علم اور کج رو ناقدین کا تختہ مشق بنا رہا اور یوں یہ گوہر نایاب' دین میں اپنی مرکزی اہمیت رکھتے ہوئے بھی' شکوک و شبہات کی تند و تیز ہواؤں کی زد میں رہا' لیکن ہر دور میں اس موضوع کی اہمیت پہچاننے والے' اولیاء کرام اور علمائے حق نے' اس کا دفاع کیا اور بھٹکتی ہوئی' بے راہ' نفسانی اور شیطانی نرغے میں پھنسی ہوئی' اور بلکتی ہوئی انسانیت کی اصلاح اور رشد و ہدائت کے لئے اس اکسیر کو کامیابی سے استعمال کیا اور یوں انسانیت کی تاریخ میں ایک ایسے سنہرے باب کا اضافہ کیا' جو تاقیامت تشنگان علم و عرفان کے لئے ایک اُبلتے ہوئے میٹھے اور ٹھنڈے چشمہ کا کام دے گا۔

تصوف کیا ہے؟ دین اسلام میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ تصوف نے زمانہ نبوت کے بعد کس طرح اپنا تسلسل قائم رکھا؟ اہل حق نے اس شمع علم و عرفان کو کس طرح تند و تیز آندھیوں سے بچایا؟ تصوف کے بارے میں شکوک و شبہات کیوں پھیلے اس کے کیا عوامل تھے۔ موجودہ خانقاہی نظام اور روحانی

مراکز کی مزید بہتری اور اصلاح کے لئے چند تجاویز کیا ہیں؟۔

''تصوف کیا ہے؟''

تصوف کی دین اسلام میں حیثیت کے تعین سے پہلے' لفظ تصوف کی لغوی اور صرفی تشریح تصوف کی دینی حیثیت کے تعین میں کافی مدد فراہم کرتی ہے' لفظ تصوف کی لغوی تشریح میں علماء نے مختلف نظریات پیش کیئے ہیں: ا۔ تصوف کا اصل صفا ہے جس کا معنی ہے ''صاف کرنا' گندگی کو دور کرنا اور آلودگی سے بچنا'' ۲۔ تصوف کے لفظ کا تعلق صحابہ کرام ؓ کے اس مخصوص گروہ سے ہے جن کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے اور جنہوں نے دنیا کی زندگی اور آرائشوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور مسجد نبوی ﷺ میں ایک مخصوص چبوترہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا' وہ رات دن تعلیم دین اور تزکیہ نفس میں مشغول رہتے تھے۔ لہٰذا تصوف کا معنی ہے اصحاب صفہ جیسا طرز عمل اور طرز زندگی اپنانا۔ ۳۔ تصوف کا اصل صوف ہے۔ صوف اون اور موٹے کھردرے کپڑے کو کہتے ہیں۔ یہ لباس ایک درویشانہ زندگی کی علامت ہے جس میں دنیا سے بے رغبتی اور نفس کشی کی غمازی ہے' لہٰذا تصوف کا مفہوم یہ ہوا' ''صوف کا لباس زیب تن کر کے آسائش دنیا سے بے اعتنائی کا اظہار کرنا'' ان مذکورہ نظریات کو جب لغوی اور صوتی ترازو میں پرکھا جائے تو صفا اور صفہ والی تشریح میں حروف اصلیہ (Redicals) بالترتیب ص۔ف۔و اور ص۔ف۔ف جن کا تصوف کے حروف اصلیہ یعنی۔ ص۔و۔ف سے بنیادی اختلاف ہے۔ حروف اصلیہ کے اختلاف کی موجودگی میں تصوف کو صفا اور صفہ کے اصل سے ملانا ایک بہت بڑی لغوی غلطی ہے۔ البتہ تیسرے نظریہ یعنی ''تصوف کا اصل صوف'' ہے۔ جس میں کوئی لغوی قباحت نہیں دکھائی دیتی۔ لفظ تصوف سے متعلق ان مختلف نظریات سے گزرنے کے بعد میرے دل میں

اضطراب پیدا ہوا' میرا ضمیر مطمئن نہ تھا' میں نے لفظ تصوف کو لغوی اور صرفی اعتبار سے نہایت ہی غور و فکر سے دیکھنے کی بار بار کوشش کی۔ جو بات میری سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ "تصوف" تفعل کا وزن ہے اور مصدر ہے تفعل کے مصدر کی معنوی خصوصیات میں تکلف اور ناگواری کی خصوصیت کافی نمایاں ہوتی ہے۔ اس لئے تصوف کا معنی "ناگواری طبیعت اور مشقت و بوجھ کو برداشت کر کے صوف زیب تن و من کرنا" لیکن کیا صوف سے مراد یہاں اونی اور موٹے کھردرے کپڑے ہیں؟ یہ بات محل فکر ہے! لفظ صوف' ص کی بجائے س' یعنی سوف سے ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کا معنی ہے حکمت و دانش "Wisdom" اہل یونان' حکمت و دانش رکھنے والوں کو "فیلا سوف" کہتے تھے جس میں فیلا کا معنی محب اور عاشق کے ہیں اور سوف کا معنی حکمت لہٰذا فیلا سوف کا معنی حکمت و دانش کا عاشق اور اس سے محبت رکھنے والا' جب یونانی فلسفہ نے دوسری صدی ہجری میں عالم اسلام کا رخ کیا اور یونانی حکمت و فلسفہ کو مسلم دانشمندوں نے اپنانا شروع کیا اور اسلامی عقائد اور یونانی فلسفہ میں گٹھ جوڑ شروع کیا تو ان کی اس علیحدہ شان کو ظاہر کرنے کے لئے فیلا سوف کا لفظ استعمال ہونے لگا۔ یونانی فلسفہ کے اس بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو روکنے کے لئے دوسری صدی ہجری میں اہل حق نے قرآن و سنت کی حکمت کو اُجاگر کیا اور حکمت یونانی کا توڑ قرآن و حدیث سے کیا۔ قرآن و حدیث میں حکمت کا لفظ بار بار استعمال ہوا ہے۔ اور قرآن و سنت میں حکمت سے جو مفہوم اُبھر کر ظاہر ہوتا ہے ذوق ایمان' حلاوت ایمان اور ایمانی کیفیات ہیں جن سے نفس کا تزکیہ اور روح کی بالیدگی اور ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ حکمت کو یونانی زبان میں سوف کہتے تھے۔ اس طرح اہل حق نے جو قرآن و سنت کی حکمت کو اُجاگر کرنے میں مشغول تھے اپنے آپ کو صوفی یعنی قرآن و حدیث کی حکمت والا کہتے تھے۔ وہ ایمانی کیفیات جو کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں حکمت ہیں ان

کو اپنے اندر پیدا کرنا اور ان کے لئے ریاضت' مجاہدہ' محاسبہ ذکر الٰہی اور ذات الٰہی میں غور و تدبر کرنے کو تصوف کہا جاتا ہے۔ اور تصوف اور صوفی کی اصطلاح دوسری صدی ہجری میں استعمال ہونے لگی ۔ پہلا شخص جس کے لئے صوفی کا لفظ بولا گیا بغداد کے ایک اہل حق عالم درویش الشیخ ابوالھاشم" المتوفی ۱۵۰ھ تھے جو کہ اپنے وقت کے عظیم عالم صوفی ابراھیم بن ادھم" المتوفی ۱۶۱ھ کے ہم عصر تھے۔

(معالم الھدی الی فھم الاسلام : دکتور۔ مروان ابراھیم القیسی' جامعہ یرموک اربد۔ الاردن۔ ۱۴۰۶۔۱۹۸۵)

تصوف اور صوفی کا لفظ حقیقت میں ص کی بجائے س سے ہے اور یہ یونانی لفظ سوف جس کا معنی حکمت و دانش ہے سے متعلق ہیں لیکن عربی میں ص اور س کے حروف کا ابدال لفظ میں بیشتر معنی کی تفریق نہیں کرتا جیسے یسدون اور یصدون' سد اور صد اور میسطر اور مصیطر وغیرہ' اس طرف یہ متسوف اور سوفی کا لفظ بعد میں س کی بجائے ص سے استعمال ہونے لگا۔ اور صوفی سے مراد ایمانی کیفیات کا حامل انسان یعنی قرآن و سنت کی حکمت اور تصوف سے مراد ایمانی کیفیات پیدا کرنے کے لئے نفس کو' جسم کو انتہائی مشقت میں ڈالنا ہے۔ تصوف اور صوفی کی اصطلاح دوسری صدی ہجری میں استعمال ہوئی یہ ایک جدید اصطلاح بدعت لغوی ہے اصطلاح میں بدعت یا انوکھے پن کا استعمال اچھی چیز ہے۔ حضرت عمر" نے "کتاب" کے لفظ کو جو اس زمانے میں کتاب آخر یعنی قرآن کے لئے استعمال کیا جاتا تھا' حضرت ابوبکر" کے صدقات کے مجموعہ احکام کو کتاب الصدقات کے نام سے موسوم کرنے پر فرمایا "نعمة البدعة" تصوف اپنے مفہوم کے اعتبار سے حکمت قرآن و حدیث کا دوسرا نام ہے اور دین اسلام میں بدعت کا اضافہ نہیں لیکن تصوف اور صوفی کی اصطلاح دوسری صدی ہجری میں ایک مستحسن اور اچھی انوکھی اصطلاح ہے

جس کو اہل حق نے حکمت قرآن اور حاملین حکمت قرآن و حدیث کے لئے اپنایا۔

تصوف کی دین اسلام میں حیثیت

تصوف کے مفہوم کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے سے تصوف کی دین اسلام میں اہمیت واضح ہوتی ہے۔ کائنات آب و گل میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو کہ قرآن و حدیث کا موضوع ہے اپنا نائب اور خلیفہ بنایا۔ کائنات اپنے پورے نظام کے ساتھ انسان کی خدمت پوری کر رہی ہے۔ قرآن و حدیث نے انسان جو کہ ان کا اصل موضوع اور کائنات کا مرکزی نقطہ ہے' کے تخلیقی مقصد کو ان الفاظ میں واضح کیا' وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (القرآن)

"انسان اور جن کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے۔" کونسی عبادت؟ صرف شکلی عبادت جو بے جان ہو' جو عادۃً پوری کی جائے جو روح عبودیت سے خالی ہو' جس کا ایمانی کیفیات سے دور کا بھی تعلق نہ ہو' نہیں ہرگز نہیں' ایسی عبادت کائنات کے مرکزی نقطہ کا تخلیقی مقصد نہیں ہو سکتی' پھر کونسی عبادت؟ قرآن خود اس کا جواب دیتا ہے۔

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ (القرآن)

انسان کو صرف ایسی عبادت کا حکم دیا گیا جس میں اخلاص ہو اور شعور ہو۔

انسان کی تخلیق کا مقصد شعوری عبادت ہے جو کہ عبدیت کے چشمہ سے پیدا ہو۔ جس میں انسان کو اپنی ذات کی کمزوری' بے بضاعتی' بے مائیگی اور معبود کی ذات کے کمال اور لامتناہی اوصات پر عین الیقین ہو' اور انسان کا تعلق اپنے خالق سے ہر لحہ' مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جائے یہاں تک کہ اس کی عبادتیں اور قربانیاں' اس کا جینا اور مرنا سب کا سب صرف اور صرف

معبود کے لئے ہو۔ انسان پوری طرح یکسو ہو کر اپنی ہر عبادت کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بنائے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

یہ مقام عبدیت جس سے انسان کی عبادت ایک شعوری رنگ لیتی ہے ایک ایسی چیز ہے جس میں مدارج کا تفاوت ہے۔ انسان مقام عبدیت کی منازل طے کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی محبت اور دشمنی' دینا اور روکنا اور ہر عمل معبود کی خاطر ہوتا ہے یہ انسان کے لئے عبدیت کی معراج ہے۔ جس سے وہ اپنی شعوری عبادت کی حلاوت محسوس کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا:۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدْ اِسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (الحدیث)

دوسرے لفظوں میں شعوری عبادت انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعویٰ کرتا ہے۔ محبت کے اس دعویٰ کا ثبوت کیا ہے؟ انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعویٰ کا عملی ثبوت کیا دے سکتا ہے؟ قرآن و حدیث نے اس معاملہ میں بھی نہایت واضح رہنمائی کی۔

ارشاد ربانی ہے:۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ؀

اللہ تعالیٰ سے محبت کا ثبوت حضرت محمد ﷺ کی اتباع ہے۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی انسان کے لئے کامل نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار آپ ﷺ کی مکمل اتباع میں ہی ہے۔ آپ ﷺ کے طریقہ زندگی پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کا مستحق اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بن سکتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ هٰذَا سَبِيْلِي اَدْعُوْ اِلَى اللّٰهِ (القرآن)

علماء جیومیٹری نے دریافت کیا ہے کہ ایک نقطہ کے گرد تین سو ساٹھ زاویے بن سکتے ہیں اور ان میں ایک ہی سیدھا خط نکل سکتا ہے۔ یہ ایک سیدھا خط ہی سیدھا راستہ ہے باقی زاویوں والے سارے راستے ٹیڑھے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:۔ کہ وہ ایک سیدھا راستہ جو انسان کو اپنے معبود سے ملاتا ہے وہ محمد ﷺ کا راستہ ہے۔

یہی وہ راستہ ہے جس پر ابوبکرؓ چلے، عمرؓ چلے، عثمانؓ چلے، علیؓ چلے، حسنؓ چلے، حسینؓ چلے اور تمام صحابہؓ چلے، جس پر فقہائے کرام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ چلے جس پر اولیاء عظام شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، مجدد الف ثانیؒ شیخ ھجویریؒ اور فرید الدین گنج شکرؒ چلے۔

میرے یہاں تک بیان سے جو چیزیں واضح ہوئیں وہ یہ ہیں:

(۱)۔ انسان کی تخلیق کا مقصد شعوری عبادت

(۲)۔ شعوری عبادت اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہونے کی نشانی ہے۔

(۳)۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعویٰ کا ثبوت محمد ﷺ کا مکمل اتباع ہے۔

محمد ﷺ کا مکمل اتباع آپ ﷺ کے پیش کردہ دین یا طریقہ زندگی پر عمل کرنا ہے: اب ہم نے دیکھنا ہے کہ قرآن و حدیث میں آپ ﷺ کا دین اور طریقہ زندگی کیا ہے؟

آپ ﷺ کے دین یا طریقہ زندگی کے تین شعبے ہیں:

۱۔ ایمانیات / عقائد (Creed)

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، وحی و رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ جیسی غیر شہود غیبی حقیقتوں کے متعلق آپ ﷺ نے جو کچھ بھی بتایا اس کی سچے دل سے تصدیق کرنا۔ اس شعبہ میں ان تمام مغیبات پر ایمان لانا ضروری ہے جن پر آپ ﷺ نے ایمان لانے کی دعوت دی۔ یہ

شعبہ بہت اہم ہے اور باقی دو شعبوں کی اساس و بنیاد ہے۔ اس شعبہ کے بغیر کسی عمل اور فعل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قیمت نہیں۔

۲۔ شریعت / اعمال (Divine path / way of life)

اس شعبہ میں دین کا وہ عملی حصہ ہے جس کا تعلق جوارح سے ہے' جس میں عبادات (بشمول ہجرت' جہاد اور تبلیغ) معاملات اور اخلاقیات یا آداب معاشرت داخل ہیں۔ یہ شعبہ دین کا عملی نظام ہے اور عملی زندگی پر دین کے اس شعبہ کی حکمرانی ہے۔

۳۔ روحانیت / کیفیات قلبیہ (Spirtul values)

اس شعبہ میں دین کا وہ حصہ ہے جس کا تعلق قلب اور روح سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور خشیت' اللہ تعالیٰ پر یقین کامل' مکمل اعتماد اور توکل' احسان اور اخلاص وغیرہ روحانی و قلبی کیفیات اس شعبہ دین میں شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے جیسے عقائد اور اعمال کے شعبوں میں اپنی تعلیم اور عملی نمونہ سے رہنمائی فرمائی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے روحانیت کے شعبہ میں بھی اُمت کے لئے اعلیٰ معیاری نمونہ چھوڑا ہے۔ تقریباً تمام کتب احادیث میں متعدد صحابہ کرام ؓ سے ایک نہایت اہم حدیث مروی ہے جس میں پورے دین کا خلاصہ بیان کیا گیا یہ حدیث حدیث جبرائیل علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے' حدیث کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ ایک اجنبی خاص شان سے آیا۔ آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا۔ پوچھا محمد ﷺ ایمان کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ایمان اللہ تعالیٰ' فرشتوں' کتابوں' رسولوں' آخرت اور تقدیر الٰہی پر ایمان لانا ہے۔

پھر پوچھا محمد ﷺ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواباً اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ذکر کیئے۔

تیسرا سوال کیا اے محمد ﷺ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ احسان اس کیفیت قلبی کا نام ہے جس کیفیت کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت، بندگی، شعوری طور پر کی جاتی ہے، عابد عبدیت کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ عبادت قال سے حال میں بدل جاتی ہے۔ ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ جب سائل چلا گیا آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا یہ جبرائیل امین تھے جو مکالمہ کے ذریعے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

اس مشہور حدیث میں آپ ﷺ نے پہلے شعبہ کو ایمان، دوسرے کو اسلام اور تیسرے کو احسان سے تعبیر کیا اور آخر میں ان تینوں شعبوں کے مجموعے کو دین کہا۔ اِنَّهٗ جِبْرَائِیْل جَاءَ لِیُعَلِّمَکُمْ دِیْنَکُمْ

تصوف دین کے اس تیسرے شعبہ کا نام ہے۔ اور یہ اتنا اہم شعبہ ہے کہ عقائد اور اعمال صالحہ کی حلاوت اس شعبہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی شعبہ کی وجہ سے ایمان دل میں رچ بس جاتا ہے، ذوق ایمان پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا شعوری تصور پیدا ہوتا ہے۔ جب تک اس شعبہ دین پر عمل نہیں ہو گا اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے بھی حلاوۃ ایمان سے محرومی رہے گی۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (القرآن)

قرآن کریم میں جا بجا ان قلبی کیفیات پر زور دیا گیا، سورۃ بقرۃ، انفال، المومنون، زمر، آل عمران اور مزمل میں ان قلبی کیفیات کا ذکر ہے:۔

(ا)۔ اہل ایمان کے دل میں ہر چیز سے زیادہ اللہ سے محبت ہوتی ہے۔

(وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ) (البقرہ)

(۲)۔ ان کے دل کی کیفیت ہوتی ہے کہ جب اللہ کا ذکر آ جائے تو اپنی عبدیت کے احساس میں ان کے دل میں خوف و لرزش پیدا ہو جاتی ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ

اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ آیَاتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ)

اور جب آیات الٰہی سنتے ہیں تو روحوں میں نور ایمان میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

(۳)۔ اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور توکل ان کی زندگی کا واحد سہارا ہے۔

(۴)۔ وہ ہر وقت اللہ کی عظیم قدرت سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔

(۵)۔ ان کے دل ہر وقت اور ہر حال میں یاد الٰہی سے معمور ہوتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَقُعُوْدًا وَعَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔

(۶)۔ قرآن کی تلاوت سنتے ہوئے ان کے جسم کانپ جاتے ہیں۔ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ)

(۷)۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ان پر اتنا غالب ہوتا ہے کہ نیکی کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ نیکی قبول نہیں ہوگی۔

(۸)۔ ہر طرف سے منقطع ہو کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہونا ان کا مقصود ہوتا ہے۔ (وَاذْکُرِاسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا)

تصوف کا شعبہ دین میں شریعت کی روح اور جان ہے، جسم کو روح سے جدا نہیں کیا جا سکتا ورنہ جسم زندہ نہیں رہ سکتا، تصوف قرآن و حدیث کی روشنی میں دین کی شریعت والے شعبہ سے کوئی الگ چیز نہیں، شریعت کے بغیر تصوف کا کوئی وجود نہیں۔ شریعت اور تصوف یعنی طریقت کے باہمی تعلق سے ایک حقیقی صوفی جنم لیتا ہے۔

تصوف میں زمانہ نبوت کے بعد کس طرح تسلسل رہا

رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی دین کے مذکورہ تینوں شعبوں کی جامع تھی اور آپ ﷺ کے زمانہ میں عقائد اور اعمال کی طرح قلبی

کیفیات بھی آپ ﷺ کی صحبت سے حاصل ہو جاتی تھیں اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ کی صحبتوں اور مجالس میں بھی فیضان نبوت کی تاثیر تھی لیکن بعد میں ماحول کے بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہو جانے کی وجہ سے اس مقصد کے لئے صحبت کافی نہ رہی تو دین کے ان شعبوں میں نائبین نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اور دین کے ان تینوں شعبوں کو قلمبند کرنے کے لئے آئمہ عقائد' فقہاء کرام اور صوفیاء عظام پیدا ہوئے۔ جس طرح آئمہ عقائد اور فقہاء کرام نے دین کے پہلے دو شعبوں کی خدمت کی اسی طرح صوفیائے کرام نے دین کے تیسرے شعبہ کی خدمت کر کے اُمت پر بہت بڑا احسان کیا۔ انہوں نے ان قلبی کیفیات کے لئے خود تحصیل و اکتساب کیا اور پھر دوسروں کی اس میدان میں رہنمائی کی' یہ قلبی کیفیات کتابیں اور مقالے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ اس کے لئے اولیاء کرام کی صحبت و رفاقت اور تربیت بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر ان کا صحیح ادراک اور اکتساب بڑی حد تک ناممکن ہے۔ فیضان نبوت سے دوری اور بعد زمانی کی وجہ سے مادی اقدار نے دوبارہ انسان کو اپنے شکنجے میں جکڑنا شروع کر دیا۔ روحانی کیفیات غائب ہوتی گئیں اخلاقی اقدار پستی اور زوال کا شکار ہونے لگیں' اسلامی روحانیت کو ہر طرف سے ہندو' بدھ' عیسائی زرتشت اور افلاطونی روحانیت نے گھیرے میں لینا شروع کر دیا تو ہمارے روحانی اسلاف نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ جہاد کیا اور اسلامی روحانیت اور شریعت محمدی کو ایک ساتھ ایسا وابستہ کیا کہ جس میں طریقت' شریعت کی خادمہ ہے اور دونوں کا مقصود رضائے حق ہے یہ دین سے پہلو چھڑانے کے لئے نہیں بلکہ دین کے کاموں میں قوت پیدا کرنے کے لئے کیا گیا اور اس طریق کار پر انسان جتنا آگے بڑھے گا فنافی رضائے الٰہی کے بلند ترین مقصد تک پہنچے گا جو مقام عبدیت کے لئے اعلیٰ انعام ہے۔ اور ہمارے اسلاف نے دین و دنیا میں کامل توازن کا حقیقت

پسندانہ نقطۂ نظر پیش کیا جس میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط بلکہ اعتدال کی راہ پر گامزن ہونے کا درس ہے۔ اور اس تصوف کو غلط ثابت کیا کہ اسلامی روحانیت بھی دیگر روحانیت کی طرف ترک دنیا' رہبانیت اور گوشہ نشینی کا نام ہے' اسلامی روحانیت میں دنیا کو ترک کر کے پس پشت نہیں ڈالا جاتا بلکہ دنیا کے اندر گھس کر اس کی حقیقت کو پایا جاتا ہے۔

اسلامی روحانیت میں دنیا اور دنیا کی نعمتوں سے انسان کا تعلق صرف یہ ہے کہ انسان دنیا سے اپنی عاقبت سنوارنے میں مدد لیں' دنیا میں ہر ترقی' ہر نعمت' ہر آسائش انسان کے لئے ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی انسان کا مقصود نہ بنے' انسان اس دنیا میں مسافر ہے اور مسافر راستے کی ہر چیز سے فائدہ اُٹھاتا ہے لیکن اس کی نگاہ ہمہ وقت منزل پر رہتی ہے سفر کے دوران ملنے والی نعمتوں اور آسائشوں کے پیچھے اس طرح ہرگز نہ پڑے کہ وہ اپنی منزل بھول جائے اور سفر ہی کو منزل سمجھ بیٹھے اسلامی روحانیت کا مرکزی نقطہ ہی یہ ہے کہ دنیا کے اندر گھس کر اس کی حقیقت معلوم کی جائے اور نفس کے پہلے گناہوں سے پاکی اور تخلیہ کیا جائے اور پھر نیکیوں سے اس کا تحلیہ اور تزئین کی جائے' یہی اسلامی روحانیت کی وہ امتیازی خاصیت ہے جو دیگر مذاہب کی روحانیت میں نہیں ملتی۔ قرآن کریم نے اسلامی روحانیت کی اس امتیازی شان کو بار بار تزکیہ نفس سے تعبیر کیا۔ عربی میں تزکیہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تطہیر یعنی پاک صاف کرنا دوسرا تنمیہ یعنی نشوونما دینا بڑھانا اور ترقی دینا' پس تزکیہ نفس کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ نفس کو بری صفات سے پاک کیا جائے جو کہ تخلیہ نفس ہے اور اچھی صفات سے اس کی آبیاری اور نشوونما کی جائے جو کہ تحلیہ نفس ہے۔ اسلامی روحانیت تزکیہ نفس سے ایسے انسان تیار کرنا چاہتی ہے جو فرداً فرداً پہلے اندر کی سرکش قوتوں سے لڑے اور خالص اللہ تعالیٰ کی بندگی میں آئے اور پھر ایک منظم گروہ کی شکل میں اصطلاح کفر کے

خلاف سینہ سپر ہو کر اعلائے کلمہ اللہ کے لئے کام کرے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اَلَى الْخَيْرِ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (القرآن)

اگر ہم رسالت مآب ﷺ کے بعد اُمت مسلمہ کے تبلیغ دین اور اعلائے کلمتہ اللہ کے کارناموں پر حقیقت پسندانہ نظر ڈالیں تو دو حقیقتوں سے انکار کی ہمارے پاس کوئی گنجائش نہیں مسلمانوں میں جو جماعت سب سے زیادہ تبلیغ دین الٰہی میں ذوق و شوق سے سرگرم رہی وہ صوفیائے کرام کی جماعت ہے۔ متحدہ ہندوستاں کے تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ صوفیائے کرام کے بے نظیر استقلال نے متحدہ ہندوستان میں اسلام کی روشنیوں کو پھیلایا۔ راجپوتانہ میں خواجہ معین الدین چشتیؒ ' دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ' پنجاب میں فرید الدین گنج شکرؒ ' حضرت علی ھجویریؒ اور بہاوٗ الدین زکریا ملتانیؒ ' بہاولپور اور مشرق سندھ میں سید جلال بخاریؒ ' اندرون سندھ میں حضرت سید یوسف الدینؒ اور شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کچھ اور گجرات کاٹھیہ واڑ میں امام شاہ پیرانویؒ بنگال میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ آسام میں شیخ جلال الدین فارسیؒ ' کشمیر میں بلبل شاہؒ اور سید علی ھمدانیؒ ' خواجہ غلام محی الدین غزنویؒ ' دکن میں پیر مہابیرؒ اور مدراس میں سید نثار شاہؒ نے اسلام کی شمع روشن کی۔ کفر کے خلاف ہر مجاہدانہ تحریک کے پیچھے صوفیائے کرام تھے انہوں نے حلقہ مجاہدین میں اسلامی روحانیت سے یقین و محبت کی روح پھونکی اور مجاہدین میں تعلق باللہ ' اعتماد علی اللہ اور قوت ایمانی پیدا کی ' روحانی قوت جتنی مضبوط ہو گی اتنا ہی شوق شہادت بیدار ہو گا اور جہاد کی تکمیل ہو گی۔

☆ اکبر کے دور میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے طاغونی قوتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔

☆ فرانسیسیوں کے خلاف الجزائر میں امیر عبدالقادرؒ نے جہاد کی روح پھونکی۔

☆ داغستان میں روسیوں کے خلاف نقشبندی صوفیاء نے مجاہدین کی قوت ایمانی کو سہارا دیا۔

☆ لیبیا اور سوڈان میں السید السنوی اور عمر مختار جیسے عظیم صوفیاء نے مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف تحریکوں میں صوفیائے کرام ہی صف اول میں تھے۔

المختصر رسالت مآب ﷺ کے بعد دین اسلام کے تحفظ کے لئے اصلاحی تحریکیں ہوں یا مجاہدانہ دونوں میں صوفیاء کرام کی جماعت نے صف اول میں رہ کر تسلسل سے دین اسلام کا تحفظ کیا' اور عالم اسلام کی کشتی کو بھنور سے نکالنے کے لئے سعی پیہم کی۔ ان نفوس قدسیہ نے رسالت مآب ﷺ کی اصلاحی اور مجاہدانہ زندگی کے دونوں پہلوؤں کو آج تک اس خوش اسلوبی سے نبھایا جس کا انکار آج تک کوئی غیر متعصب مورخ اور مستشرق بھی نہ کرسکا۔

تصوف کے بارے میں شکوک و شبہات اور اس کے عوامل

آج کے اس مادہ پرست سائنسی دور میں اسلام کے روحانی شعبہ یعنی تصوف کو اُجاگر کرنے کی بہت ضرورت ہے اس میں شک نہیں کہ جب تک اسلام کا یہ روحانی شعبہ قرآن و حدیث کے صحیح خطوط پر استوار تھا اس میں ایسی ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں جن کے واقعات ناقابل یقین حد تک حیران کن تھے۔ اگر ہم ان کے واقعات سے موجود سائنسی ترقی کا موازنہ کریں تو آج کی یہ سائنسی ترقی کمال تک پہنچنے کے باوجود بھی معمول دکھائی دیتی ہے۔ ان ہستیوں نے اپنے خاص طرز زندگی سے شریعت پر عمل کرتے ہوئے روحانیت کا وہ مقام حاصل کیا جس سے ایسی بے اندازہ ماورائی قوتیں اپنے اندر پیدا کیں

جن کا تصور بھی مادی سائنسی دان اپنے ذہن میں نہیں لا سکتا لیکن زمانہ کی تغیرات کی لپیٹ میں آکر جب یہ اسلام کا روحانی طبقہ قرآن و حدیث کے فلسفہ اور طریقہ کار سے دور ہو گیا' اپنے مقصد سے دور ہو گیا' اور مشرکانہ اعمال اس میں خلط ملط ہو گئے' شریعت سے یکسر جدا کر دیا گیا' اور جگہ جگہ پر اس کا قرآن و حدیث سے تصادم ہونے لگا تو اسلام کے اس اہم شعبہ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہونا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ اصحاب الظواہر نے اس شعبہ کی اصلاح کرنے کے بجائے' اس اہم شعبہ سے ہی انکار کر دیا اور اس کو دین میں اضافہ قرار دیا جانے لگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مروجہ تصوف میں قابل اعتراض مواد موجود ہے جس کی اصلاح بہت ضروری ہے لیکن اس قابل اعتراض مواد کی بنیاد پر اسلامی تصوف جس کو قرآن و حدیث میں دین کے ایک اہم شعبہ کی حیثیت حاصل ہے رد کرنا اور اس کو دین میں ایک اضافہ قرار دینا اسلام کے خلاف غیر مسلموں کی ایک بہت بڑی سازش ہے' تاکہ اُمت مسلمہ سے شعوری عبادت جو کہ اس کا طرہ امتیاز ہے ختم کر دی جائے۔ اور یوں ان کو قوت ایمانی سے خالی کر دیا جائے وہ قوت ایمانی جس کا منتہاء شوق شہادت اور جذبہ جہاد ہے۔ یہ ایک سازش ہے جس میں ہمارے بہت سے اہل علم نادانستہ طور پر شریک ہیں۔ اگر ہم اسرائیلی روایات کی موجودگی میں فن تفسیر کو' موضوع احادیث کی موجودگی میں فن حدیث کو اور مرجوح اور تبدیل شدہ مسائل کی بنا پر فن فقہ کو رد نہیں کرتے تو یہ حق ہمیں کہاں سے حاصل ہو گیا کہ مروجہ تصوف کے غلط مواد اور مزاروں' خانقاہوں پر عملی اور نادانستہ طور پر غلط کاموں کی وجہ سے اسلامی روحانیت کا انکار کر دیا جائے اور بزرگان دین کی پاکیزہ ہستیوں پر کیچڑ اُچھالا جائے!

اسلام کا یہ اہم شعبہ اپنے فلسفہ اور طریقہ کار میں قرآن و حدیث سے

کیوں دور ہوا اور اس میں غلط مواد کیسے آیا' اس کی چند وجوہات یہ ہیں:

۱۔ اسلامی شعبہ روحانیات میں الہیات سے متعلق یونانی فلسفہ' اشراق' افلاطونی افکار' اخوان الصفا اور معتزلہ کی تاویلات فاطمی اسماعیلیوں کے عقائد' بدھ مت' ہندو مت اور زرتشتی روحانیات کی مشرکانہ آمیزش اور عیسائیت کی رہبانیت کے تصورات داخل ہو گئے' جس کی وجہ سے نام نہاد صوفیاء کے ہاں شریعت بے اعتنائی کا شکار ہوئی۔

۲۔ شریعت سے بے اعتنائی کی وجہ سے مروجہ تصوف' تعطل' بے عملی' حالات سے شکست خوردگی اور میدان جہاد سے فرار کا نام بن گیا۔

۳۔ مروجہ تصوف میں اصلاح کے لئے ایسے صاحب علم لوگوں کو آگے کرنا چاہیئے تھا جو کہ شریعت پر مکمل دسترس رکھتے ہوں۔ جو قرآن و حدیث سے خوب واقف ہوں' جو اس قابل ہوں کہ انسانیت کی دین کے ہر شعبہ میں یعنی عقائد' اعمال اور روحانیت میں صحیح رہنمائی کر سکتے لیکن افسوس کی بات ہے کہ دین کے ہر شعبہ اور خاص طور پر روحانیت کے شعبہ میں اس قدر بے اعتنائی برتی جاتی ہے اور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں اس کی زمام کار دی جاتی ہے جو اگرچہ مخلص بھی ہوں لیکن ان میں وہ کامل استعداد نہیں ہوتی جو اعلیٰ نتائج دے سکے۔ کاش اس شعبہ روحانیت کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی جو دین سے مکمل روشناس ہوتے اس کی عملی مثال ہمارے سامنے نیریاں شریف کا روحانی مرکز ہے جس کی قیادت اور باگ ڈور ایک ایسے عالم دین حضرت علاؤ الدین صدیقی دامت فیوفہم کے ہاتھ میں ہے جو ایک متبحر عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ روحانیت کے شعبہ میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ اگر اُمت مسلمہ میں روحانیت کے مراکز' نیریاں شریف کے اس روحانی مرکز کی تقلید کرتے ہوئے قدم آگے بڑھائیں تو اسلامی روحانیت کے یہ مراکز پھر سے صحابہ کرام ؓ' تابعین اور تبع تابعین ؒ کی روحانیت لا سکتے ہیں۔

۴۔ مادہ پرستی نے جب دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا تو اس سے روحانیت کے مراکز بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان میں اخلاص اور للہیت ماند پڑتی گئی جو کہ اسلامی روحانیت کی معراج ہے' مقصدیت سے دوری ہوتی گئی' ان مراکز میں وہ روح نہ رہی جس کا منتہاء رضائے الٰہی ہے جس میں قدم قدم پر کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول ﷺ کی اتباع کی تاکید ہے۔ وہ حلاوۃ ایمانی نہ رہی جس کی حسن بصریؒ' ابراھیم بن ادھمؒ' فضیل بن عیاضؒ' معروف کرخیؒ' بشر حافیؒ' شفیق بلخیؒ' جنید بغدادیؒ' بایزید بسطامیؒ' سھل تستریؒ' ابوطالب مکیؒ' شیخ عبدالقادر جیلانیؒ' غزالی و رومی مجدد الف ثانیؒ' فرید الدین گنج شکرؒ' شیخ علی ہجویریؒ' حاجی امداد اللہؒ' مہاجر مکی غلامؒ' محی الدین غزنویؒ' اور دیگر اولیائے کرامؒ نے نشاندہی کی تھی' ان مراکز میں تعلق باللہ کم سے کم تر ہوتا گیا۔ نتیجتاً ان مراکز میں اسلام کی حقیقی روحانیت یا تو سرے سے مٹ گئی یا کم از کم غیر شرعی اور مشرکانہ اعمال میں دھندلا گئی۔

اگر آج ہم ان مراکز کی اصلاح چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ مراکز روحانی دوبارہ وہ فعال کردار ادا کریں جو کہ ماضی میں تھا اور یہ مراکز دوبارہ نور محمدی کی ضیاء پاشیوں سے ہماری تاریک دنیا میں اُجالا کریں تو اس کا واحد طریقہ شریعت کی اتباع میں ایمانی کیفیات کا پیدا کرنا ہے۔

صوفیائے کرام کی تعلیمات کے چند اقتباسات

۱۔ دین اسلام کے تین حصے ہیں۔

۱۔ علم ۲۔ عمل ۳۔ اخلاص

یہ تین اجزاء متحقق ہوں تو دین قائم ہوتا ہے' دین میں ہر جزء کا مقصود رضائے حق ہے اور یہ اس وقت ہی ممکن ہے جب روحانی مراکز شریعت کے

خادم ہوں۔ روحانی مراکز میں وہ طریقے جو تقلید سخت سے الگ ہو کر اختیار کیئے جائیں وہ گمراہی میں اضافہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ (جلد اول۔ مکتوب مجدد الف ثانی دو صد و بست و یکم)

۲۔ قلب کا حال آئینہ کی طرح ہے۔ آئینہ زنگ آلود ہو جائے تو پیشاب سے بھی صاف ہوتا ہے اور عرق گلاب سے بھی، لیکن فرق صرف نجاست اور طہارت کا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صفائی قلب معتبر ہے جو شریعت پر چل کر روحانی کیفیات سے حاصل ہو۔ اس لئے طریقت شریعت کی خادم ہے۔ مصلح صوفی اور ولی اللہ کی پہچان اتباع شریعت ہے۔ جو مصلح متبع شریعت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہے اور جو متبدع ہے وہ محض بے ہودہ ہے۔ اس لئے روحانی مراکز میں جو جہلاء یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے یہ محض ان کی دین اسلام کی روح سمجھنے میں کم فہمی ہے۔

(حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، رجوم المذنبین)

۳۔ اولیاء کرام اور صوفیائے عظام کی کرامت برحق ہے۔ کرامت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ کرامت حسی یعنی اللہ تعالیٰ کسی ولی کے سبب کوئی خارق عادت بات ظاہر کر دے۔

۲۔ کرامت معنوی یہ شریعت کی پابندی اور اس پر استقامت کا نام ہے کوئی ولی یا صوفی شریعت کی پابندی اور استقامت کے بغیر ولی اور صوفی نہیں ہو سکتا۔

(اکتساب روحانی۔ حضرت میاں عبدالحکیم کاکڑی قندھاری ؒ ص۔۱۰)

۴۔ ہر صوفی، عالم اور متبع شریعت ہوتا ہے لیکن ہر عالم صوفی نہیں ہوتا۔ صوفی زمین کی مانند ہے جس پر ناپاک چیزیں پھینکی جاتی ہیں لیکن جتنی چیزیں اس میں سے نکلتی ہیں وہ نفیس اور پاک ہوتی ہیں تصوف ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ

سے بے نام رہی اس کو ایک نام بنا کر بے حقیقت نہیں بنانا چاہیئے۔
(شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش ؒ)

۵۔ میرا دل بے چین تھا' میری روح مضطرب تھی' میرا دماغ سکوں سے محروم تھا' میرے عمل میں لاکھوں خامیاں تھیں' میری فطرت کی کمزوریاں قدم قدم پر مجھے مرضات الٰہی سے روک رہی تھیں' میں نے سچے دل سے اللہ وحدہ لا شریک لہ کو اپنا معبود بنایا۔ میں نے اپنے دل کو شرک کے شائبہ سے پاک کیا' میں نے ایمانی کیفیات پر پوری توجہ دی اور اپنے دل کے آئینے کو ولی کامل کے ارشادات کے مطابق غبار سے صاف کیا' میرے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود بنی' میرا مقصد دلی یہ بنا کہ میرے عمل سے اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے اور میرے لئے ایسا کام کرنا جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذرہ بھر بھی شائبہ ہو ایک کوہ گراں سے کم نہ تھا' اس طرز عمل کو میں نے نہایت سختی سے برقرار رکھا' اس طرز عمل پر استقامت میرے لئے کوئی آسان کام نہ تھا ہر قدم پر مجھے دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑا' اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق' اتباع شریعت اور میرے مرشد کی اصلاح اور فیضان کا نتیجہ تھا۔

اب میرے دل میں مکمل سکون ہے' میری روح پوری طرح مطمئن ہے' جو شکست کھانے اور غیر اللہ کے آگے جھکنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی' میرے حوصلوں میں ایک نئی قوت پرواز اور میرے عزائم میں ایک خاص قوت شباب محسوس ہو رہی ہے' اب میرا اصلی اور حقیقی سہارا اسباب نہیں مسبب الاسباب بن گیا'

یہ سب کیا ہے؟ تبدیلی کیسی آئی؟ مسلمان تو میں پہلے بھی تھا' میرا عقیدہ بھی مسلمان والا تھا' میں ظاہری شریعت پر بھی عمل کرتا تھا' وہ کونسی چیز ہے جس سے میں پہلے محروم تھا جس کے آنے کے بعد میری زندگی بدل گئی۔ تجسس بسیار کے بعد معلوم ہوا کہ میں دین کے ایک اہم شعبہ سے محروم تھا' جس کی

طرف میرا دھیان نہ تھا' جس سے میں محروم تھا' جب اس شعبہ کو میں نے ایک ولی کامل کی تربیت سے اپنایا تو میرا ایمان مکمل ہوا' مجھے ایمان کی حلاوت نصیب ہوئی اور میرا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوا ایسا تعلق جس سے میری عبادت ایک شعوری عبادت بنی' مجھے اپنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا شعوری احساس ہوا' اب میری روح ہر وقت ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی تعلق کی غذا کی قوت سے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے' میری بصارت اب بصیرت میں تبدیل ہو رہی ہے' میری آنکھوں کی روشنی نور میں بدل رہی ہے' اب جب جاگتا ہوں تو اس تعلق باللہ میں مشغول ہوتا ہے اور میری روح تعلق باللہ کی غذا کو مسلسل حاصل کرتی رہتی ہے۔ اب میں رسالت مآب ﷺ کی اس حدیث کو خوب سمجھ سکتا ہو۔ اِنِّیْ اَبِیْتُ وَلِی مُطْعِمٌ یُطْعِمُنِیْ وَسَاقٍ یَسْقِیْنِی (میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔

اب مجھے ابو الانبیاء و الصوفیاء ابراہیم علیہ السلام کے دربار ایزدی میں پیش کردہ کلمات کی پوری سمجھ آنے لگی۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ' اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

(ایک گمنام صوفی کی آپ بیتی)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

کتابیات

روحانیت اسلام:۔ مولانا الحاج (کپتان) واحد بخش سیال چشتی صابری: ایم۔ایس پرنٹرز دربار مارکیٹ لاہور۔۔۔(اشاعت چہارم رجب ۱۴۱۱ء۔

--حال سفر (از فرش تا عرش):۔ باغ حسین کمال: فرینڈز پرنٹرز جہلم: طبع اول: مئی ۱۹۸۷ء: طبع دوم اپریل ۱۹۹۴ء

--عالم اسلام کی روحانی صورت حال:۔ اسرار عالم : طباعت : ٹپ انٹرپرائزز' نئی دہلی۔ ۲: طبع اول ۱۹۹۵ء

--اسلامی فلسفہ زندگی:۔ پروفیسر محمد طاہر القادری: امپرنٹ لاہور: طباعت پنجم: اپریل ۱۹۸۶ء

--دین و شریعت:۔ مولانا محمد منظور نعمانی: لکھنؤ: طباعت جدیدۃ : ۱۴ فروری ۱۹۸۴ء

--الربانیہ:۔ مولانا وحید الدین خان: المطبعتہ العربیتہ : پرانی انار کلی: لاہور' ۱۹ اپریل ۱۹۹۱ء

--انسانیت کا امتیاز:۔ مولانا قاری محمد طیب: شرکت پرنٹنگ پریس: لاہور' دسمبر ۱۹۷۶ء

--دینیات:۔ ابو الاعلی المودودی:۔ ناشر الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمات الطلابیتہ: گیری انڈیانا' امریکہ ۱۹۷۰ء

--شعور حیات:۔ محمد یوسف اصلاحی: آداب پرنٹرز: لاہور پہلا ایڈیشن ۱۱ اپریل ۱۹۸۶ء

--تصوف اور تعمیر سیرت:۔ عاصم نعمانی: اللہ والا پرنٹرز لاہور: طباعت ثانی ۱۹۷۷ء

--تاریخ فلفہ یونان:۔ نعیم احمد: منظور پرنٹنگ پریس لاہور : دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۱ء

--حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات:۔ محمد اسحاق ملتانی: ناشرادارہ تالیفات اشرافیہ ملتان: شعبان ۱۴۱۰ء

--اسلامی زندگی---مولانا وحید الدین خان المطبعة العربية
پرانی انار کلی لاہور ۱۴ فروری ۱۹۸۰ء

--روحانیت اسلام اور سائنس---خادم حسین تارڑ۔ تارڑ پبلی کیشنز
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

--اسلام اور عصر حاضر۔ مولانا وحید الدین خان المكتبة الاشرفية
فیروز پور روڈ لاہور

--مخزن اخلاق۔ مولانا رحمت اللہ سبحانی لودیانوی' کتابستان
پبلشنگ کمیٹی اردو بازار لاہور انیسواں ایڈیشن ۱۹۶۱ء

--لطائف علمية اردو ترجمہ کتاب الاذکیاء۔ امام ابن جوزی
طباعت احمد پرنٹنگ کارپوریشن کراچی ۱۴۱۳ء

--شریعت اور عشق' کرنل محمد انور مدنی' کرم پبلی کیشنز
سرکلر روڈ لاہور طبع دوم ۱۹۹۷ء

--تصوف کیا ہے؟ محمد منظور نعمانی' نامی پریس لکھنؤ
پہلا ایڈیشن ۱۹۵۲ء

--معالم الهدى إلى فهم الاسلام--دکتور مروان ابراہیم القیسی
جامعہ یرموک اربد۔ الاردن ۱۹۸۵ء

تصوف کی ماہیت

پروفیسر یوسف شیدائی
پرنسپل (ریٹائرڈ)
گورنمنٹ کالج بھائی پھیرو

تصوف کی ماہیت

پروفیسر یوسف شیدائی

علامہ اقبالؒ نے کہا تھا

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا
ہیں بحر خودی میں کئی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے

تصوف انسان کو یہی ضرب کلیمی عطا کرتا ہے۔ یہ ایک خاص کیفیت شعور اور ایک منفرد طرز حیات سے عبارت ہے۔ یہ انسانی انا کے جزیرے کو حقیقت کے بحر ناپیدا کنار سے آشنا کرنے کی ایک روش کا نام ہے۔

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن بہ اعماق حیات
فاش می گوئی اگر اسرار دیں

جز بہ اعماق ضمیر خود مبیں
بندہ تا حق را نہ بیند آشکار
برنمی آید ز جبر و اختیار

ظواہر حقیقت اور ماورائے حقیقت میں کوئی خلیج حائل نہیں۔ فقط نگاہ کی پستی انسان کو دھوکے میں مبتلا رکھتی ہے۔

ہے دیر و حرم آئینہ تکرار تمنا
واماندگی شوق تراشے ہے پناہیں

ہمہ گیر وسعت نظر کی بدولت سطحی امتیازات تحلیل ہوتے چلے جاتے ہیں حقیقت کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار ہوتا ہے تو چیزوں کو دیکھنے کا انداز ہی تبدیل ہو جاتا ہے۔

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

اہل نظر کو کوئی بھی منزل ایسی نہیں ملتی جسے منزل مقصود قرار دیا جاسکے۔

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے اُدھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

گویا تصوف نام ہے ایک استعداد کا جو مخصوص افراد ہی میں پروان چڑھتی ہے۔ جیسے ہر فرد شاعر نہیں ہو سکتا اسی طرح ہر فرد تصوف کے اعلیٰ مرتبے پر فائز نہیں ہو سکتا۔

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس میں سے خود گزرے بغیر اس کی حقیقت اور ماہیت کا عرفان ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ نکتہ ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے کہ تصوف خالصتاً اسلامی اصطلاح ہے لیکن یہ رجحان صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں۔ یہ بنی نوع انسان کی ایک مشترک میراث ہے۔ تمام ادیان میں اس کی اساس موجود ہے۔ اسے بالعموم سریت یا مسٹزم کہا جاتا ہے۔ تمام زمانوں اور ملکوں میں اس رجحان کے علمبردار ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

مسلمان اہل تصوف نے اسے ایک مخصوص آہنگ عطا کیا ہے جس کے باعث اسے ایک جداگانہ مقام میسر آیا ہے۔ اس کے ڈانڈے اسلام کے نظریہ توحید سے ملے ہوئے ہیں۔ اس کا بنیادی موقف یہ ہے کہ ہر علم ہر عمل کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن' صرف ظاہر ہی میں اُلجھ کر نہیں رہ جانا چاہیئے بلکہ باطنی اسرار تک رسائی حاصل کرنے کی تگ و دو میں ہمہ تن مشغول رہنا چاہیئے۔ جیسے جیسے نقاب اُٹھتے چلے جاتے ہیں انسان قرب الٰہی کی سرمستیوں سے سرشار ہوتا چلا جاتا ہے۔ دوستی کا یہ سفر انسان کے اندر ایسی صفات پیدا کرتا ہے جو اسے حزن' یاس اور خوف جیسی مہلک بیماریوں سے نجات دلاتی ہیں۔ حرص و آز کے چنگل سے چھڑاتی ہیں۔ محدود سے لامحدود تک لے جاتی ہیں۔ اور اس وسیلے سے انسان کو وسعت نظر فراہم کرتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں

پہنچ کر انسان نور خداوندی سے مستنیر ہو جاتا ہے اور اسی مرتبے پر پہنچے ہوئے شخص کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" یہ مرتبہ یونہی حاصل نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ نفس امارہ کے تقاضوں سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگنا ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی کے حصول کی سعی و جہد میں ترغیبات سے کنارہ کشی کرنا ہوتی ہے۔ کچھ ضابطوں کو اپنے اوپر پوری رضا و رغبت کے ساتھ لاگو کرنا ہوتا ہے۔

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اخلاص اور پورے اعتماد کے ساتھ لا کے تمام مرحلوں میں سے آگے بڑھتے ہوئے الا کی منزل مراد تک پہنچنا ہوتا ہے۔ گویا صوفی وہ ہے جو صفائے باطن کے اس رتبے پر فائز ہو جو دین کا مقصود و مطلوب ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا و کارساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی اُمیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب' اس کی نگہ دل نواز

اسلامی تصوف کی اساس خود قرآن حکیم اور احادیث رسول اکرم

ﷺ میں موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لفظ تصوف بعد میں رائج ہوا۔ اصل اہمیت معانی کی ہوتی ہے۔ الفاظ تو وقت کی پیداوار ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر نماز' روزہ جیسے الفاظ قرآن اور احادیث میں کہیں نہیں آئے مگر اب صلوٰۃ اور صوم کی جگہ پر مستعمل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے لئے صوفی کا لفظ سب سے پہلے ابوہاشم نے اختیار کیا جس کا تعلق عہد بنوامیہ سے تھا قرآنی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال لے۔ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھے۔ نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھے' نوع انسانی کی خیر خواہی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے' اپنے ذہن و قلب کو نفرتوں اور کدورتوں سے پاک اور صاف رکھے۔ یہی باتیں صوفیاء کی تعلیمات کی روح ہیں۔

دور اول کے مسلمان صوفیاء کے اقوال اور اعمال کو زیر نظر لایا جائے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان سب کا مقصد اسلام ہی کے احکام کا عملی نفاذ تھا۔ عام لوگوں کی سطح سے اُوپر جا کر اور تعلیمات اسلام کے اصل تقاضوں کی معرفت سے مالا مال ہو کر قرب خداوندی کی جستجو کرنا ان سب کا مطمع نظر تھا۔ امام حسن بصری" (م۔۷۲۸ء) ابوہاشم کوفی" (م۔۷۷۸ء) ابراہیم بن ادھم" (م۔۷۷۷ء) شفیق بلخی" (م۔ ۸۱۰ء) حارث محاسی" (م۔۸۵۷ء) رابعہ بصری" (م۔۸۰۱ء) ذوالنون مصری" (م۔۸۵۹ء) بایزید بسطامی" (م۔ ۸۷۴ء) جنید بغدادی" (م۔۹۱۰ء) جیسے صوفیاء عظام کے تذکروں سے عیاں ہے کہ وہ تمام بندگان خاص یہی کوششیں کرتے رہے کہ اسلام کا تصور توحید اپنی تمام تر نعمتوں اور رعنائیوں کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ عام لوگوں کو دنیاداری کے جھمیلوں سے نکال کر انہیں رضائے خداوندی کی جانب مائل کیا جائے۔ سیاسی انتشار' نظریاتی خلفشار اور تمدنی یلغار کا وہ عہد کس قدر خطرناک صورت حال سے دوچار تھا۔ ملوکیت اور جبر و استبداد نے کس کس

ﷺ میں موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لفظ تصوف بعد میں رائج ہوا۔ اصل اہمیت معانی کی ہوتی ہے۔ الفاظ تو وقت کی پیداوار ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر نماز' روزہ جیسے الفاظ قرآن اور احادیث میں کہیں نہیں آئے مگر اب صلوٰۃ اور صوم کی جگہ پر مستعمل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے لئے صوفی کا لفظ سب سے پہلے ابوہاشم نے اختیار کیا جس کا تعلق عہد بنوامیہ سے تھا قرآنی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال لے۔ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھے۔ نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھے' نوع انسانی کی خیر خواہی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے' اپنے ذہن و قلب کو نفرتوں اور کدورتوں سے پاک اور صاف رکھے۔ یہی باتیں صوفیاء کی تعلیمات کی روح ہیں۔

دور اول کے مسلمان صوفیاء کے اقوال اور اعمال کو زیر نظر لایا جائے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان سب کا مقصد اسلام ہی کے احکام کا عملی نفاذ تھا۔ عام لوگوں کی سطح سے اُوپر جا کر اور تعلیمات اسلام کے اصل تقاضوں کی معرفت سے مالا مال ہو کر قرب خداوندی کی جستجو کرنا ان سب کا مطمع نظر تھا۔ امام حسن بصری" (م۔۷۲۸ء) ابوہاشم کوفی" (م۔۷۷۸ء) ابراہیم بن ادھم" (م۔۷۷۷ء) شفیق بلخی" (م۔ ۸۱۰ء) حارث محاسی" (م۔۸۵۷ء) رابعہ بصری" (م۔۸۰۱ء) ذوالنون مصری" (م۔۸۵۹ء) بایزید بسطامی" (م۔ ۸۷۴ء) جنید بغدادی" (م۔۹۱۰ء) جیسے صوفیاء عظام کے تذکروں سے عیاں ہے کہ وہ تمام بندگان خاص یہی کوششیں کرتے رہے کہ اسلام کا تصور توحید اپنی تمام تر نعمتوں اور رعنائیوں کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ عام لوگوں کو دنیاداری کے جھمیلوں سے نکال کر انہیں رضائے خداوندی کی جانب مائل کیا جائے۔ سیاسی انتشار' نظریاتی خلفشار اور تمدنی یلغار کا وہ عہد کس قدر خطرناک صورت حال سے دوچار تھا۔ ملوکیت اور جبر و استبداد نے کس کس

زاویئے سے انسان کو پریشان خاطر کر رکھا تھا مگر ان صوفیائے کرام کی روح پرور تعلیمات کی بدولت اسلام کی روح برقرار رہی۔ بعد کے ادوار میں بھی اہل تصوف نے ایمان کی سلامتی اور انسان کی حقیقی فلاح کے لائحہ ہائے عمل کو جاری رکھا۔ یہ درست ہے کہ صوفیانہ تعلیمات کے اس چشمے میں کچھ خارجی رویں بھی شامل ہوتی رہیں مگر اصلاح احوال کی تحریکیں ہر دور میں اُٹھتی رہیں اور خالصتاً اسلامی تصوف کے خدوخال نمایاں ہی رہے۔ جیسے باقی تمام شعبوں میں زوال کے آثار نمودار ہوئے تصوف میں بھی غلط باتیں در آئیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کی وجہ سے خود تصوف ہی کو ہدف تنقید بنا دیا جائے۔

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتان عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں یکتا، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

علامہ اقبالؒ کے اس نوعیت کے تمام اشعار ہمیں تصوف کی اصل پاکیزہ تعلیمات سے روگردانی کے نتائج و عواقب سے ضرور آگاہ کرتے ہیں لیکن اس نقطۂ نظر کی ترویج و اشاعت نہیں کرتے کہ خود تصوف کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ ضروری ہے کہ غیراسلامی اثرات سے پاک کر کے تصوف کو خالص قرآنی اور ایمانی آہنگ دیا جائے۔
وہ فرماتے ہیں:۔

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

یہ حکمت ملکوتی' یہ علم لا ہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی' یہ مراقبے' یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حقیقی تصوف اس لحاظ سے اس امر کا مقتضی ہے کہ انسان تطہیر جذبات اور تزکیہ نفس اور توبہ و طہارت کے مراحل طے کرتے ہوئے اور صبر و توکل' استغنا' احسان' محبت' انسان دوستی' ذکر و فکر' شکر گزاری اور معرفت سے ہمکنار ہو کر راضی برضا ہو جائے۔ خبر سے آگے بڑھ کر نظر' عقل سے اوپر جا کر وجدان اور فرض سے سبکدوش ہوتے ہوئے عشق کی منزل تک رسائی حاصل کر لے۔ اپنی الوہی اساس کا عرفان ہی انسان کو ان تمام تنگناؤں سے آزاد کر سکتا ہے جن میں گھر کر وہ فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب یعنی اپنی حقیقت مطلقہ کو پہچانا۔ یہ پہچان ہی تمام امراض روحانی کا علاج ہے۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

جب یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں تو دنیا سے یہاں مراد وہ محدود نقطہ نگاہ ہے جو انسان کو عارضی لذات' سطحی مفادات اور گروہی تعصبات میں جکڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اسے ترک کرنے اور وسیع تر دائرہ نگاہ کی مدد سے ماورائی حقائق کے ساتھ رشتہ استوار کرنے سے بہت سی خرابیاں از خود مٹ جاتی ہیں۔ صوفیائے کرام نے اپنے اپنے انداز سے اسی وسعت نظر کا پرچار کیا۔ لوگوں کو مرکز توحید پر لانے کی دعوت دی' سید علی ہجویری" کی کشف المحجوب ہو یا سید عبدالقادر جیلانی" کی غنیتہ

الطالبین' مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات ہوں یا شاہ ولی اللہؒ کے فرمودات'
تمام اہل حق صوفیاء اور اولیاء اللہ کا مشن یہی رہا ہے کہ انسان کو انسانی ہستی
کے اصل مقصد سے آشنا کیا جائے اس کا تعلق مبداء ہستی کی جڑوں کے ساتھ
جوڑا جائے۔ غفلت کے پردوں کو اٹھایا جائے' فکر میں بلندی اور عمل میں نکھار
پیدا کیا جائے۔ روحانیت کو مستحکم کیا جائے۔ دیگر مذاہب کے رہنماؤں نے بھی
یہی کام کیا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کے مخصوص زاویہ نگاہ کی بدولت مسلمان
صوفیا نے یہ کام انتہائی بھرپور اور منفرد پیرائے میں سرانجام دیا ہے۔ ضروری
ہے کہ ان کی تعلیمات کو عام کیا جائے' ان کے اصل پیغام کو دنیا کے گوشے
گوشے تک پہنچایا جائے اور اس طریقے سے نوع انسانی کو مسائل و مشکلات کی
اس نار جہنم سے بچایا جائے جس میں وہ جل رہی ہے۔

علاج آتش رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم
گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیمؑ

جس طرح جسمانی بیماریوں کے علاج کی خاطر ہم ماہر اطبا کے پاس جاتے
ہیں انہیں اپنی کیفیات بتاتے ہیں جن کی روشنی میں وہ اصل مرض کی تشخیص
کرتے ہیں پھر ادویات تجویز کرتے ہیں' پرہیز بناتے ہیں' مفید مشورے دیتے
ہیں بلکہ ضرورت پڑنے پر جراحت بھی کرتے ہیں۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ
مرض پر قابو پایا جائے بالکل اسی طرح روحانی امراض کے علاج کے لئے ہمیں
اہل نظر صوفیاء کی خدمت اقدس میں جانا چاہیئے اور جن باتوں کا حکم دیں ان

باتوں کو کرنا چاہیئے۔ جیسی احتیاط ہم جسمانی صحت کے لئے طبیبوں کے انتخاب میں کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ احتیاط ہمیں روحانی صحت کے معالجوں کے چناؤ میں ملحوظ رکھنی چاہیئے۔ نیم حکیم خطرہ جان' نیم ملا خطرہ ایمان ہوتا ہے نیم صوفی خطرہ روحانیت ہو سکتا ہے۔ دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے۔ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کرنا لازم ہے۔ کوئی شخص یک لخت انجینئر یا وکیل' یا ڈاکٹر یا سپیشلسٹ نہیں بن جاتا اسے اپنے فن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے سخت محنت کرنا ہوتی ہے اسی طرح صوفی کو مختلف مقامات طے کرنا پڑتے ہیں سلوک کے کئی مرحلوں میں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ کسی مرد کامل کی صحبت فیض اور کسی مرد مومن کی نگاہ سے بہرہ یاب ہونا ہوتا ہے۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی

اولیاء کے آستانوں پر فیض کے چشمے جاری ہیں۔ جس کا جی چاہے ان چشموں سے سیراب ہو جائے۔ روحانیت کی نعمتوں سے مالا مال ہو جائے۔ اگر جعلسازوں کے دام فریب میں آئے گا تو اس کے نتائج کی ذمہ داری خود اس کی اپنی ذات پر ہو گی۔ اس نے احتیاط کیوں نہ کی۔ زر خاص کی جگہ اس نے کھوٹ کو کیوں قبول کیا۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

تصوف و مقامات تصوف

ڈاکٹر حافظ عبدالغنی شیخ 'عادل'
ڈین ورئیس شعبہ عربی و فارسی سندھ یونیورسٹی
جامشورو

"تصوف و مقامات تصوف"

ڈاکٹر حافظ عبدالغنی شیخ "عادل"

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ الرَّحمٰنُ الرَّحِیمُ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ قَاسِمِ النَّعِیمِ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (۱) اَمَّابَعْدُ فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ وَاِذَا جَآئَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اِنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْءً بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o وَ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْن ط (۲) اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ o

اللہ تبارک و تعالیٰ کے مسلسل اور پیہم احسانات رحمانی و اکرامات رحیمی، قلم و زبان کے حیطہ اختیار سے اس درجہ وراء الوراء ہیں کہ ان کا عشر عشیر بھی بیان کرنا ممکن نہیں۔ انسان بنایا' اپنے محبوب کی اُمت میں داخل فرما کر خیرالامم کا خطاب بخشا اور اس زمانہ قحط الرجال میں اپنے قرب تک پہنچنے کے لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ایسا رہنمائے سلوک عطا کیا جو اسوہ رسول پر ہو بہو کار بند اور اخلاق الٰہی سے جو بہ جو متخلق رہا۔ جس نے خود آرام نہیں فرمایا' اپنے غلاموں کو آرام پہنچایا۔ خود نہیں کھایا اپنے مریدوں کو

شکم سیر کھلایا۔ خود تکالیف اُٹھائیں اور رہروان سلوک کو آرام اور شفقت کریمانہ کے ساتھ' ساتھ پکڑ کر منزل قرب تک پہنچا دیا۔ اے اللہ برکت عطا فرما ایسے ہادی و مرشد کے درجات میں اور ہم بے دست و پا اور افتادگان راہ سلوک کو ان کے سایہ عاطفت میں زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرما۔
آمین بِجَاهِ سَیِّدِ الْاَنْبِیَاء وَالْمُرْسَلِینَ

تصوف سے علمی بیگانگی نے بعض طبائع کو روحانیت سے اتنا دور کر دیا ہے کہ مادہ پسند اذہان ایک ایسے طلسم تہور میں پھنس کر رہ گئے ہیں کہ ان کو الفاظ سے معانی' معانی سے حقائق اور حقائق سے حقیقتہ الحقائق تک پہنچنا دشوار ہو گیا ہے۔ وہ سطح سمندر کی رنگین موجوں اور گرداب و تلاطم کے پر آشوب مدو جزر سے گزر کر اس کی گہرائیوں کے پر سکون ذخائر کو تصور میں لانا بھی توہم پرستی اور مذہبی جنون سمجھنے لگے ہیں۔

دین حق کے تجزیہ سے اس کے تین شعبے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا شعبہ ایمانیات ہے جو کہ پورے دین کی اساس اور بنیاد ہے' یہی شعبہ علم العقائد کا موضوع ہے۔

دین حق کا دوسرا شعبہ اعمال صالحہ ہے جو کہ دین کا قالب اور دین کا عملی نظام ہے۔ ہماری زندگی پر دین کے اسی شعبے کی حکومت ہے' علم فقہ کا تعلق اسی شعبے سے ہے۔ دین حق کا تیسرا شعبہ کیفیات روحانیہ ہے جو کہ نہ فقط کمال دین اور کمال ایمان ہے بلکہ دین حق کا ایک مستقل اور اہم شعبہ ہے۔ روحانی' باطنی' قلبی کیفیات' ذکر الٰہی اور تصوف کا تعلق اس شعبے سے ہے۔

حضور ﷺ نے جس طرح ایمانیات اور اعمال صالحہ کے ابواب میں ہدایت و رہنمائی فرمائی ہے بالکل اسی طرح اس شعبے میں بھی آپ ﷺ نے حق تعالیٰ کی محبت' مشیت' تیقن' توکل' احسان اور اخلاص جیسی اہم ترین باطنی اور قلبی کیفیات کے متعلق اہم ہدایات اور نہایت اعلیٰ اور معیاری نمونہ

اُمت کے لئے چھوڑا ہے۔

مشہور حدیث جبرائیل علیہ السلام میں پہلے شعبے کو ایمان دوسرے کو اسلام اور تیسرے کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور آخر میں ان تینوں شعبوں کے مجموعے کو دین کہا گیا جیسا کہ بخاری و مسلم شریف میں روایت ہے کہ: اِنَّهُ جِبْرِئِیل جَاءَ لِیُعَلِّمَکُمْ دِیْنَکُمْ (۳) یعنی یہ جبرئیل تھے جو تمہیں دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔

حضور ﷺ کی ذات اقدس ان تینوں شعبوں کی جامع تھی اور حسب حیثیت و استعداد یہی جامعیت اکابر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی حاصل تھی لیکن بعد کے زمانوں میں یہ صورت باقی نہ رہی بلکہ صحابہ وارثین و نائبین یعنی تابعین و تبع تابعین اگرچہ ذاتی طور پر ان تینوں شعبوں کے حامل اور جامع ہوتے تھے لیکن اپنی اپنی صلاحیت و استعداد اور ذوق یا ماحول کے مطابق انہوں نے کسی ایک شعبے کی خدمت سے اپنا خاص تعلق رکھا۔ بعد کے قرنوں میں دین کا پھیلاؤ جس قدر بڑھتا چلا گیا ان میں ایسا ہونا ناگزیر تھا اس صورت حال اور تقسیم عمل نے خواص اُمت میں آئمہ عقائد' آئمہ حدیث' آئمہ فقہ اور صوفیائے کرام کے الگ الگ طبقے پیدا کر دیئے۔

پس جس طرح آئمہ عقائد و فقہائے نے خصوصیت کے ساتھ دین کے پہلے دو شعبوں کی خدمت و حفاظت کی اور علی ھذا جس طرح آئمہ حدیث نے احادیث کی حفاظت اور نقل و روایت کی اہم خدمت انجام دی' بالکل اسی طرح سے حضرات صوفیائے کرام نے دین کے اس تیسرے اہم شعبے کی خدمت و حفاظت اور اس باب میں رسول اکرم ﷺ کی نصرت و نیابت کی ہے۔ اس لئے اُمت مسلمہ یقیناً دین حق کے اس تکمیلی شعبہ میں طبقہ صوفیہ کی خدمات کی ممنون و محتاج ہے۔

دراصل دین کا یہی تیسرا طبقہ یعنی طبقہ صوفیہ کرام ہی ہے جو کہ

حضور ﷺ کی بتلائی ہوئی محبت و خشیت اور احسان و اخلاص کی روحانی کیفیات کی تحصیل و تکمیل اور پھر اس سلسلہ میں دوسروں کی رہنمائی اور فیض رسانی کا شغل دہراتا چلا آ رہا ہے لیکن چونکہ باطنی اور روحانی کیفیات صرف کتابیں اس سلسلے کے مقالات پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان عام ذرائع سے ان کا صحیح ادراک و علم بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کیفیات کے کسی حامل اور وارث کی صحبت' خدمت و تربیت میں رہ کر ہی کچھ علم و معرفت حاصل ہوتی ہے۔

یہی سبب ہے کہ جو لوگ اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ کتابوں اور لٹریچر کے ذریعے ہمارے پاس ہے وہی دین مکمل ہے وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اصل سے محروم رہتے ہیں۔(۴)

تزکیہ نفس اور احسان و اخلاص جیسی اعلیٰ روحانی و قلبی کیفیات حاصل کرنے کا جو صحیح نظام تصوف' ذکر الٰہی اور سلوک کے نام سے پیش کیا گیا وہ روحانیت کا ایسا علمی' عملی اور مشاہداتی راستہ ہے جو ان نظری معلومات اور یقینی و حقیقتی انکشافات تک پہنچا دیتا ہے جو ابھی تک فلسفہ اور سائنس کو اپنی تمام تر ترقیوں کے باوجود میسر نہیں۔

تصوف انسان کے باطن کو پاک و صاف اور اس کے دل کو آئینہ حق نما بناتا ہے۔ اگر ایک سالک راہ تصوف کی طرف آئے تو اس کا پہلا قدم مقام طلب پر ہو گا۔ طلب اس کو مجاہدہ کے راستے میں دوڑائے گی۔ مجاہدہ اس کے لئے طریق ہدایت کو کھول دے گا' اور اس کے دل کو توبہ سے دھو کر پاک کرے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اسے ہدایت و توبہ عطا فرمائے گا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کا خیال جملہ اطراف سے سمٹ کر مطلوب کی طرف مجتمع ہو جائے گا۔ جب خیال میں جمعیت ہو گی تو حضور نصیب ہو گا اور جب حضور میں ماسوا سے یکسوئی حاصل ہوئی تو مطلوب کی طرف سے کشش ہو گی۔ اور جب سالک مطلوب میں

جذب ہو جائے گا تو واردات غیبی اس پر وارد ہوں گے۔ اور جہاں تک اس کا مقدر ہو گا اسے رفعت تک لے جائیں گے۔ اور اس پر وہ کمالات عرفانی ظہور کریں گے جو دوسروں سے مخفی رہتے ہیں۔ جیسے جیسے جذب و واردات قوی ہوں گے مجاہدہ کی ضرورت کم ہوتی جائے گی۔

تا کہ از جانب معشوق نباشد کششے
کوشش عاشق بے چارہ بجائے نہ رسد

(جب تک معشوق کی طرف سے جذبہ و کشش نہ ہو طالب کا قدم سلوک کسی مقام تک نہیں پہنچا)

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ تم حالت جذب کی اُمید میں راہ سلوک طے کرنے کی بجائے چار زانو بیٹھ جاؤ کہ جاذبہ الٰہی خود آئے گا اور تمہیں اُٹھا کر لے جائے گا۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تم نے مراتب عشق طے کرنے سے پیشتر اپنی معشوقیت اور محبوبیت کا ادعا کیا ہے۔ اور یہ دربار محبوب حقیقی میں ادبی اور گستاخی ہے۔ اور اس کی سزا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ تمہیں راہ سلوک میں سرگردان و پریشان چھوڑ دیا جائے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم کو قالب دیا، نفس دیا، عقل دی، دل دیا، روح دی، سر دیا، خفی دیا، اور حواس ظاہری و باطنی کے ذریعہ تم پر ایک ذمہ داری عائد کی، تاکہ تم ایک ایک مرتبہ کو طے کرو۔ اگر تم نے اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا اور اس مقام تک رسائی حاصل کی جو تمہارے حیطہ اختیار میں تھی تو تمہارا قدم خود بخود رک جائے گا۔ اور جب تمہارا قدم رک گیا تو جذب الٰہی کی حد شروع ہو جائے گی۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا جذب تمہارے شامل حال ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لمحہ کی کشش کئی سال کی عبادت پر فضیلت

رکھتا ہے۔ اور جب سالک کو یہ کشش حاصل ہو جائے تو وہ بہت جلد اپنے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے اور ایسے ہی لوگ اپنے نفس کو رضائے الٰہی کے لئے فروخت کرتے ہیں اور اللہ اپنے ایسے ہی بندوں پر مہربانی فرماتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت ذات و صفات حاصل کرنا قلب مومن کا کام ہے۔ اور معرفت ذات و صفات الٰہی کے ذریعے ذات و صفات کا مشاہدہ کرنا روح کا کام ہے۔ پھر مشاہدہ ذات و صفات سے قرب و وصل تک پہنچنا سر انسانی کا کام۔ اور قرب و وصل کی لذت اور سرور سے محویت تامہ تک پہنچنا لطیفہ خفی کا کام ہے۔ پھر محویت تامہ کے ذریعہ لطیفہ اخفی مقام ذات میں فانی ہو جاتا ہے۔ پھر اصل لطائف' تجلیات' ولایت و واردات حقائق الٰہی ماشاء اللہ اس مقام تک رسائی عطا فرماتے ہیں جہاں عبدیت آثار الوہیت سے ہمکنار ہوتی ہے۔ یہاں پہنچ کر سالک کی نگاہ بصارت اپنی خودی سے اٹھ جاتی ہے اور اس کا شعور خودی انانیت مطلقہ میں گم ہو جاتا ہے۔ اب وہ شعور خودی کے لباس میں ظاہر ہو یا شعور خدا بین (مشاہدہ ذات) کے لباس میں۔ بہرحال سالک کا وجود درمیان میں حائل نہیں ہوتا۔ اسی کو مقام فنا کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ ذات مطلوب میں فانی ہو جانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان معدوم ہو جائے۔ بلکہ جب انسان اپنے شعور خودی کے زینے سے شعور خدا بین (مشاہدہ ذات) تک پہنچتا ہے اور خودی کے ساتھ اس کا شعور خودی بھی گم ہو جائے تو اس کیفیت کو اصطلاح تصوف میں فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے کو اس مقام پر زیادہ عرصہ تک نہیں روکتا بلکہ مشیت و حکمت کے مطابق اس مقام پر روکنے کے بعد واپس لوٹاتا ہے۔ اور جتنی چیزیں طالب نے وصال مطلوب کے لئے قربان کی تھیں اور ان سے اپنے شعور کو اُٹھالیا تھا' ایک ایک کر کے ان سے بہتر اور بالا تر عطا کیا جاتا ہے۔ اور بعض وہ صفات الٰہی جن کا وہ پیشتر مجاز نہ تھا' اعتباراً مجاز

بنایا جاتا ہے۔ اسی کو اصطلاح تصوف میں بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فناء و بقاء کی مثال اس طرح سمجھو کہ تم ایک آئینہ کے سامنے ہو جس میں تمہاری صورت نظر آ رہی ہے۔ اگر تم اپنی صورت محویت کے ساتھ دیکھو تو آئینہ تمہاری نگاہ سے محو ہو جاتا ہے۔ اور اگر آئینہ پر نظر جما دو تو تمہارا عکس نظر نہیں آتا۔ پس آئینہ کو نظرانداز کر کے عکس کا مشاہدہ کرنا آئینہ کی فنائیت ہے اور عکس کو نظرانداز کر کے آئینے کو دیکھنا عکس کی فنائیت ہے اور عکس کو دیکھنا عکس کی فنائیت ہے۔ اسی طرح لطائف امری ایک دوسرے کے باطن میں ہیں یعنی آئینہ دل میں آئینہ روح' اس میں سر' اس میں خفی' اس میں اخفی۔ اور سب میں اعلیٰ قدر حال انوار و تجلیات الٰہی کا ظہور ہے۔

جب ان لطائف کے آئینوں میں مشغول ہوں گے تو ان کے انوار و تجلیات نظر سے ہٹ جائیں گے۔ اور جب مشاہدہ حق میں مشغول ہوں گے تو یہ لطائف نگاہ شعور سے گر جائیں گے۔ اس لئے پہلے ان آئینوں سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ جس میں جمال الٰہی کا عکس نظر آتا ہے۔ پھر ان آئینوں کے باطن اور باطن کے باطن میں سیر مشاہداتی کرائی جاتی ہے۔ اور جب ان آئینوں میں ذوق مشاہدہ کمال کو پہنچتا ہے تو اس مشہود کو بلاواسطہ دیکھنے کی تمنا ایک ناقابل برداشت تشنگی پیدا کرتے ہیں اور تمہیں آئینوں سے نظر ہٹا کر اور اپنا منہ پھیر کر اس ذات کی طرف رخ کرنا ضروری ہو جاتا ہے جس کا عکس تم آئینوں میں دیکھتے رہے ہو۔ اگر تم جمال محبوب کے شیدائی ہو تو آئینہ سے اپنا منہ پھیر کر محبوب مطلق کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ اور تصوف کا بھی یہی کام ہے کہ تمہیں نزدیک تر راستہ سے لے جا کر محبوب کے سامنے کھڑا کر دے۔

بعض حقائق ناآشنا اور اپنے باطن سے بے خبر افراد صوفیوں کے مراقبہ' مجاہدہ اور مکاشفہ کو طنزو تمسخر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کریم کا احسن القصص یوسف زلیخا کے جنسی تعشق کے اعتبار سے احسن

القصص ہو تو ہو لیکن صوفیاء نے قرآن کریم کے احسن القصص سے اپنے باطن کے احسن المعارف کا پتہ لگایا ہے۔ ان کا خیال ہے قرآن کریم کا یہ قصہ اپنی رومانیت کی وجہ سے احسن القصص نہیں ہے بلکہ اس اعتبار سے احسن القصص ہے کہ اس میں بندہ مولا کی تعشق کا طریق اور فرار الی اللہ کی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رومانی اعتبار سے ضروری تھا کہ قرآن کریم کے الفاظ میں بی بی زلیخا کا انجام کار بھی بیان کیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

ہمارے مصر وجود میں وہی سات دروازے ہیں' جیسے ہمارا نفس (زلیخا) بند کر کے ہماری (یوسف) انسانیت کو برباد کرنا چاہتا ہے۔ یوسف انسانیت کا کام یہ ہے کہ وہ زلیخائے نفس کے ہتھکنڈوں سے چھوٹ کر دروازہ قلب کی طرف بھاگے۔ اور اس وقت تک بھاگتا رہے۔ جب تک پہلا دروازہ نہ کھل جائے۔ پہلے دروازے کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اسی طرح ساتوں دروازے کھل جائیں گے۔ ساتویں دروازے پر عزیز مصر کا وجود یعنی جناب محمد رسول ﷺ کا سامنا ہو گا' جو کچھ روز تک اپنی شریعت کے قید خانے میں بند رکھنے کے بعد بادشاہ حقیقی کے دربار میں پیش کر دیں گے۔ زلیخائے نفس سے منہ پھیرنا مراقبہ ہے اور دروازوں کی طرف بھاگنا مجاہدہ۔ اور اسی راستہ پر چلنے کو سلوک طریقت کہتے ہیں۔ جہاں تک تمہارا قدم اُٹھتا ہے بھاگو۔ جہاں رک جاؤ گے تمہارے لئے سواری آئے گی اور تم کو حرم سرائے خلوت میں پہنچا دے گی۔

آپ نے اکثر دیکھا ہو گا۔ صوفیائے کرام کی مخالفتیں کی جاتی ہیں' ان کو بدعتی کہا جاتا ہے اور ان کے ظاہری اعمال کو گمراہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ان کا کوئی کام بظاہر خلاف بھی نظر آتا ہے کہ وہ علمائے ظاہر کی طرح خشکی سے کام نہیں لیتے اور ذرا ذرا سی بات پر ناک بھوں نہیں سکیڑنے لگتے۔ مگر ان کی اس ڈھیل اور مہلت میں بھی خاص خاص حکمتیں پوشیدہ ہوتی

ہیں۔ اور سالک جیسے جیسے مقامات تصوف طے کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے ان کی شرعی اور طریقتی گرفت بھی سخت سے سخت تر ہو جاتی ہے۔ اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اس ہیبت و جلال کے ساتھ تربیت فرماتے ہیں جس کی تاب لانا دشوار ہو جاتا ہے۔

ان بزرگان دین کی تربیت میں حکمت، موعظت، نرمی، محبت، ستاریت اور عفو و بخشش ہوتی ہے۔ اگر وہ ابتدا ہی سے سختی کریں تو لوگ اللہ کی محبت سے دور ہو جائیں اور کوئی راہ حقیقت میں آنے کا نام نہ لے۔ ضد کی وجہ سے باطل مذہب کے اختیار کر لینے کی نوبت آ جاتی ہے۔

ایک مشہور محدث حضرت سفیان ثوریؒ (المتوفی:۱۶۱ھ) ابو ہاشم (صوفی اول) کے لئے فرماتے ہیں کہ:

لَوْ لَا اَبُوْهَاشِمْ اَلصُّوفِيُّ مَاعَرَفْتُ دَقَائِقَ الرِّيَآء۔ (اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتا تو میں ریاء کی باریکیاں نہ جان سکتا)۔ (۵)

امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی:۲۴۱ھ) جو کہ ایک مشہور محدث تھے وہ حمزہ بغدادی (المتوفی:۲۸۹ھ) سے جس بھی مسئلہ پر دقت ہوتی رائے لیتے تھے۔(۶)

امام شافعیؒ کا ممتاز شاگرد ابو العباسؒ بن خدیج (المتوفی: ۲۰۶ھ) نے حضرت جنید بغدادیؒ (۲۹۷ھ) کا کلام سننے کے بعد کہا کہ اس کے کلام میں اس قدر رعب و دبدبہ ہے جو ایک باطل شخص کے کلام میں نہیں ہو سکتا۔(۷)

امام نووی محی الدین یحیٰی بن شرفؒ جو کہ ایک ممتاز محدث تھے۔ (المتوفی: ۶۳۱ھ) ان کو جب بھی اپنی تصنیف میں درج کرنے کے لئے کسی بات میں دقت پیش آتی تھی تو اپنے شیخ پیر مراکشیؒ کی طرف رجوع کرتے تھے اور بعد تحقیق شیخ درج کرتے تھے۔ (۸)

عبدالوہاب شعرانیؒ کے پیر علی الخوصؒ اُمی تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا۔ اس کے باوجود جب قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ کے معانی پر گفتگو

کرتے تو بڑے بڑے علماء بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

کوئی فقیر رسول ﷺ کی اتباع میں اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک ہر مشروع عمل میں آنحضرت ﷺ ان کی نگاہ میں نہ ہوں اور اپنے تمام امور میں کھانا' لباس' جماع اور دخول و خروج میں آنحضرت ﷺ سے اذن حاصل نہ کرلے۔ پس جس نے ایسا کیا وہ صحبت نبوی ﷺ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شریک ہو گیا۔(۹)

جس صوفی کا یہ حال ہو کہ وہ بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح آسمان شریعت کا ستارہ بن چکا ہو۔ جس کی اقتداء عین ہدایت اور عین نجات ہو۔ اس لئے کہ جب ہر فعل میں خواہ وہ ادنیٰ ہو خواہ وہ اعلیٰ اس کی نظر سنت نبوی ﷺ پر ٹھہری اور وہاں سے اجازت حاصل کرنے کے بعد عمل کیا تو وہاں غلطی کا احتمال کہاں رہا۔ لہٰذا ان بزرگان دین کے ظاہری اقوال و الفاظ کو لے کر ان پر فتویٰ لگانا کہاں تک مناسب و روا ہے۔

آخر میں اس عاجز کی دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو مرتبہ اعلیٰ ولایت تک رسائی عطا فرمائے اور سب سالکان راہ کو منزل مقصود پر پہنچائے۔ نور بصیرت' فتح کبیر اور حضرت نبی کریم ﷺ کی معیت نصیب فرمائے۔

الٰہی اپنے حبیب کے وسیلے سے ہماری جان' ہمارے وجود اور ہمارے ظاہر و باطن کو اپنے حفظ و امان میں لے لے۔ محبت و معرفت خود عطا فرما۔ خاتمہ پر ایمان کامل فرما۔ آمین۔

یَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ آمِیْنَا

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ صَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَلْفَائِزِیْنَ بِنَیْلِ الْمَقْصُوْدِ o

حوالہ جات

۱۔ اَلتَّوْبَۃَ:۱۲۸

۲۔ اَلْاَنْعَامَ:۵۵۔۵۴

۳۔ متفق علیہ:

۴۔ مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی گجرات، مقامات تصوف، ص:۲۵۔۲۴، یونیورسل بکس، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

۵۔ نفحات الانس:۳۲۔۳۱

۶۔ لوائح الانوار: ۱ :۴ اور رسالہ قشیریہ:۲۶

۷۔ رسالہ قشیریہ:۱۹۸ اور لوائح الانوار: ۱ :۴

۸۔ الانوار القدسیہ: ۱ :۴۶

۹۔ لوائح الانوار: ۲ :۱۳۷، اور مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔

کتابیات

نوٹ:۔ اس مقالہ کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب اور آڈیو کیسٹس سے بھی استفادہ کیا گیا:

۱۔ سیدنا احمد سعید نقشبندی مجددی"

اربع انہاد (مترجمہ) اشاعت اول ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء، کراچی۔

۲۔ سیدنا شاہ محمد ولی النبی نقشبندی رامپوری" بیاض حذب البحر، ثم حسیب النبی" ابن مولانا شاہ ولی النبی" سول اینڈ ملٹری پریس کراچی، ۱۳۷۸ھ۔

۳۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن جان، خزینۂ معارف (اردو ترجمہ ابریز)، ناشران قرآن، لاہور۔

۴۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، امداد السلوک، کراچی۔
۵۔ مولانا سید زوار حسین شاہ، عمدہ سلوک، کراچی، ۱۹۸۲ء۔
۶۔ مولانا محمد خلیل خان برکاتی" سنی بہشتی زیور (کامل)۔ فرید بک سٹال، لاہور، ۱۹۸۵ء۔
۷۔ علامہ محمد نور بخش توکلی، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، فضل نور اکیڈمی، چک سادہ شریف (گجرات)
۸۔ پیر صبغۃ مینائی مصطفائی، دور اول ۱۹۶۰ء حیدر آباد۔
۹۔ قیوم زماں سندی و مرشدی شیخ منظور حسن سندھی مدنی"

تصوف اور حقیقت تصوف

ڈاکٹر دل محمد ساجد
لیکچرار عربی / اسلامیات
گورنمنٹ کالج پلندری
آزاد کشمیر

تصوف اور حقیقت تصوف

ڈاکٹر دل محمد ساجد

کسی بھی لفظ کی حقیقت، معنی و مفہوم جاننے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ لفظ جس زبان سے ماخوذ ہے اسکی لغت میں اس کا حقیقی معنی و مفہوم معلوم کیا جائے۔ لفظ "تصوف" عربی زبان سے ماخوذ ہے، لہٰذا اس زبان کی لغات میں اس کا لغوی معنی یوں بیان کیا گیا ہے۔

(۱)۔ عربی لغت "المعجم الوسیط" میں تصوف کی یوں تعریف کی گئی ہے۔

"اَلتَّصَوُّفُ طَرِیقَةٌ سُلُوکِیَّةٌ قِوَامُهَا اَلتَّقَشُّفُ وَاَلتَّحَلِّی بِالْفَضَائِلِ، لِتَزْکُوَالنَّفْسُ وَتَسْموالرُّوْحُ، وَعِلْمُ التَّصَوُّفِ: مَجْمُوْعَةُ اَلْمَبَادِیِ اَلَّتِیْ یَعْتَقِدُهَا اَلْمُتَصَوِّفَةُ وَالاٰدٰبِ اَلَّتِیْ یَتَادَّبُوْنَ بِهَافِیْ مُجْتَمِعَاتِهِمْ وَخَلَوَاتِهِمْ، وَالصَّوْفِیْ: مَنْ یَتَّبِعُ طَرِیْقَةَ اَلتَّصَوُّفِ، وَاَلْعَارِفُ بِالتَّصَوُّفِ۔" (۱)

(۲)۔ عربی لغت "المنجد" میں تصوف کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"اَلتَّصَوُّفُ، صَارَ صَوْفِیًّا، تَخَلُّقٌ بِاَخْلَاقِ اَلصُوْفِیَّةِ، وَاَلصَّوْفِیَّةُ: فِئَةٌ مِنَّ الْمُعَبِّدِیْنَ، وَاحِدُهُمْ: اَلصَوْفِیْ۔(۲)

(۳)۔ عربی لغت "تاج العروس" میں تصوف کی یہ تعریف ہے۔

"اَلتَّصَوُّفُ: تَنَسَّكَ اَوْادْعَاهُ وَجُبَّةٌ صَيْفَةٌ كَكِيْسَةِ كَثِيْرَةُ اَلصُّوْفِ، وَاَصْلُهٗ صَيْوَفَة" (۳)

(۴)۔ عربی اردو لغت "مصباح اللغات" میں تصوف کے یہ معنی بتائے گئے ہیں۔

"صَوْفِیْ بَننا" صوفیوں کی سی عادات بنانا، اَلصَّوْفِیَّةُ: عبادت گزاروں کی جماعت، واحد "الصوفی" ہے۔(۴)

تصوف کے اصطلاح معانی اور وجہ تسمیہ

تصوف مادہ صوف سے مشتق ہے۔ اور باب تفعل کا مصدر ہے۔ اور اونی لباس عادۃً پہن لینے کو ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا اسلامی اصطلاح کے مطابق صوفی بن کر خود کو متصوفانہ زندگی کے لئے وقف کر دینے کو تصوف کہا جاتا ہے۔ لفظ "صوفی" صوف سے مشتق ہے۔ جس کا معنی اون ہے۔ چونکہ اکثر صوفیاء اونی لباس زیب تن کرتے تھے اس لئے لوگ انہیں اس لباس کی مناسب سے صوفی کہنے لگے۔ اس معنی کی تائید شیخ ابونصر السراج یوں کرتے ہیں:۔

"صوفیاء کو ان کے ظاہری لباس کی بنا پر صوفی کے لقب سے نسبت دی گئی ہے، وہ لوگ اون کا لباس اس لئے پہنتے تھے کہ صوف کا لباس پہننا اکثر نبیوں، ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا امتیازی نشان رہا ہے۔" (۵)

لفظ "صوفی" کو لقب کے طور پر تاریخ میں پہلی بار آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں کوفے کے ایک کیمیاگر "جابر بن حیان" کے نام کے ساتھ استعمال کیا گیا جو زہد میں ایک خاص مسلک رکھتا تھا، نیز ایک نامور صوفی "ابوھاشم" کوفی کے نام کے ساتھ پہلی دفعہ ۱۹۹ھ / ۸۱۴ء میں لفظ صوفی نظر آتا ہے۔ (۶)۔ یہ حضرت ابو سفیان ثوریؒ کے ہم صحبت تھے۔ حضرت سفیان

ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ابو ھاشم نہ ہوتا تو میں ریا کے دقائق سے واقف نہ ہوتا۔ بہرحال یہ وہ پہلے بزرگ تھے جن کو لفظ "صوفی" سے پکارا گیا۔"(۷)

لسانی اعتبار سے لفظ "صوفی" صوف کا اسم منسوب ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے موٹے کپڑے پہنے اور آپ ﷺ کا وصال بھی موٹے کپڑے میں ہوا۔ نیز جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو وہ سر تا پا اونی لباس پہنے ہوئے تھے۔(۸)

بعض حضرات لفظ صوفی کو یونانی لفظ "سوفسٹ" سے مشتق خیال کرتے ہیں، لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں جو مسلمان آپ ﷺ کی صحبت سے مستفید ہوئے وہ "اصحاب" کہلائے۔ اس کے بعد جو صحابہ کرام کو دیکھنے والے تھے وہ تابعین کے نام سے موسوم ہوئے، ان کے بعد جنہوں نے تابعین کو دیکھا وہ تبع تابعین کہلائے۔ اس کے بعد کوئی نام نہ رہا۔ جو لوگ علماء، فقہاء، واعظان و زھاد تھے ان میں سے زھاد کا لباس "صوف" تھا، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ بھی کمبل پوش تھے اور یہ لوگ حتیٰ الوسع ظاہری حالت بھی اتباع سنت کا مطابق رکھنا پسند کرتے تھے۔

جو لوگ زمانے کی دستبرد سے الگ ہو کر خلوت گزیں ہو گئے یہ لوگ صوف پوش تھے۔ فقر و فاقہ میں ہی زندگی بسر کرتے تھے اور عوام کی صحبت سے بھی کنارہ کش رہتے تھے اس لئے ان کو "صوفی" کہا جانے لگا۔ علم الالسنۃ کی رو سے بھی لفظ "صوفی" کا لفظ "سوفسٹ" سے ملانا درست نہیں۔

ابتدا میں صوفیوں کی کوئی خانقاہ نہ تھی۔ پہلی خانقاہ "رملہ" واقع ملک شام میں تعمیر ہوئی۔ مولانا جامیؒ اپنی کتاب "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں:۔

"یہ ایک عیسائی امیر آدمی نے تعمیر کروائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شام میں "مانسٹریز" بہت تھیں جن میں رہبان عبادت کرتے تھے۔ کسی صوفی کو یہ طریقہ پسند آیا اور اس نے بھی ایک خلوت خانہ بنا دیا۔"(۹)

صحابہ کرام اور سلف صالحین کے زمانہ میں لفظ تصوف متعارف نہ تھا لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں جلوہ گر تھی۔ احسان نے بعد میں اسلامی تاریخ میں تصوف کی علمی و عملی شکل اختیار کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:-

"دین محمدی کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری' اور دوسری باطنی' نیکی اور اطاعت کے کاموں سے دل پر جو اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کے احوال و کوائف کی تحصیل دین کی باطنی حیثیت کا مقصود ہے۔ اور یہی تصوف ہے۔(۱۰)

ڈاکٹر ثریا ڈار' لکھتی ہیں:-

"اسلامی تصوف نے سب سے پہلے عربی ماحول کے اثرات لئے اور کتاب و سنت کو اس نے اساس بنایا' اس کے بعد آریائی تصورات و رجحانات سے سابقہ پڑا اور اس نے ان دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اخذ و جذب و ہم آہنگی و موافقت کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور تصوف اسلام مختلف ارتقائی منازل طے کرتا ہوا ایک ایسی منزل پر پہنچا کہ وہ دین و حکمت اور شریعت و طریقت دونوں پر جامع سمجھا جانے لگا۔(۱۱)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال تصوف اسلام کی اس جامعیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "فلسفہ عجم" میں لکھتے ہیں۔

"اسلامی تصوف کی قوت کا راز اس بات پر پوشیدہ ہے کہ انسانی فطرت کے متعلق اس کا نقطہ نظر بہت ہی جامع و مکمل ہے اور اسی پر وہ مبنی بھی ہے اور یہی وجہ تھی کہ وہ راسخ العقیدہ مذہبی لوگوں کے ظلم و تعدی اور سیاسی انقلابات سے صحیح و سلامت آیا' کیونکہ یہ فطرت انسانی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔(۱۲)

تصوف ، محققین ، علماء و صوفیاء کی نظر میں

تصوف کی حقیقت و ماہیت پر مختلف محققین ، ادباء ، علماء ، صوفیاء نے کلام کیا ہے جس سے اس کی اصل کی صراحت و وضاحت ہوتی ہے۔

☆ صاحب کشف المحجوب "علی ہجویری" فرماتے ہیں:۔

اَلصَّفَامِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِنْعَامٌ وَاِکْرَامٌ وَالصُّوْفُ لِبَاسُ الْاِنْعَامِ" (۱۳)

ترجمہ:۔ صفا اللہ کی طرف سے انعام و اکرام ہے اور صوف عزت کا لباس ہے۔

نیز فرماتے ہیں:۔

"صوفی ہویٰ و ہوس سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو علم اللہ کے تابع کر دیتا ہے۔ اس طرح اسکی ہوس فنا ہو جاتی ہے۔" (۱۴)

☆ امام غزالیؒ اپنی تصنیف "المنقذ من الضلال" میں القول فی طریق اصلوفیتہ کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:۔

"جب میں ان علوم سے فارغ ہو کر صوفیاء کے طریقہ کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے ، ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کا قطع کرنا ، اخلاق ذمیمہ اور صفات خبیثہ سے پاک و منزہ ہونا ہے تاکہ اس کے ذریعے قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکر الٰہی سے آراستہ کیا جائے۔ (۱۵)

☆ ڈاکٹر میر ولی الدین رقمطراز ہیں:۔

"بعض لوگ لفظ صوفی کو صفا سے خیال کرتے ہیں ، یعنی صوفی وہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے صفائی قلب سے زینت بخشی ہے اور قلب کی صفائی و اصلاح سے ظاہر ہے کہ سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور تمام اعمال درست ہو جاتے ہیں ، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ معارف الٰہی کا انکشاف صفائی

باطن ہی پر منحصر ہے۔(۱۴)

☆ ڈاکٹر ثریا ڈار' مجلہ تحقیق پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۵ء۔۱۹۹۶ء میں "اسلامی تصوف کا ارتقاء" کے موضوع کے تحت لکھتی ہیں:۔

"اس لفظ "صوفی" کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کی صوتی مناسب اہل صفہ سے ہے۔ صفہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں غریب مہاجروں کا ایک چبوترہ تھا۔ اسی کے بارے میں خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ۔ (البقرۃ: ۲۷۳)

ترجمہ:۔ (صدقات) اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں قید ہو گئے ہیں (پابند ہو گئے ہیں) اور وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے۔

اگرچہ لفظی اشتقاق کے لحاظ سے یہ وجہ تسمیہ درست نہیں' مگر مفہوم کے لحاظ سے صحیح ہے' کیونکہ صوفیاء کا حال ان اصحاب کے مشابہہ ہے۔ وہ بھی اصحاب صفہ کی طرح آپس میں اُلفت و محبت کے ساتھ اکٹھے رہتے ہیں(۱۷)

☆ ابوالقاسم القشیریؒ اپنے مشہور رسالہ "القشیریۃ" میں فرماتے ہیں:۔

"صوفیاء کو بھی انہی (اہل صفہ) اوصاف کی بنا پر اہل صفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اشتقاق لفظی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو صفہ کی طرف نسبت "صُفّی" کا لفظ پیش کرتا ہے نہ کہ صوفی کا۔(۱۸)

☆ علامہ لطفی جمعہ نے اپنی کتاب "تاریخ فلاسفۃ الاسلام" میں اپنی یہ تحقیق پیش کی ہے کہ صوفی کا لفظ "ترصوفیا" سے مشتق ہے جو ایک یونانی کلمہ ہے جس کے معانی حکمت الٰہی کے ہیں۔ صوفی وہ حکیم ہے جو حکمت الٰہی کا طالب ہوتا ہے اور اس کے حصول کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ صوفی کی غایت حقیقۃ الحقائق کا جاننا ہوتی ہے۔(۱۹)

☆ مولانا محمد زکریاؒ اپنی تصنیف "اکابر کا سلوک و احسان" میں تصوف کی

تعریف یوں کرتے ہیں:۔

"تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس' تصفیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کے احوال کا علم ہوتا ہے تاکہ سعادت ابدی حاصل کی جا سکے' اس کا موضوع بھی تزکیہ و تصفیہ اخلاق و تعمیر ظاہر و باطن ہے۔ اور اس کی غایت و مقصد سعادت ابدی کا حاصل کرنا ہے۔ (۲۰)

☆ مولانا رشید احمد گنگوہی تصوف کی تعریف یوں کرتے ہیں:۔

"صوفیاء کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے' صوفیا کا حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا ہے' اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔"(۲۱)

☆ مولانا سید ابوالاعلی مودودی تصوف کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"ایک تصوف وہ ہے جو اسلام کے ابتدائی دور کے صوفیاء میں تھا۔ مثلاً فضیل بن عیاضؒ' ابراہیم ادھمؒ اور معروف کرخیؒ ان کا کوئی الگ فلسفہ نہ تھا' کوئی الگ طریقہ نہ تھا' بلکہ وہی افکار' اشغال اور اعمال تھے جو کتاب و سنت سے ماخوذ تھے۔ اور ان سب کا وہی مقصود تھا جو اسلام کا مقصود ہے۔

"وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ" (البینۃ:۱۸)

اس تصوف کی ہم تصدیق کرتے ہیں' اور صرف تصدیق ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو زندہ اور شائع کرنا چاہتے ہیں۔(۲۲)

تصوف کے بارے میں مولانا مذکور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"فقہ کا تعلق انسان کے ظاہری عمل سے ہے۔ فقہ صرف یہ دیکھتی ہے کہ تم کو جیسا اور جس طرح کا حکم دیا گیا ہے اس کو تم بجا لائے ہو یا نہیں' اگر بجا لائے ہو تو فقہ کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ تمہارے دل کا کیا حال تھا۔ دل

کے حال سے جو چیز بحث کرتی ہے اس کا نام تصوف ہے۔ مثلاً تم نماز پڑھتے ہو تو اس میں فقہ صرف یہ دیکھتی ہے کہ تم نے وضو ٹھیک کیا ہو' قبلہ رو ہوئے ہو' بہرحال ظاہری ارکان کی ادائیگی کا تعلق فقہ ہے جبکہ تصوف یہ ہے کہ اس عبادت میں تمہارے دل کا کیا حال رہا ہے۔(۲۳)

☆ سید احمد عروج قادری اپنی تصنیف "اسلامی تصوف" میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

"صوفیا سے ہماری مراد مقربین ہی ہیں۔(۲۴)

تصوف کی حقیقت

مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنی کتاب "تصوف اسلام" میں شیخ ابوالنصر السراج کی کتاب "اللمع فی التصوف" سے یہ قول نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے یہ دریافت کیا کہ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ خدا اور رسول کو۔

یہ جملہ توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا جو انسانی زبان سے ادا ہوا۔ لفظ صوفی خواجہ حسن بصریؒ کے زمانہ میں بھی رائج تھا حالانکہ حسن بصریؒ کا زمانہ بعض صحابیوں کی معاصرت کا تھا۔ چنانچہ ان کے اور سفیان ثوریؒ کے اقوال میں یہ لفظ صوفی استعمال ہوا' بلکہ کتاب "اخبار مکہ" کی ایک روایت کے مطابق یہ لفظ عہد اسلام سے بیشتر بھی رائج تھا اور عابد اور برگزیدہ اشخاص کے لئے استعمال ہوتا تھا۔(۲۵)

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تصنیف "شریعت و تصوف" میں رقمطراز ہیں:۔ "شریعت کا وہ جزو جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف و سلوک' اور وہ جزو جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع تہذیب'

اخلاق، اور غرض رضائے الٰہی ہے۔ اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے احکام پر پورے طور پر چلنا ہے۔ گویا کہ تصوف دین کی روح و معنی یا کیف و کمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو رزائل، اخلاق ذمیمہ، شہوت، آفات لسانی، غضب، حسد، حب دنیا اور دوسری تمام برائیوں سے پاک کرنا اور فضائل سے آراستہ کرنا ہے، تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے جو مقصود حیات ہے۔ اس لئے تصوف و طریقت دین و شریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ صوفی بنے، کیونکہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان، مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا۔(۲۶)

تصوف، کتاب و سنت کی روشنی میں

صوفیائے کرام اپنے عمل کا جواز قرآن و سنت سے پیش کرتے ہیں۔
تصوف کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ (۱) محبت الٰہی (۲)۔ معیت ذاتی۔
صوفیائے کرام کا کہنا ہے کہ کتاب اللہ میں خود محبت الٰہی کی دعوت دی گئی ہے اور بے شمار آیات میں اس کے نتیجے کے طور پر معیت اور قرب ذاتی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہی چیز ہے جسے تصوف کی اصطلاح میں "معرفت" کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن میں ارشاد ہے۔
"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ (البقرۃ:۱۲۵)

ترجمہ:۔= انسانوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہم پلہ بنا دیتے ہیں اور انہیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جس طرح اللہ کو چاہنا ہوتا ہے، حالانکہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کی محبت زیادہ سے زیادہ اللہ ہی کے لئے

ہوتی ہے۔
اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔
"وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ۔
(سورۃ نساء:۱۳)
ترجمہ:۔ (اے محمد) اللہ نے تم پر کتاب اُتاری اور حکمت نازل کی اور وہ باتیں بتائیں جو تم کو معلوم نہ تھیں۔
صوفیاء کا کہنا ہے کہ یہاں حکمت سے مراد علم باطن ہے نیز عبادت الٰہی میں انہماک کے سلسلہ میں درج ذیل آیات غور طلب ہیں۔
(i)۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (الذاریات:۵۶)
(ii)۔ فَاذْكُرُو اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُوْدًا وَعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔(النساء:۱۰۳)
(iii)۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔
(السجدۃ:۱۶)
اس طرح قرب ذاتی یا معرفت جسے صوفیا اپنا منشاد مقصد قرار دیتے ہیں قرآن مجید سے ثابت ہے۔
☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔(۲۷)
ثَابت شَده اَسْتَ اَدْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لكُمْ۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اِيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْلَمُوْنَ بَصِيْرٌ۔
ترجمہ:۔ تم مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے جہان کہیں تم ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔
سورہ مزمل میں جس طرح آنحضرت ﷺ کو رات کے وقت جاگ کر عبادت کرنے کو کہا گیا ہے اس سے کثرتِ عبادت کا جواز نکلتا ہے۔ ارشاد ہے:
"وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً۔" (المزمل:۸)
ترجمہ:۔ اپنے پروردگار کا نام لے اور ہر چیز سے کٹ کر اسکی طرف ہو جا۔

صوفیائے کرام کثرت عبادت میں اسی سے استدلال کرتے ہیں۔

احادیث نبوی ﷺ میں جس چیز کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ تصوف ہی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

"اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاکَ۔(۲۸)

ترجمہ:۔ احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو' اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

اصحاب صفہ کا وجود خود اس بات کا ثبوت ہے کہ آنحضرت ﷺ عبادات میں ہمہ وقت انہماک کو ایک خاص طبقہ کے لئے برا نہیں سمجھتے تھے۔ سورہ انعام اور سورہ کہف میں ان بزرگوں کی عبادت اور ریاضت کی تعریف کی گئی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ سے فرمایا:۔

"وَلَا تَطْرُدِالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهِمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ' وَلَا تَعْدُ عَیْنَاکَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ (الانعام:۵۲)

ترجمہ:۔ ان (بزرگوں) کو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اسکی ذات پاک کی خواہش رکھتے ہیں دور مت کر' اور اپنی آنکھیں انکی طرف رکھ اور ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھ' کیا تو دنیا کی زندگی میں زینت چاہتا ہے۔؟

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ اپنی تصنیف "فوائد الفواد" میں فرماتے ہیں (ترجمہ) ترک دنیا کا یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کر کے اور لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے۔ بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی اور حلال کی جو چیز پہنچے اسے روا رکھے لیکن اسے جمع کرنے کی طرف رغبت نہ کرے اور دل کو اس سے نہ لگائے۔ یہی ترک دنیا ہے۔(۳۰)

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت

شریعت:۔ احکام تکلیفہ (مکلفہ) کے مجموعہ کا نام شریعت ہے۔ اس میں اعمال ظاہری و باطنی سب آ گئے، اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو شریعت کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے جیسے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے:۔

"مُعَفرِفَۃُ اَلنَّفْسِ مَالَھَا وَمَا عَلَیْھَا"(۳۱)

یعنی فقہ نفس کے نفع و نقصان کی چیزوں کو پہچاننا ہے۔

طریقت:۔ متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے اس جزو کا نام جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ ہے اور اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔

حقیقت:۔ اعمال باطنی کی درستی سے قلب میں جو جلا اور صفا پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ متعلقہ اعیان و اعراض بالخصوص اعمال حسنہ و سیہ منکشف ہوتے ہیں۔ ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں۔

معرفت:۔ حقائق کونیہ متعلقہ اعیان و اعراض درج بالا کے انکشاف کو معرفت کہتے ہیں۔ اور اس صاحب انکشاف کو عارف کہتے ہیں۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔ اور عوام میں جو شائع ہو گیا ہے کہ طریقت اور چیز ہے اور شریعت اور چیز، غلط ہے۔(۳۲)

احکام شریعت پر عمل کرنے اور کثرت عبادت سے تزکیہ اخلاق ہوتا ہے، یہی تصوف ہے۔ حکماء و علماء کے نزدیک ادارک کا ذریعہ حواس ظاہری و باطنی ہیں۔ صوفیائے کرام کے نزدیک کثرت عبادت و ریاضت و مجاہدات اور پابندی سنت سے جو تصفیہ قلب ہو جاتا ہے تو ایک ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے ان کا انکشاف ہوتا ہے جو حواس ظاہری و باطنی کے ذریعہ منکشف نہیں ہو سکتے۔ اس قوت کے پیدا ہونے کا ذریعہ شریعت کے سوا دوسرا نہیں۔(۳۳)

عبد الصمد صارم ''تاریخ تصوف'' میں عبدالقادر جیلانیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''علم حقیقت جسکی شریعت شاہد نہ ہو وہ زندقہ والحاد ہے۔''

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ: ''جو حقیقت شریعت کے خلاف ہو بد دینی ہے اور مردود ہے۔ ہمارے واسطے اللہ کی طرف شرع کے سوا کوئی راستہ نہیں۔'' حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے۔ ''تمام راستے مسدود ہیں سوائے اتباع رسول کے۔'' (۳۴)

مولانا محمد زکریا ''اکابر کا سلوک و احسان'' میں علامہ ابن عابدین۔ الشامیؒ ' کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ''طریقت شریعت پر عمل کرنے کا نام ہے' اور شریعت اعمال ظاہرہ کا نام ہے اور یہ دونوں اور حقیقت تینوں چیزیں آپس میں متلازم ہیں۔(۳۵)

اسلامی تصوف کے ماخذ

اسلامی تصوف قرآن و حدیث اور آثار صحابہ ؓ سے ماخوذ ہے۔ حقیقی صوفیائے کرام نے ہر زمانہ میں ان خرابیوں کا انسداد کیا ہے اور نشاندہی کی ہے جو غیر اسلامی نظریات کی وجہ سے رونما ہوئیں۔ تصوف کی اصل بلکہ اصل الاصل بقاء رب کی آرزو ہے۔ سالک تمام مجاہدات' ریاضیات اور مراقبات اسی لئے برداشت کرتا ہے کہ وہ اپنے محبوب (خدا) کا دیدار کر سکے' یہی اس کا مقصد حیات ہے۔ اور یہ اصل قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

''فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا۔(الکھف :۱۱۰)(۳۶)

ترجمہ:۔ پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزو مند ہو اسے لازم ہے کہ اعمال صالحہ بجا لائے اور اپنے رب کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

تصوف کے عناصر ترکیبی تین ہیں:۔

(i)۔ کامل توحید۔

(ii)۔ کامل تقویٰ۔

(iii)۔ کامل محبت۔

(i)۔ کامل توحید کا استدلال قرآن کی اس آیت سے ہے۔

"هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُوْ اَلظَّاهِرُوْ اَلْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شيٍ عَلِيم۔"(الحدید:۳)

ترجمہ:۔ وہی (اللہ) ہر شئی کا اول اور ہر شئی کا آخر ہے۔ اور ہر شئی کا ظاہر اور باطن ہے۔ اور وہ ہر شئی (چیز) کی ماہیت سے آگاہ ہے۔

(ii)۔ تقویٰ کے بارے میں ارشاد ہے:۔

"اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ" (النحل:۱۲۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور محسن ہیں۔

(iii)۔ محبت الٰہی کے بارے میں ارشاد ہے۔

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔"(البقرۃ:۱۶۵)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔

تصوف درج ذیل چیزوں کی تلقین کرتا ہے جن کا استدلال بھی قرآن سے ہے۔

(i)۔ قرب الٰہی:۔

تصوف قرب الٰہی کی تلقین کرتا ہے اور صوفی قرب الٰہی کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اس کی یہ خواہش قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

"وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (العلق:۱۹)

ترجمہ:۔ اے پیغمبرؐ! سجدہ کیجئے اور قرب حق حاصل کیجئے۔

(ii)۔ رغبت الٰہی:۔

صوفی اللہ کی طرف راغب رہتا ہے۔ اور تصوف رغبتہ الی اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ یہ تعلیم و تلقین اس آیت پر مبنی ہے۔

"فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ" (الانشراح:۸)

ترجمہ:۔ اے پیغمبر! جب آپ فرض منصبی (تبلیغ) سے فارغ ہوں تو عبادت میں محنت کیجئے اور اپنے رب کی طرف راغب رہیئے۔

(iii)۔ معیت الٰہیہ:۔

تصوف کا ثمرہ معیت الٰہیہ ہے اور یہ بات بھی قرآن ہی سے ثابت ہے۔

ارشاد ہے:۔

"وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَما كُنْتُمْ" (الحدید:۴)

ترجمہ:۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

یہ معیت عمومی ہے جو کافر و مومن دونوں پر حاوی ہے۔ دوسرے مقام پر آتا ہے۔

"اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا والَّذِيْنَ هُم مُّحْسِنُوْنَ" (النحل:۱۲۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور محسن ہیں۔

تو یہ معیت خصوصی ہے جو اللہ کے مقربین کو حاصل ہوتی ہے۔

اسلامی تصوف کا مقصود اسی مقام کا حصول ہوتا ہے اور اسی معیت و قربت کے لئے مجاہدات و ریاضات کی جاتی ہیں اور اپنی تمام خواہشات نفسانی کو شریعت کے تابع رکھا جاتا ہے۔ آخر سالک وہ مقام حاصل کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ میں فرمایا:۔

تصوف کا دستور العمل

تصوف کا دستور العمل یا طریق جسے اصطلاح میں تزکیہ نفس کہتے ہیں قرآن ہی سے ماخوذ ہے' اور صوفیائے کرام نے سلوک کے تمام بنیادی اصول درج ذیل آیات سے مستنبط کیئے ہیں۔

(۱)۔ شیخ طریقت سالک کو حکم دیتا ہے کہ آخر شب میں اُٹھو' تو یہ حکم سورہ المزمل کی اس آیت سے ماخوذ ہے: وَمِنَّ اللَّيْلِ فَتَحَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ" (الاسراء:۷۹)

ترجمہ:۔ اور رات کے ایک حصے میں نماز تہجد پڑھا کرو۔ تمہارے لئے یہ نفلی نماز ہے۔

(۳)۔ سالک کو حکم دیا جاتا ہے کہ ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھو۔ تو یہ حکم اس آیت سے مستنبط ہے۔ "وَرَتِلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلاً" (المزمل:۴)

ترجمہ:۔ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔

(۴)۔ ذکر و فکر' مجاہدہ' مراقبہ' محاسبہ' اوراد' اشغال اور جملہ لوازم سلوک سے مقصود یہی ہے کہ نفس امارہ مغلوب ہو جائے اور یہ مقصود اس آیت سے ماخوذ ہے۔ "اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِىَ اَشَدُّ وَطاً وَّاَقْوَمُ قِيْلاً" (المزمل:٦)

ترجمہ:۔ بے شک رات کا اُٹھنا بڑا موثر ہے نفس کو کچلنے میں' اور اس وقت ذکر الٰہی احسن طریق سے نکلتا ہے۔ نیز فرمایا:۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ" (الحشر:۱۸)

ترجمہ:۔ اور لازم ہے کہ ہر جان دیکھے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے۔ مزید فرمایا:۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (آل عمران:۱۹۱)

ترجمہ:۔ "جو لوگ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر، اور آسمان اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔"

(۵)۔ شیخ طریقت سالک کو ذکر اسم ذات کی تلقین کرتا ہے۔ یہ تلقین قرآن کے اس حکم سے ماخوذ ہے۔ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ۔ (الانسان:۲۵) (المزمل:۸)

ترجمہ:۔ اور اپنے رب کے نام کو یاد کر۔

(۶)۔ تصوف میں تبتل کی تلقین کی جاتی ہے اور یہ تلقین اس آیت سے ماخوذ ہے۔ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً" (المزمل:۱۸)

ترجمہ:۔ اور پورے طور پر تمام علائق مادی سے قطع تعلق کر۔

(۷)۔ سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنا وکیل (کارساز) بناؤ، صرف اسی پر بھروسہ کرو۔ اپنی دولت، مال، اولاد، جائداد اور مادی تعلقات پر بھروسہ مت کرو۔ تو اس تلقین کا صدور اس آیت سے ہے: "فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلاً"

(المزمل:۹)

ترجمہ:۔ پس اسی (اللہ) کو وکیل / کارساز بناؤ۔

(۸)۔ سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اغیار کے اعتراض پر صبر کرو۔ کیونکہ اگر تم اس سے اُلجھے تو تمہارا مقصد فوت ہو جائے گا۔ تو یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے۔ "وَاصْبِرْ عَلٰی مَایَقُوْلُوْنَ" (المزمل:۱۰)

ترجمہ:۔ اور صبر کیجئے اس پر جو وہ کہتے ہیں۔

(۹)۔ سالک کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مخالفین سے کنارہ کشی اختیار کرو، مگر لڑ جھگڑ کر نہیں، بدکلامی سے نہیں بلکہ خوبصورتی کے ساتھ، تو یہ حکم اس آیت سے مستنبط ہے۔ "وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلاً" (المزمل:۱۰)

ترجمہ:۔ اور ان سے عمدگی کے ساتھ کنارہ کش ہو جاؤ۔

(۱۰)۔ سالک کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ تمہاری تکذیب یا تردید کریں تو تم خود ان سے بحث مباحثہ نہ کرو، کیونکہ تمہاری توجہ مقصود سے ہٹ جائے

گی۔ لوگوں سے اُلجھنا' مناظرہ کرنا اور مقابلہ کرنا یہ سب باتیں تمہارے حق میں نقصان دہ ہیں۔ تو یہ حکم بھی اس آیت سے ماخوذ ہے۔ "وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ" (المزمل:۱۱)

(۱۱)۔ تصوف میں شیخ طریقت سالک کو کچھ عرصہ خلوت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس عمل کا استنباط خود آنحضرت ﷺ کی زندگی سے ملتا ہے جو آپؐ نے قبل نبوت غارِ حرا میں اختیار کی۔

(۱۲)۔ شیخ طریقت' بعض اوقات مرید کو اعتکاف کا حکم دیتا ہے اور یہ حکم بھی سنت نبوی ﷺ سے ماخوذ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر سال ماہ رمضان کے آخری عشرے میں مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

(۱۳)۔ تصوف میں مجاہدہ لازمی شرط ہے۔ کوئی بھی سالک مجاہدے کے بغیر سلوک طے نہیں کر سکتا اور یہ شرط اس آیت سے ثابت ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (العنکبوت:۶۹)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو راستہ دکھا دیتے ہیں۔

تزکیہ نفس کے علاوہ اسلامی تصوف میں ایک اہم ماخذ و ضابطہ سلسلہ بیعت ہے جس کا حاصل معاہدہ ہے اعمال ظاہری اور باطنی کے اہتمام اور التزام احکام کا۔ اس کو بیعت طریقت کہا جاتا ہے جو از سلف تا خلف بتواتر رائج ہے۔ یہ طریق کتاب و سنت دونوں سے ثابت ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔(۳۷) "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ" (الفتح:۱۰)

ترجمہ:۔ بے شک جو لوگ آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔

"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ"

(الفتح:۱۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ راضی ہو گیا ان مومنوں سے جس وقت وہ بیعت کرتے تھے آپ ﷺ سے اس درخت کے نیچے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب فرما کر علاوہ بیعت جہاد و بیعت اسلام التزام احکام و اہتمام اعمال کے لئے بیعت فرمایا۔ مثلاً:۔ "عَنْ عَوْفِ اِبْنِ مَالِكِ الْاَشْجِعِی قَالَ كُنَّا عَنْدَالنَّبِیِّ ﷺ تِسْعَةُ اَوْثَمَانِيَةُ اَوْ سَبْعَةُ، فَقَالَ: اَلاَّ يُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰه؟ فَبَسَطْنَا اَيْدِيْنَا وَقُلْنَا: عَلٰى مَانُبَايِعُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰه ﷺ ؟ قَالَ: اِنْ تَعْبُدُو اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِ كُوْابِهِ شَيْئًا وَتَصَلَوْا صَلَوٰاتِ الْخَمْسِ وَتَسْمَعُوْا وَتُطِيْعُوا" (۳۸)

(مسلم، نسائی۔ ابوداؤد)

ترجمہ:۔ حضرت عوف بن مالک الاشجعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے۔؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس بات پر آپ ﷺ کی بیعت کریں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔ ان اُمور پر کہ: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور پانچوں نمازیں پڑھو، اور احکام سنو اور مانو۔

اس بیعت میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب فرمایا جو کہ نہ بیعت اسلامی تھے نہ بیعت جہادی، لہٰذا اس سے بیعت مروجہ فی المشائخ کا صریح ثبوت ہے۔(۳۹)

صحبت مرشد

اگر تزکیہ نفس محض کتابوں سے ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ بعثت انبیاء کا سلسلہ جاری نہ فرماتا۔ اپنی کتاب کسی کی معرف دنیا والوں کے پاس بھیج دیا کرتا۔ جس طرح صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہ کر اپنے نفوس کا تزکیہ کیا ہے اسی طرح آئندہ نسلوں کے لئے ضروری ہے کہ ہر زمانے میں ایسے خاصان خدا علماء صوفیاء پیدا ہوتے رہیں جو فنانی اللہ اور فنانی الرسول ہو کر تزکیہ نفوس کا فریضہ انجام دے سکیں۔

اس لئے تزکیہ نفس کا علم نہ کتابوں میں مذکور ہے اور نہ کتابوں سے پڑھ کر کوئی تزکیہ نفس کر سکتا ہے۔ مثلاً اگرچہ فن طبابت اور فن جراحت کا علم کتابوں میں مذکور و مرقوم ہے مگر کوئی طبیب' حکیم و سرجن بغیر صحبت استاد اپنے فن میں ماہر نہیں ہو سکا۔

جب امراض جسمانی کے ازالہ کے لئے کتب کے علاوہ اس فن کے ماہر استاد کے صحبت ضروری ہے تو امراض روحانی کے ازالہ کے لئے اس فن کے ماہر کی صحبت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور یہ علم شیخ کامل کی نگرانی میں رہ کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

خاتمہ

مذکورہ بالا تحریر سے بات پایہ ثبوت اور تحقیق کو پہنچ جاتی ہے کہ زہد و تصوف اسلام میں کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کے آثار ہم آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں اس وقت دیکھتے ہیں جب آپ ﷺ ابھی منصب نبوت کے اعلان پر فائز نہیں ہوئے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ اس

منصب پر فائز ہوئے تو بھی آپ ﷺ کی حیات طیبہ سراپا زہد و تقویٰ ہی رہی۔ اسی طرح صحابہ کرام ؓ جو آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جانشین ہوئے وہ بھی سب اللہ کی طرف متوجہ اور دنیا سے بیزار تھے۔ اور تصوف اسلامی میں یہ تمام چیزیں پائی جاتی ہیں۔

خالق ہستی نے حضرت انسان کو روح و مادہ کا مجموعہ بنایا ہے اور اس میں فانی اور باقی' خیرو شراور نور و ظلمت کے تضادات بھی پیدا کیئے ہیں۔ اس نے انسان کو مادی تربیت' سہولت و آزمائش کے لئے آن گنت وسائل دیئے اور بے شمار ذرائع مہیا کیئے اور اسکی روحانی تربیت کے لئے انبیاء کرام ؑ' اولیاء اور صلحاء کا وسیع تر سلسلہ بھی' تاکہ اسکی روح کے تقاضے تشنہ تکمیل نہ رہیں۔ روح جسم سے افضل ہے' باقی فانی سے اعلیٰ تر ہے' تو جہاں ہم اپنی جسمانی اور مادی زندگی کی فلاح و بہبود کے لئے ہر دم مصروف کوشش ہیں تو اسی طرح ہماری عقلمندی کا تقاضا ہے کہ اپنی روح کو جلا بخشنے والے اور فکر و شعور کو بالیدگی عطا کرنے والے وسائل و ذرائع کو بھی پیش نظر رکھیں۔

اسلام میں تزکیہ باطن و تصفیہء نفس پر بار بار زور دیا گیا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا"

(الشمس:۹)

اور پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ "فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ"(البقرۃ: ۱۰) کہ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔

اس کلام سے استنباط کرنے کے بعد صراحت ہو جاتی ہے کہ امن ذات انسانی کے لئے کیفیات قلب ہی ضمانت سلامتی بنتی ہیں اور کلام غیر متلو میں بھی واضح اشارہ ہے کہ خدا نہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور نہ شکلوں کو بلکہ تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے اور دلوں کو دیکھتا ہے۔ اور نیت ہی وہ ارادہ انسانی ہے جس پر اعمال کی جزاو سزا مرتب ہوتی ہے۔

اصحابہ صفہ سے لے کر آج تک کے صحیح اسلامی مراکز و خانقاہوں میں یہی جذبہ کار فرما نظر آئے گا کہ ان اداروں سے تربیت یافتہ لوگوں کی نظر عبقری ہے' سوچ وسیع ہے' علم ان کا مقصد اولین ہے' عمل ان کا وطیرہ حیات ہے اور عشق الٰہی انکی کمند مقصود ہے' دل محبت الٰہی میں گریاں اور آنکھیں مخلوق کی افسردگی پر غمناک رہتی ہیں۔ یہ کل مخلوق خدا کو کنبہ خدا کہتے ہیں' اہل لوگوں کو آنکھوں پر بٹھاتے ہیں' زندگی کی تاریک راہوں پر اپنے خون جگر سے سرمدی چراغ روشن کرتے ہیں۔ حق الیقین و عین الیقین کے مقامات پر جلوہ حقیقی سے مستنیر ہوتے ہیں' وہ زمینوں کو فتح نہیں کرتے بلکہ زمانہ کے فاتح ہیں۔ وہ جی کی راجدھانی کے مہاراج ہوتے ہیں۔ قرن اول سے لے کر آج تک یہ لوگ اشاعت اسلام میں پیش پیش رہے ہیں۔

اولیائے اللہ' علمائے حق اور صلحائے اُمت ہی وہ ہستیاں ہیں جنکی تعلیم و تربیت اور سیرت کے تابندہ نقوش ہمیں روحانی بالیدگیاں اور فکری عظمتیں بخش سکتی ہیں اور آج کی خودغرضی' نفسا نفسی اور بے چینی و اضطراب کے دور میں ضرورت ہے روح و ذہن کو تسکین دینے والے سامان کی اور ایسی راہنمائی کی جو ہماری بھٹکتی ہوئی روحوں اور مردہ ضمیروں کو پھر سے درس زندگی دے اور اطمینان و سکون کی دولتیں عطا کر سکے۔

المصادر و المراجع

(۱)۔ المعجم الوسیط۔ دکتور ابراھیم انیس و لجنتہ۔ ۵۹/۱۔ احیاء التراث العربی۔ بیروت ۱۹۷۲ء

(۲)۔ المنجد۔ لویس معلوف۔ ص:۴۴۰۔ بیروت۔

(۳)۔ تاج العروس۔ محمد مرتضیٰ زبیدی۔ ۱۷۰/۶۔ بیروت ۱۹۴۴ء۔

(۴)۔ مصباح اللغات۔ عبدالحفیظ بلیاوی۔ ص: ۴۸۵۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔ ۱۹۸۲ء

(۵)۔ کتاب اللمع فی التصوف: شیخ ابونصر سراج۔ ص:۵۳۔

(۶)۔ میزان الاعتدال۔ احمد بن عبداللہ الذہبی۔ ص:۴۵۔ قاہرہ ۱۳۳۵ھ

و۔ اسلامی تصوف کا ارتقاء۔ ڈاکٹر ثریا ڈار۔ ص:۱۳۰۔ مجلہ تحقیق جامعہ پنجاب ۹۶۔۱۹۹۵ء

(۷)۔ علم تصوف۔ عباد اللہ اختر۔ ص:۷۰۔

(۸)۔ الترمذی۔ باب اللباس۔ ۷/ ۴۷۰۔ المطبعۃ المصریۃ۔ ۱۹۳۱ء

(۹)۔ نفحات الانس۔ عبدالرحمٰن جامی۔ ص:۱۲۵۔ لکھنؤ۔ ۱۹۰۵ء

(۱۰)۔ اللمعات۔ شاہ ولی اللہ۔ مترجم: محمد سرور۔ ص:۴۵۔ لاہور۔ ۱۹۴۶ء

(۱۱)۔ اسلامی تصوف کا ارتقاء۔ ڈاکٹر ثریا ڈار۔ ص:۱۲۷۔

(۱۲)۔ فلسفہ عجم۔ ڈاکٹر محمد اقبال۔ ص:۱۴۶۔ مترجم: میر حسن الدین۔ حیدر آباد دکن ۱۹۴۶ء

(۱۳)۔ کشف المحجوب۔ علی ہجویریؒ۔ ص:۳۲۰۔ لندن۔ ۱۹۲۶ء

(۱۴)۔ نفس المصدر۔ ص: ۳۳۵۔

(۱۵)۔ المنقذ من الضلال۔ امام غزالیؒ ۔ ص:۸۷۔ دمشق ۱۹۳۹ء
(۱۶)۔ قرآن و تصوف۔ ڈاکٹر میرولی الدین۔ ص:۱۔ دکن ۱۹۵۵ء
(۱۷)۔ اسلامی تصوف کا ارتقاء۔ ڈاکٹر ثریا ڈار۔ ص:۲۶۔ ۱۲۵ء۔
(۱۸)۔ رسالتہ قشیریہ۔ ابوالقاسم القشیری۔ ص: ۱۲۶۔ مصر۔ ۸ ۱۳۴ء۔
(۱۹)۔ تاریخ فلاسفتہ الاسلام۔ لطفی جمعہ۔ مترجم: میرولی الدین۔ ص:۱۲۵۔
(۲۰)۔ اکابر کا سلوک و احسان۔ مولانا محمد زکریا۔ ص:۲۱۔
آفسٹ پریس کراچی۔
(۲۱)۔ نفس المصدر۔ ص:۲۸۔ بحولہ: تذکرہ رشید۔ ۲۔ ۱۲۔
(۲۲)۔ ترجمان القرآن۔ ابوالاعلیٰ سید مودودی۔ فروری: ۱۹۵۳۔ لاہور۔
(۲۳)۔ تصوف اور تعمیر سیرت۔ عاصم نعمانی۔ ص:۳۷۔ لاہور۔ ۱۹۷۲ء۔
(۲۴)۔ اسلامی تصوف۔ سید احمد عروج قادری۔ ص:۲۲۔ لاہور۔
(۲۵)۔ تصوف اسلام۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی۔ ص:۱۸۔۱۹۔لاہور
۱۳۹۳ء
(۲۶)۔ شریعت و تصوف۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ ص:۸۰
(۲۷)۔ مکتوب۔ ۲۵۰ دفتر اول۔ مجدد الف ثانیؒ ۔
(۲۸)۔ صحیح البخاری۔ باب الایمان۔ حدیث جبریل۔
(۲۹)۔ تاریخ مشائخ چشت۔ خلیق احمد۔ ص:۳۱، ۳۲۔ ندوہ المصنفین۔
دہلی ۱۹۵۳ء
(۳۰)۔ فوائد الفواد۔ نظام الدین اولیاءؒ ۔ ص:۹۔ لاہور۔ ۱۳۹۲ھ
(۳۱)۔ شریعت و تصوف۔ اشرف علی تھانوی۔ ص:۹۸
(۳۲)۔ نفس المصدر۔ ص:۹۸۔
(۳۳)۔ تاریخ تصوف۔ عبدالصمد صارم۔ ص:۳۴۸۔ لاہور۔ ۱۹۲۹ء
(۳۴)۔ نفس المصدر۔ ص:۳۵۔

(۳۵)۔ اکابر کا سلوک و احسان۔ مولانا محمد زکریا۔ ص:۲۴۔
(۳۶)۔ تاریخ تصوف۔ یوسف سلیم چشتی۔ ص:۱۰۲۔ لاہور۔ ۱۹۲۹ء
(۳۷)۔ شریعت و تصوف۔ اشرف علی تھانوی۔ ص:۱۰۰
(۳۸)۔ مسلم، نسائی، ابوداؤد۔
(۳۹)۔ شریعت و تصوف۔ اشرف علی تھانوی۔ ص:۱۰۱
(۴۰)۔ تاریخ تصوف۔ یوسف سلیم چشتی۔ ص:۱۱۸

تصوف اور اس کی حقیقت واہمیت

مولانا ریاض احمد صمدانی
خطیب و مدرس
جامعہ محی الاسلام
لندن

تصوف اور اس کی حقیقت و اہمیت

ریاض احمد صمدانی

خیر القرون یعنی سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام اور تابعین کے مقدس زمانہ کے بعد' جب فتنہ و فساد اور نئے نئے گمراہ کن اعتقادات و نظریات کا ظہور ہونے لگا اور ہر اک دعویٰ' قرآن و سنت' پر عمل ہی قرار پایا۔ صرف شریعت کے ظاہری احکام پر عمل ہی' مدار اسلام اور معیار دین ٹھہرا۔۔۔ شریعت کے باطنی احکام' دل میں ایمان و ایقان کی پختگی اور صفائے قلبی' اخلاص و احسان کو جن پر شریعت کے ظاہری احکام کی صحت و درستگی کا انحصار ہے' کو چھوڑ دیا گیا تو۔۔۔ ارباب صدق و صفا نے۔ شریعت مطہرہ کے جملہ احکام ظاہری و باطنی' پر پوری طرح قرآن و سنت کے تقاضوں کے مطابق عمل کو۔ تصوف و طریقت کا نام دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ط "یقیناً وہ کامیاب ہوا جس نے تزکیہ ظاہر و باطن کیا۔"

(سورۃ الاعلیٰ)

یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے اسی دور میں جملہ علوم و فنون اسلامیہ و دینیہ کی تدوین و ترویج ہوئی۔ اور علم تفسیر' اصول تفسیر' علم حدیث'

اصول حدیث‘ فقہ اور اصول فقہ وغیرہ باقاعدہ علوم و فنون اور ان کے قواعد و ضوابط وضع کیئے گئے۔ اور ان علوم دینیہ و اسلامیہ کے ماہرین علماء‘ فقہاء‘ مفسرین‘ محدثین اور آئمہ مجتہدین‘ دین اسلام کی تبلیغ‘ قرآن و سنت کی تفہیم و ترویج کے لئے میدان عمل میں جلوہ گر ہوئے۔ حضرت شیخ ابو ہاشم صوفیؒ جن کا وصال کوفہ میں ۱۵۰ھ میں ہوا‘ پہلے بزرگ ہیں جو صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے آپ سے پہلے کسی شخص کو اس نام سے نہیں پکارا گیا۔

(نفحات الانس)

اسی دور میں‘ محققین صوفیا و مشائخ اسلام نے‘ تصوف کے باقاعدہ اساسی و بنیادی قواعد و ضوابط ترتیب دیئے‘ اور اس کا ماخذ و مرجع قرآن و سنت پر بجان و دل عمل کرنا ہے فرمان ربانی فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصاً لَّہُ الدِّیۡن ط (زُمَر) اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرو۔ کے مطابق عمل قرار دیا اور قرآن و سنت کے فرامین و احکام سے روگردانی کو معصیت و الحاد قرار دیا اور شریعت مطہرہ کے مطابق‘ جملہ خصائل حمیدہ و اخلاق حسنہ‘ سے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کرنے اور تمام برے اعمال و نظریات اور اخلاق رذیلہ کی آلائش سے اپنے جسم و روح‘ قلب و نظر کو پاک و صاف رکھنے اور ان کے تزکیہ و تصفیہ کا نام۔ تصوف و طریقت رکھا۔ اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے اس طرح فرمایا:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰھَا یقیناً اس نے حقیقی فلاح پائی جس نے تزکیہ نفس کیا۔

(سورۃ الشمس)

لہٰذا محققین علماء و فقہاء اور مشائخ اسلام کی تصریحات کی روشنی میں قرآن و سنت‘ اسوہ رسول ﷺ و اصحاب رسول اور سیرت سلف صالحین پر مخلصانہ عمل پیرا ہونے کا نام تصوف ہے۔ تقویٰ و طہارت‘ مرابطہ و مجاہدہ‘ مراقبہ و محاسبہ نفس کا نام تصوف ہے۔ توکل علی اللہ‘ تَبَتُّلۡ اِلَی اللّٰہ اور

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ کا نام تصوف ہے۔ ذکر و فکر، اخلاص و احسان، خشوع و خضوع، عبادت میں دل کا خلوص و حضور، قلب و نظر میں، اس کے وجدان و کیف و سرور کے حصول کا نام تصوف ہے، تمام منکرات و منہیات، مکروحات و سیئات اور رذائل و خسائس سے اپنے ظاہر و باطن، قلب و قالب کو پاک و صاف کرنے کا نام تصوف ہے۔ محرمات و مشتبہات سے اجتناب، کبائرو صغائر سے احتراز، ظاہری و باطنی گناہ سے پرہیز کا نام تصوف ہے۔ یہی تصوف و طریقت، کی حقیقت ہے۔ یہی قرآن و سنت پر عمل کا مقصود ہے، یہی شریعت اسلامیہ کا منشور ہے یعنی تصوف سراپا عمل کا نام ہے قرآن و سنت پر۔ اسی بنا پر حضرت سید علی ابن عثمان ہجویری ؒ (م ۴۶۵ ھ) المعروف داتا گنج بخش نے آج سے تقریباً ہزار برس قبل یہ تصریح فرمائی کہ

"عین تصوف کے انکار سے۔ تمام احکام شرعیہ، اور انبیاء کرام اور ان کے خصائل ستوادہ، کا انکار لازم آتا ہے۔"

راقم سطور اپنی طرف سے تصوف کی حقیقت و اہمیت، بیان کرنے اور تصوف پر اپنوں اور بیگانوں کی جانب سے اعتراضات کو جواب دینے کی بجائے، اقلیم تصوف کے تاجداروں، آئمہ اسلام، اور محققین اصفیاء و مشائخ عظام کے اقوال و ارشادات، تصوف طریقت کی حقیقت و اہمیت کے بارے، پیش کرتا ہے۔ جن کی پڑھنے اور سننے سے ازخود تصوف کی حقیقت و اہمیت عیاں ہو جاتی ہے اور تصوف پر اُٹھنے والے ہر اعتراض کا شافی جواب، دلوں سے شکوک و شبہات کی کدورت کو کافور کرتے ہوئے، قلب و نظر کو ایمان و یقین کے نور سے جلا دیتا ہے۔

حضرت ابو منصور عبدالقاہر بغدادی ؒ (م ۴۲۹ ھ) نے تصوف اور صوفی کے معنی اور تعریف میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں تصوف کی تعریف و معنی میں صوفیاء کرام کے تقریباً ایک ہزار اقوال جمع کئے ہیں۔ اسی طرح

رسالہ قشیریہ۔ اور کشف المحجوب میں بھی آئمہ صوفیاء کے متعدد اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے چند ایک مشہور و معروف اقوال و ارشادات پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں سب سے پہلے تصوف کی تعریف

حضرت امام ابوالقاسم قشیریؒ (م۴۶۵ ھ) نے تصوف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ "تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ تزکیہ نفس، تصفیۂ اخلاق، اور احوال ظاہر و باطن کی صفائی کا علم ہوتا ہے۔ اس کی غرض و غایت سعادت ابدی کا حاصل کرنا ہے۔" (رسالہ قشیریہ)

یہی سعادت ابدی کا حصول انبیاء کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کا مقصود و مطلوب ہے، حاصل دین و ایمان ہے۔ یہی تزکیہ نفس اور صفائے باطن، قرآن و حدیث اور دین اسلام کا بنیادی منشور و دستور ہے۔

امام مدینہ منور حضرت امام مالکؒ (م۱۷۹ ھ) تصوف کی حقیقت و اہمیت اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف کو نہ اپنایا، وہ راہ راست سے دور ہو گیا، اور جس نے صرف تصوف کو اپنایا اور علم فقہ حاصل نہ کیا وہ گمراہ ہو گیا۔ اور جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا اس نے راہ حق کو پالیا"

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج اول)

حضرت بایزید بسطامیؒ (م۲۶۱ ھ) فرماتے ہیں۔ "اگر تم کسی کو ہوا میں بھی اُڑتا دیکھو اس پر فریفتہ نہ ہونا جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی اور شریعت کی پابندی میں کیسا ہے۔" (رسالہ قشیریہ)

حضرت جنید بغدادیؒ (م۲۹۷ ھ) تصوف کی حقیقت کے بارے فرماتے ہیں۔ "اس راہ طریقت و تصوف کو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں حضرت محمد ﷺ کی سنت ہو اور وہ ان دو شمعوں کی روشنی میں چلے تاکہ شبہات کے گڑھوں اور بدعات کے اندھیروں

میں نہ گرے نہ پھنسے۔" (تذکرہ الاولیاء)

کشف المحجوب میں آپ ہی سے منقول ہے کہ "تصوف آٹھ اولوالعزم انبیاء کرام علیھم السلام کی آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔" (۱) حضرت ابراھیم علیہ السلام کا جود و سخا (۲) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تسلیم و رضا (۳) حضرت ایوب علیہ اسلام کا صبرو استقلال (۴) حضرت ذکریا علیہ السلام کی دعا و مناجات (۵) حضرت یحیٰی علیہ السلام کا تضرع و زاری (۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس صوف (۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیاحت (۸) حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کا فقرو استغناء۔

گویا تصوف' مذکورہ جلیل القدر انبیاء کرام علیھم السلام کے اسوہ مبارکہ اور سیرت طیبہ کے انوار و برکات کے مجوعہ کا نام ہے۔

☆ حضرت ابوبکر الکتانیؒ (۲۳۳ ھ) فرماتے ہیں "تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے جو خلق میں جتنا برتر ہو گا وہ صفائے باطن و تصوف میں اتنا ہی زیادہ بہتر ہو گا۔" ایک دوسرے مقام پر آپ تصوف کی تعریف و حقیقت اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ۔ صَفَاءٌ وَّمُشَاهَدَةٌ تصوف' صفائے باطن' اور مشاہدہ حق کا نام ہے۔

☆ حضرت ابوالحسن نوریؒ تصوف کی تعریف میں لکھتے ہیں "تصوف محض رسم و علم ہی نہیں بلکہ یہ تو سراپا اخلاق حسنہ' حریت' کرم' ترک تکلف' اور جودو سخا کا نام ہے۔"

☆ حضرت ابو محمد الجریریؒ (م۳۱۱ ھ) فرماتے ہیں "تصوف ہر اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہونے' اور ہر بری عادت سے پاک ہونے کا نام ہے۔"

☆ حضرت معروف کرخیؒ (م۲۰۰ ھ) فرماتے ہیں "تصوف حقائق کو پانا' دقائق پر گفتگو کرنا' اور مخلوق کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناأمید' ہونے کا نام ہے۔" (تذکرہ الاولیاء)

☆ حضرت ذوالنون مصری ؒ (م۲۴۵ ھ) فرماتے ہیں "صوفی وہ ہیں جن کا دل کدورت سے خالی اور تفکر سے لبریز ہو اور قرب خدا تعالیٰ میں بشریت سے منقطع ہو' اور ان کی نظروں میں مٹی اور سونا برابر ہیں۔"

☆ حضرت ابوالحسن بوسنجہ ؒ فرماتے ہیں "اَلتَّصَوُّفَ اَلْیَومَ اِسْمٌ وَلَا حَقِیقَةٌ وَقَدْ كَانَ حَقِیقَةٌ وَلَا اِسْمٌ۔" آج تصوف کا نام ہی رہ گیا ہے اور حقیقتاً کچھ نہیں رہا۔ اور کبھی تصوف حقیقتاً اور عملاً تصوف تھا۔ محض نام و نمود کا تصوف نہ تھا۔" (کشف المحجوب) اب ملاحظہ فرمائیں تصوف کے بارے آئمہ طریقت کے ارشادات۔

تصوف اور آئمہ سلاسل

سلسلہ قادریہ کے امام و پیشوا سید الاولیاء غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ (م۵۹۱ ھ) کی عظیم تصنیف' غنیتہ الطالبین' آپ کے مواعظ۔ فتوح الغیب' اور الفتح الربانی کا مطالعہ تصوف ار طریقت کی حقیقت و اہمیت سمجھنے کے لئے کافی ہے آپ فرماتے ہیں۔ "ہمیشہ کتاب اللہ۔ اور سنت رسول ﷺ کو پیش نظر رکھو۔ اور ان کے معانی اور مطالب کو سمجھو ار ان کے احکام کے مطابق عمل کرو۔ (غنیتہ و فتوح)

بہجة الاسرار میں آپ سے منقول ہے۔ "اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے زیادہ قریب راستہ' قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔ (بهجة الاسرار)

الفتح الربانی میں آپ فرماتے ہیں۔۔۔ "تصوف صفاء سے ہے' اونی لباس پہننے والو! تصوف میں سچا صوفی وہ ہے جو اپنے دل کو اپنے مولیٰ کے ماسوا سے پاک کرے اور یہ مقام مختلف رنگ کے کپڑے پہننے' چہروں کو زرد کر لینے اور کندھوں کو جھکا لینے 'اولیاء کرام کے واقعات زباں پر سجا لینے اور تسبیح و

تہلیل کے ساتھ انگلیوں کو ہلانے سے حاصل نہیں ہوتا' یہ مقام تو اللہ تعالیٰ کو سچے دل سے طلب کرنے' دنیا سے بے نیاز ہو جانے' مخلوق کو دل سے نکال دینے اور اپنے مولیٰ کے ماسوا سے الگ ہو جانے سے حاصل ہوتا ہے۔(الفتح الربانی)

سلسلہ چشتیہ کے امام و پیشوا' خواجہ خواجگاں حضرت معین الدین چشتی اجمیری ؒ (م ۶۳۳ ھ) فرماتے ہیں۔ "اس راہ طریقت و تصوف میں وہی کامیاب و صاحب مراتب ہوتا ہے جو شریعت پر ثابت قدم رہتا ہے اور اس کے احکام سے سرمو تجاوز نہیں کرتا۔"

سلسلہ سہروردیہ کے امام و پیشوا' حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ؒ (م ۶۳۲ ھ) فرماتے ہیں۔

"جس چیز کو شریعت قبول نہ کرے وہ بے دینی ہے۔" (عوارف المعارف)

سلسلہ نقشبندیہ کے امام و پیشوا خواجہ خواجگان شاہ نقشبند حضرت سید بہاؤالدین نقشبندی بخاری ؒ (م ۷۷۳ ھ) فرماتے ہیں۔

"ہمارا طریقہ طریقہ عروۃ الوثقی ہے یعنی سنت مصطفےٰ ﷺ پر عمل' اور آپ کے صحابہ کرام کے ارشاد کی پیروی کرنا ہے۔ اس طریقہ پر عمل قلیل سے بھی بہت سی برکات ہوتی ہیں لیکن سنت کی پیروی بہت اہم ضرورت ہے۔ جو شخص اس طریقہ سے منہ پھیر لے اس کے دین میں خطرہ ہے۔ (نفحات الانس)

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی ؒ (م ۱۰۳۵ ھ) کی تصانیف' بالخصوص آپ کے مکتوبات جو تین ضخیم جلدوں میں (پانچ سو چھتیس مکاتیب پر مشتمل ہیں اور تصوف و طریقت کے جملہ احوال و مقامات سے لبریز ہیں۔ تصوف کی حقیقت و اہمیت کو سمجھنے کے لئے ان کا مطالعہ بہت ہی مفید

ہے) آپ فرماتے ہیں:

"طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں ان کے درمیان بال برابر بھی فرق نہیں۔ طریقت کے تین اجزاء ہیں۔ ۱۔علم، ۲۔عمل، ۳۔اخلاص۔ طریقت و حقیقت یعنی تصوف تیسرے جز (اخلاص) کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں۔

(مکتوب ۴۳ جلد ۲۔ مکتوب ۴۰ جلد اول)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ ملفوظ مبارک، امام بخاری و مسلم روایت کردہ مشہور حدیث جبریل، کی تشریح ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے مجمع صحابہ میں انسانی لباس میں حضور ﷺ سے ایمان، اسلام، کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد، تیسرا سوال یہ کیا تھا کہ یا رسول اللہ! "احسان" کیا ہے؟ جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

اَن تَعبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنَّ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ط

اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہ دیکھ سکو تو یقین رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان۔ اسلام، کے بعد بھی لازماً کوئی ایسا عمل ہے جس سے ایمان اور دین اسلام کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ احسان ہے۔ محققین علماء اسلام، صوفیاء، مشائخ کرام کے نزدیک یہی احسان، تصوف اور طریقت کے نام سے مشہور ہے۔ اور حدیث پاک میں احسان کی تعریف کی پہلی کیفیت کو مشاہدہ۔ اور دوسری کو 'مراقبہ' کا نام دیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ ھ) اس حدیث کے تحت اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں رقم طراز ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"جان لو کہ دین اور دین کے کمال کی بنیاد و اساس، علم فقہ، علم کلام اور علم تصوف پر ہے۔ اس حدیث میں ان تینوں بنیادی مقامات کا بیان بڑی

وضاحت کے ساتھ سوال و جواب کی صورت میں کیا گیا ہے۔

اسلام' اشارہ علم فقہ کی طرف ہے جو اعمال و احکام شرعیہ کے بیان کا ضامن ہے۔۔۔ ایمان' اشارہ عقائد کی جانب ہے جو علم کلام و اصول کے مسائل ہیں۔۔۔ احسان' اشارہ اصل تصوف کی طرف ہے جس کا معنی ذات باری تعالیٰ کی طرف صدق دل سے متوجہ ہونا ہے۔۔۔ تصوف کے تمام مطالب و معانی جو مشائخ طریقت بیان کرتے ہیں ان سب کا ماخذ و مرجع' یہی احسان کا معنی و مفہوم ہے اور علم فقہ' علم کلام اور تصوف باہمی لازم و ملزوم ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر ان میں سے کوئی بھی کامل و مکمل نہیں ہو سکتا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ اپنی ایک کتاب مرج البحرین میں تصوف اور طریقت کے بارے اولیاء کاملین کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ اولیاء کاملین نے بالکل واضح اور صاف صاف لکھا ہے کہ

"ہماری طریقت کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے' جو ان کی مخالفت کرتا ہے ہمارے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہم اسے رسول اللہ ﷺ کے احکام کا منکر جانتے ہیں۔ اگر ذکر الٰہی' نماز' تلاوت قرآن پاک میں ذوق' حضور قلب اور خشوع و خضوع حاصل ہو تو فتح الباب کی اُمید رکھنا چاہیئے۔ اگر یہ چیزیں حاصل نہیں تو کچھ بھی حاصل نہیں۔ جو شخص قرآن و حدیث پر غور و فکر نہیں کرتا' علماء و فقہاء کی صحبت سے دور رہتا ہے وہ بے ادب ہے اور وہ تباہ و برباد ہو گیا۔" (مرج البحرین)

علماء شریعت و ارباب طریقت

علماء اور فقراءٗ دونوں شریعت کی پیروی کرتے ہیں اور شریعت اسلامیہ ہی کے علمبردار اور وفادار ہیں۔ نہ علماء حق' اولیاء اللہ اور فقراءٗ کے مخالف ہیں۔ اور نہ اولیاء اللہ اور فقراءٗ' علماء حق کے مخالف ہے۔ مرشدی سلطان المشائخ

حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنوی نیروی" (م ۱۳۹۵ ھ) علماء و اولیاء کے باہمی گہرے تعلق کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

"اولیاء اللہ، علماء حق کے شاگرد ہیں۔ اور علماء حق، اولیاء اللہ کے مرید ہیں۔"

یعنی ان دونوں گروہوں کے درمیان استاد شاگرد۔ اور پیرو مرشد کا رشتہ ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ علماء فقراء کی آپس میں کبھی نہیں بنتی۔ جاہلوں کا عقیدہ ہے۔ (حیات محی الدین غزنوی تالیف ریاض احمد صمدانی)

آخر میں تصوف کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کرنے کے لئے حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی" کے ایک نہایت ہی جامع مکتوب و ملفوظ پر مضمون ختم کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں آپ فرماتے ہیں۔

"سب سے پہلے ہر شخص کو اپنے نظریات و عقائد، اہلسنت و جماعت کے معتقدات کے مطابق درست کرنا بہت ضروری ہے اور جس قدر، ضروریات دینی، سے متعلق اُمور ہیں، ان سب کی تصدیق اہم و لازمی ہے۔

دوسرا ان تمام مسائل کا علم رکھنا فرض ہے جن کا متکفل "علم فقہ" ہے۔

تیسرا طریقہ صوفیاء یعنی تصوف کا سلوک بھی درکار ہے، اس غرض کے لئے نہیں کہ غیبی صورتوں اور شکلوں، اور مختلف رنگ انوار، کا مشاہدہ و معائنہ کریں، کیونکہ یہ سب غیر ضروری باتیں ہیں۔

کیا حسی اور ظاہری صورتیں اور کم ہیں کہ بندہ ان کو چھوڑ کر، ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ غیبی صورتوں اور انوار کی خواہش کرے۔ بلکہ طریقت و تصوف کے سلوک کا مقصد وحید صرف یہ ہے کہ شریعت کے بنیادی و اعتقادی امور میں، یقین کی زیادہ پختگی حاصل ہو جائے۔ تاکہ نظر و استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف و مشاہدہ کی کھلی فضا میں، آ جائیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف

مائل ہو جائیں۔

دوسرا اس کا مقصد یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے ادا کرنے میں آسانی ہو جائے اور وہ مشکل اور تنگی دور ہو جائے جو نفس امارہ کی سرکشی سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں' اور فقیر کا پختہ یقین ہے کہ تصوف اور طریقہ صوفیاء' حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے نہ کہ شریعت کا مخالف ہے۔"

تیسرا۔ تصوف کے سلوک اور تزکیہ نفس' تصفیۂ قلب سے مقصود و مطلوب' باطنی آفات اور دلی امراض کا دور کرنا ہے۔ جن کی نسبت قرآنی آیت۔ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ط (ان کے دلوں میں بیماری ہے) میں اشارہ کیا گیا ہے' تاکہ ایمان کی حقیقت و حلاوت حاصل ہو جائے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۱۰۔۴۶)

ساتویں صدی ہجری کے شہرہ آفاق صوفی حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ کا یہ شعر تصوف کی حقیقت کو کس قدر خوبصورت انداز میں بیان کرتا ہے:

پندار سعدی کے راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفٰے

اور

خلاف پیمبر کے راہ گزید
ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور ہمیشہ ہی ہر وقت خالق ارض و سماء کا ارشاد قرآنی بھی پیش نظر رہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

اسلام میں تصوف کی اہمیت

پیر سید محمد اشرف شاہ کاظمی
ڈائریکٹر امور دینیہ آزاد حکومت
ریاست جموں و کشمیر مظفر آباد

اسلام میں تصوف کی اہمیت

پیر سید محمد اشرف شاہ کاظمی

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔

ترجمہ:۔ وہ جو ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی محبت میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔

حمد و ثناء ہے اس معبود حقیقی اور محبوب برحق کی جس نے اولیاء کرام و صوفیاء عظام کے قلوب کو دنیا کی آلائش سے پاک کیا اور ان پر بے شمار انعامات فرمائے حتیٰ کہ وہ انوار رحمت بن کر برسے' درود و سلام ہو خاتم الانبیاء' سرتاج اصفیا' محمد مصطفےٰ ﷺ پر جنہوں نے محبت و معرفت سے تاریک دلوں کو منور کیا جس سے قلوب و ارواح کی دنیا جگمگا اُٹھی' خدا طلبی' خدا پرستی رشد و ہدایت اور عدل و احسان کی راہیں سب کے سامنے کھل گئیں۔

اور اسلام عقیدت ہو اہل بیت اطہار' صحابہ کرام' صلحاء و علماء ذی وقار پر جن کی نظر و عمل زہد و تقویٰ سے حقیقت اسلام سیلاب کی طرح موج در موج آبادی و ویرانہ عالم پر یکساں محیط ہوتی چلی گئی۔

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اسلام دنیا میں صوفیاء کرام کی پاکیزہ تعلیمات اور فاتحین اسلام کی بدولت پھیلا ہے یہ نورانی دل و نظر والے آفتاب کی طرح

قلوب و ارواح کی دنیا پر ابر نو بہار بن کر برسے اور ذرات کی طرح مخلوق نے ان پر اژدہام کیا۔

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
صنعت اُس کی ہے روح انسانی

جناب فضیلتہ الشیخ' بانی محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف' نے حضرت خواجہ پیر غلام محی الدین غزنوی" کے فیض روحانی و تصوف اسلامی کو ہمالہ صفات یونیورسٹی کی شکل دے کر' شریعت و طریقت اور جدید علوم کا ایک حسین امتزاج قائم کر کے ایک تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس نعمت پر ہم خدا کے شکر گزار اور احسان مند ہیں اس علمی و فکری تربیتی یونیورسٹی کے انتظام و نگرانی کے لئے ایک ماہر تعلیم' تجربہ کار' کہنہ مشق' مفکر و مدبر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کا انتخاب قابل تحسین قدم ہے۔ مولائے کریم استقامت عطا کرے۔

تصوف' اسلام کے مثالی نظام حیات کی ایک جھلک ہے۔ اسلامی تصوف کا آغاز نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ہوتا ہے' آپ کا غارِ حرا میں عبادت کرنا پھر غایت درجہ کی امانت و دیانت سے لے کر اسوہ حسنہ کے تمام اوصاف حمیدہ' بڑے مہربان اور رحم کرنے والی صفات یہ سب تصوف کی جان ہیں' خلافت راشدہ کا زمانہ خصوصاً جس میں تقویٰ' خدا خوفی' پرہیز گاری' محبت و عشق الٰہی' محبت رسول اور اخلاق حسنہ کے تمام پہلو موجود تھے وہ بھی تصوف کا ہی رنگ تھا۔

ارشاد باری ہے (ترجمہ) "ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں" یعنی رات ان کے لئے تاریک اور اُکتا دینے والی نہیں ہوتی۔

اسی طرح حضرت سلمان فارسی رض حضرت ابوذر غفاری رض اور حضرت

عمارؓ دور اول کے وہ نمایاں افراد ہیں جنکی پوری زندگی زہد و عبادت اور تزکیہ نفس کے لئے وقف تھی۔

تصوف: بعض اہل لغت نے تصوف کا مادہ استقاق الصفاء سے لیا ہے' جس کے معنی صفائی و پاکیزگی کے ہیں۔ اس تعریف کی رو سے تصوف ہر طرح کی ظاہری و باطنی آلودگی سے پاک و صاف کر کے اُجلا کرتا ہے۔

صاحب المنجد نے تصوف کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صفا سے مراد کسی شے کو صاف و اُجلا کر دینا ہے۔

صوفیاء کرام نے اپنے اپنے ذوق و وجدان و عشق کے مطابق تصوف کی تعریف کی ہے۔

معروف کرخیؒ فرماتے ہیں' تصوف حقائق کو گرفت میں لانا دقائق پر گفتگو کرنا' خلائق کے پاس جو کچھ ہے اس سے نا اُمید ہونا ہے۔

(تذکرة الاولیا' ص:۱۷۴)

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں' صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے صرف اللہ ہی کو پسند کیا ہے۔ (تذکرہ الاولیاء ص:۸)

سہیل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں صوفی وہ ہے جسکا دل کدورت سے خالی ہو اور تفکر سے پر ہو' اسکی آنکھ میں خاک اور سونا برابر ہو۔

(تذکرة الاولیاء ص: ۱۶۹)

عمر بن محمد سہروردیؒ فرماتے ہیں صوفی وہ ہے جو فقر و زہد سب پر حاوی ہو۔ (عوراف المعارف)

حضرت داتا ہجویریؒ فرماتے ہیں تصوف باطن کو مخالفت حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک کرنا ہے۔

اسلامی تصوف کی تمام اصطلاحات قرآن و سنت سے لی گئیں ہیں۔ مثلاً تزکیہ نفس' تزکیہ قلب' محبت الٰہی' حب رسول' رضاء الٰہی' اطاعت حق' توبہ'

صبر و توکل، رجاء، خوف خدا، تقویٰ، فقر، محاسبہ، اخلاص، امانت، خشیت۔

حضرت جنید بغدادی ؒ فرماتے ہیں۔ تصوف کی راہ وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن بائیں میں سنت رسول ہو وہ ان چراغوں میں راستہ طے کرتا ہے تاکہ شبہات کے گڑھوں میں نہ گرا رہے۔

ابوالحسن ؒ فرماتے ہیں تصوف حظِ نفس چھوڑنے کا نام ہے۔

ابو سہیل ؒ فرماتے ہیں تصوف اعتراض سے بچنے کا نام ہے۔

ابو محمد الجریری ؒ فرماتے ہیں تصوف نیکی سے مزین ہونے کا نام ہے۔ اور تمام بری عادتوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ اور دل اور روح کے متعلق امور کو تصوف کہا جاتا ہے۔ اور تمام بری عادتوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ اور باطن کے احکام کو تصوف کہا جاتا ہے۔ جیسے خدا۔و۔ رسول سے بہت زیادہ محبت رکھنا۔

بیعت:۔ تصوف میں بیعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

ترجمہ:۔ ”جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔“

مرشد کی صحبت:۔ مرشد کی صحبت سے تزکیہ نفس اور عملی تربیت حاصل ہوتی ہے۔

خلوت گزینی:۔ جسکا ثبوت حضور ﷺ کا غارِ حرا میں خلوت گزینی سے آثار قدرت پر غور اور عرفان الٰہی کا مشاہد فرمانا ہے۔

تصوف:۔ محبت خداوندی ہے اسکی طرف سے ہر تکلیف کو راحت اور ہر خار کو پھول سمجھ کر آگے بڑھانا ہے۔ (ہر کہ رسد از دوست نیکوست) پر راضی ہونا ہے۔

تصوف ایک اہم فریضہ عبادت ہے اور ذکر و فکر میں مصروف رہنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر

لیئے' اور فکر کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں۔"

دنیا اس وقت شدید مصائب کا شکار ہے۔ وہ بھوک و افلاس' دہشت گردی سے نجات اور ایٹمی جنگ سے تحفظ چاہتی ہے۔ ہمارے نزدیک اسکا علاج اور حل حضور ﷺ کے اس ارشاد میں ہے۔ (الخلق عیال اللہ) ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ یہی آفاقی نظریہ ہے' جس میں چھینا جھپٹی' ہوس ملک گیری اور کشت و خون' دہشت گردی' ایذا رسانی اور کمزور ضعیف کے حقوق غصب کرنے کا جنون ختم ہو سکتا ہے۔ صوفیاء کی زندگی' خدمت خلق امن و سلامتی کی شاہراہ اور چمکتا مینار ہے' اہل تصوف نے کہیں غریبوں' مسکینوں کو نفیس دسترخواں پر بٹھایا' کہیں مالداروں کو روکھی سوکھی اور لنگر عام سے روشناس کرایا کہیں رنگ و وطن کے بتوں کو پاش پاش کیا۔ کہیں تلوار کے ساتھ جہاد کی تعلیم دی کہیں نفس اور شیطان کے ساتھ جنگ کو جہاد اکبر قرار دیا' شاہنشاہوں کے درباروں سے لے کے فقراء تک فیضان نظر اور تعلیمات تصوف نے رنگ جمالیا۔

خانقاہی نظام میں نقشبندیوں کا جذب' چشتیوں کا وجد' سہروردیوں کا حق ہو اور قادریوں کا ذکر' مسلمانوں کے قلب و جگر کو جلا بخشتا ہے تصوف روحانی تجربات و مشاہدات پر مبنی ایک نظام ہے۔ جو تعلیمات اسلامی اور کیفیات ایمانی کا عملی تجربہ ہے۔ تصوف وہ علم ہے جو عقیدہ اور ایمان کی عملی تصدیق کرتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں میں نے یقین سے جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ صرف صوفیاء کا راستہ ہے باقی سب راستے بھکانے والے ہیں۔
ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں

در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ طریقت میں ابتدا ہی سے مکاشفات شروع ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ صوفیاء عین حالت بیداری میں ملائکہ اور انبیاء علیھم السلام کی ارواح طیبہ کی زیارت کرتے ہیں ان کی آواز سنتے ہیں اور ان سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔ (اَلْمُنْقَذُ مِنَ الضَّلاَلِ ص:۵۱)

حضرت شیخ عبداللہؒ تصوف کے سات اصول بیان کرتے ہیں۔

(۱)۔ کتاب اللہ سے مضبوط تعلق۔ (۲)۔ گناہوں سے نفرت۔

(۳)۔ رزق حلال (۴)۔ ایذا رسانی سے پرہیز (۵)۔ اللہ کی جانب رجوع

(۶)۔ صدق مقال (۷)۔ خدا اور اسکے بندوں کے حقوق کی ادائیگی

تصوف کی تعلیم سے انسان کے اندر ضبط نفس' حدود کی رعایت' ثابت قدمی' استقامت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

تصوف نے دنیا کو مخلص' بے ریا' باخدا' محبان رسول' متواضع' درد مند' غیور متوکل' قانع' صابر و شاکر' ایثار پسند' انسان دیئے' اگر خلافت راشدہ کے خاتمے کی صورت میں سیاست اسلام' ترجمان نہ رہی تو گدڑی پوش صوفیاء نے اسکی معیشت و معاشرت و اخلاق و تمدن اور آب و تاب کو قائم رکھا' مثلاً:

(۱)۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات جو کتابوں میں درج ہے' صوفیاء نے خانقاہوں میں اس پر عمل کر کے دکھایا۔ (۲)۔ صوفیاء کرام نے ہر زمانہ میں اسلام کے اخلاق اور روحانی نظام کو زندہ کر کے رکھا۔ (۳)۔ صوفیاء نے تبلیغ اور سیرت کی تعلیم کا فریضہ بڑھ چڑھ کر سرانجام دیا۔ (۴)۔ صوفیاء نے بادشاہوں' حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہا۔ (۵)۔ صوفیاء نے محبت خدا اور رسول کا درس دے کر قلبی طہارت و باطنی اصلاح کے ذریعہ عقل پرستوں اور فقہاء ظواہر پر اثرات چھوڑے۔ (۶)۔ صوفیاء نے ہر دور میں غیر اسلامی عقائد' شرک و بدعت کی تردید کی۔ (۷)۔ صوفیاء نے سرمایہ داری کے مقابلہ میں انفاق فی سبیل اللہ پر عمل کیا۔ (۸)۔ صوفیاء نے بادشاہوں کو دینداری کی

تلقین کی۔ (۹)۔ علماء نے کتابیں لکھیں صوفیاء نے کتابوں اور مسائل پر عمل کرنے والے آدمی پیدا کیئے۔

تصوف کے ادوار:

تصوف کا پہلا دور زہد و تقویٰ اور پرہیز گاری کا دور تھا یہ عہد رسالت اور عہد صحابہ و تابعین کا دور ہے اس دور ہی میں اصحاب صفہ، امام حسن بصریؒ، اویس قرنیؓ، امام زین العابدینؓ، سعید ابن مسیبؓ، طاؤس یمانیؒ، داؤد ابن دینارؒ، سلیمان تمیمیؒ وغیرہ تھے۔

تصوف کا دوسرا دور تبع تابعین کا تھا، محض فقہیت کا میلان تھا جس میں شریعت میں بھی تکلف آچکا تھا، تو اہل حق نے اخلاص فی العمل کی خاطر مجاہدہ نفس کی طرف رجوع کیا اس ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے انہیں بے خودی، کشف و کرامات کی باطنی صورتیں حاصل ہوئیں۔ اس مرحلہ میں تصوف میں رابعہ بصری، حبیب عجمی، مالک ابن دینار، فضیل بن عیاض، عبداللہ بن مبارک، ابراہیم بن ادھم، بشر حافی، شیبان راعی، ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، سری سقطی، جنید بغدادی، سہیل بن عبداللہ تستری رحمھم اللہ تعالیٰ تھے۔

تصوف کا تیسرا دور چوتھی، پانچویں صدی ہے۔ خواص باطنی احوال و اعمال سے گزر کر مقام جذب تک جا پہنچے، مشاہدہ حق تک رسائی حاصل کر لی۔ انہیں استغراق نصیب ہوا، اس دور ہی میں شیخ ابو سعید ابوالحسن خرقانی ابو بکر شبلی، امام غزالی شیخ، عبدالقادر جیلانی رحمھم اللہ تعالیٰ ہوئے۔

تصوف کا چوتھا دور، چھٹی و ساتوں ہجری حقائق تصوف پر بحث کا دور تھا۔ اس میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، شیخ عطارؒ، عارف رومیؒ، عبدالرحمٰن جامیؒ، کے کلام سے فروغ ہوا، حضرت ولی اللہ کے چاروں رستے علماء اعلیٰ ہیں قدر و منزلت و حق و صداقت کے حامل ہیں برصغیر میں حضرت شیخ

احمد سرہندیؒ، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، محدث دہلویؒ نے شریعت و طریقت کو یکجا کیا' حضرت مجدد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دو سمندروں (شریعت و طریقت) کو ملانے اور دو جماعتوں میں صلح کرانے کا شرف بخشا' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں اگر تو خدا کو صدق دل سے طلب کرے تو وہ تجھے آئینہ قلب عطا کرے گا' جس میں تو دنیا و آخرت کے تمام عجائبات کا مشاہدہ کرے گا۔ (غنیتہ الطالبین: ۹۲۷)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں' وراء عقل ایک اور راستہ ہے جس میں دوسری (باطنی) آنکھ کھل جاتی ہے اسکے ذریعے غیب کا ادراک ہوتا ہے مستقبل میں ظہور ہونے والے واقعات اور دیگر امور جن سے عقل قاصر ہے نظر آتے ہیں۔

حضرت خواجہ اجمیرؒ اور ان کا طریق دعوت
—— تاریخی تناظر میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
سابق ڈین / پرنسپل / پروفیسر عربی
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج
لاہور

حضرت خواجہ اجمیرؒ اور ان کا طریق دعوت تاریخی تناظر میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

برصغیر پاک و ہند میں دعوت حق اور اشاعت و تبلیغ اسلام کا کارِ خیر اہل تصوف و طریقت کا مرہون منت ہے۔ اس سرزمین میں آج اسلام کا جو کچھ بھی ہے وہ سراسر انہیں نفوس قدسیہ کی مساعی حمیدہ کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان نیک و برگزیدہ بندوں میں خواجہ خواجگان سید اجمیر حضرت معین الدین چشتی خصوصی اور نہایت ہی نمایاں مقام رکھتے ہیں' بتکدہ ہند میں ان کی تشریف آوری سے ایک عظیم الشان دینی اور سماجی انقلاب برپا ہوا جس کے اثرات کا سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔

یہ تاریخ حقیقت بھی محتاج وضاحت نہیں کہ شیخ حسین زنجانیؒ اور شیخ اسماعیلؒ محدث لاہوری اس سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کر چکے تھے مگر دعوت حق اور اشاعت دین کا نقطہ آغاز مخدوم امم مرشد لاہور حضرت سید ھجویری داتا گنج بخشؒ ہیں' شاعر اسلام محمد اقبال نے حقیقت کی ترجمانی کی ہے جب وہ فرماتے ہیں کہ

سید ھجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم

بند ہائے کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد

پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت(۱)

سر زمین پنجاب اور خاک لاہور کو اکسیر کرنے والے تو سیدنا ابوالحسن علی ھجویری ؒ ہی ہیں مگر جس ہستی نے برصغیر کے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کو دعوت حق اور تبلیغ اسلام سے روشناس کرا کر شرک و بت پرستی پر ضرب کاری لگائی وہ سیدنا خواجہ خواجگان شیخ الہندامام سلسلہ چشتیہ سید معین الدین حسن سجزی چشتی اجمیری ہیں اس لئے یہ کہنا حقیقت کی ترجمانی ہے کہ اگر برصغیر میں دعوت حق اور داستان اسلام کا سرعنوان مرشد لاہور سید ھجویری ؒ ہیں تو اس داستان دل پذیر کا دیباچہ خواجہ خواجگان سید اجمیر ؒ ہیں۔

جس طرح صاحب کشف المحجوب شریعت و طریقت کو الگ الگ خانہ میں رکھنے کے خلاف ہیں اور اہل طریقت کی دعوت اسلامی کو شریعت اسلام سے مختلف نہیں مانتے بلکہ حسنات آخرت اور حسنات دنیا کی حسین امتزاج کے

قائل ہیں اسی طرح خواجہ خواجگان بھی اپنے طریق دعوت میں سنت و طریق نبوی کی ہی پوری پوری پیروی کرتے ہیں۔ دعوت حق کا یہی نبوی طریق ہے جسے تمام اہل حق صوفیائے کرام نے اپنایا اور تبکدہ ہند کو نور اسلام سے روشن کر دیا' یہ بھی ایک عجیب اور قابل توجہ ظاہرہ (فینامنہ) ہے کہ اصحاب طریقت نے دعوت حق اور اصلاح اُمت کے ضمن میں سنت نبوی ﷺ کو ہمیشہ پوری طرح پیش نظر رکھا اور اس کو اپنا معمول بنایا اور تبلیغ اسلام اور اصلاح معاشرہ کے لئے حکمت قرآن کے ابدی اصول ثلاثہ کو نصب العین بنائے رکھا' انہوں نے فقہاء کی طرح قوانین و تعزیرات یا محض اجر و توبیخ کو کبھی نہیں اپنایا۔

اللہ جل جلالہ نے انسانیت کے نام اپنے پیغام آخریں کے حامل رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو طریق دعوت کے تین ابدی اصولوں پر کاربند ہونے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَن ﷺ (اپنے رب کے راہ حق کی دعوت کے لئے حکمت سے کام لیجئے' خوبصورت طریق سے وعظ و نصیحت فرمایئے اور جب دلائل سے قائل کرنا پڑے تو پھر وہ طریقہ اپنایئے جو بہترین اور سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔)

اس آیۃ وافی ھدایہ میں دعوت حق کے لئے جو تین اصول یا اسالیب دعوت اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے ان میں اہم' سب پر مقدم اور سب سے موثر طریقہ حکمت ہے۔ یہ حکمت کا اصول نہ صرف سب پر لازم اور سب سے موثر ہے۔ بلکہ یہ سب پر حاوی بھی ہے' موقع کی مناسبت سے فیصلہ کن مرحلے میں فیصلہ کن انداز گفتگو اپنانا یا فیصلہ کن عملی اقدام کرنا حکمت کے ضمن میں آتا ہے' وعظ اور نصیحت میں بھی حکیمانہ و مدبرانہ انداز اختیار کرنا چاہئے' دلائل دینے کا موقع ہو تب بھی حکمت و تدبیر اور حذر و احتیاط کے ساتھ دور اندیشی کا طریقہ اپنانا عین حکمت ہے' اسی لئے کتاب اللہ نے حکمت کو خیر

کثیر قرار دیا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (۳) (جسے حکمت عطا کر دی گئی تو اسے گویا بہت سی بھلائی عطا کر دی گئی۔)

لیکن کتاب اللہ اس بات کا بھی پابند بناتی ہے کہ دعوت حق اور تبلیغ اسلام کا کٹھن کام تربیت یافتہ افراد ہی انجام دے سکتے ہیں۔ اسی لئے دعوت حق اور اصلاح احوال کے لئے جن افراد کو چنا جائے انہیں پہلے اس کام کے لئے عملی طور پر خوب تیار کیا جائے اور اس کٹھن کام کے تمام نشیب و فراز پر مکمل عبور حاصل کیا جائے‘ رسالت مآب ﷺ نے مکی دور نبوت کے دوران میں دارارقم میں اور مدنی عہد رسالت کے دوران میں صفہ مسجد نبوی میں جماعت صحابہ کرامؓ کی خوب خوب تربیت فرمائی‘ ظاہر ہے فیضان نبوت کی تو ایک نظر ہی انسانوں کو فاروق حق بنا دیتی ہے مگر اصل بات سمجھنے اور ماننے کی یہ ہے کہ عملی تربیت ناگزیر ضرورت ہے‘ آنے والے کٹھن مراحل کے لئے اصحاب کمال کی تیاری ایک بنیادی ضرورت ہے‘ اسی بنیادی اور ناگزیر ضرورت کو حکیم اُمت شاعر اسلام نشہ درویشی کے ساتھ سرگرمی سے کام کرنا قرار دیتے ہیں تاکہ آنے والے کٹھن مراحل میں کوئی خدشہ یا دشواری حائل نہ ہونے پائے۔

بانشئہ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن!(۴)

دارارقم اور صفہ مسجد نبوی میں جو باکمال جماعت صحابہ کرامؓ نور نبوت کی نظر عنایت سے تیار ہوئی اور اسے تیار کرنے میں فیضان نبوی کی جو عنایت میسر رہی وہ ہم سب کے لئے ایک لمحہ فکریہ اور دعوت فکر ہے‘ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ انسان میں پہلی بار یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی ہمہ گیر تبدیلی یا

انقلاب عظیم مطلوب ہے تو پھر اس کے لئے تربیت یافتہ کارکنوں کی ایک جماعت تیار کرنا ہو گی' رسالت مآب ﷺ سے قبل تربیت و تیاری کی یہ اہمیت اور یہ انداز مفقود ہے اور بعد میں آنے والی تمام انقلابی تحریکوں کے سربراہ حضرت محمد ﷺ کے خوشہ چین اور پیروکار بننے پر مجبور نظر آتے ہیں' اس سنت نبوی اور دعوت کے نبوی طریق کو کتاب عزیز نے لازم ٹھہراتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:-

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنَ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (۵) (اگر ایسے ہو جاتا کہ ہر ایک جماعت سے ایک گروہ لے لیا جاتا تاکہ وہ دعوت دین کے کام کو کماحقہ سمجھ لیتے اور جب اہل اللہ متعلقہ جماعت کے پاس آتے تو انہیں خبردار کرسکتے تاکہ وہ باز رہ سکیں۔)

دعوت حق اور اشاعت دین کے ضمن میں حکمت دعوت کے بعد تربیت افراد کے باب میں یہ آیت قطعی ہدائت کا حکم رکھتی ہے اور ایسے کارکن تیار کرنے کی تاکید کرتی ہے جو آج کے دور کی زبان میں اپنے کام کے باکمال ماہر' متخصص اور سپیشلسٹ ہوں' تبلیغ دین کا کام کوئی معمولی کام نہیں' یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری اور عہد نبھانے کا عمل ہے اس عظیم الشان کام کے لئے دعوت حق کی حکمت قرآن کے اصول اثاثہ کو بھی پیش نظر رکھنا ہو گا اور اس کارِ خیر کے لئے متخصص بھی تیار کرنا ہوں گے' اہل طریقت خصوصاً خواجہ اجمیر اس پر مکمل طور پر عمل پیرا نظر آتے ہیں!

دعوت و تبلیغ کے ان رہنما قرآنی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم حضرات صوفیہ کرام و اہل طریقت خصوصاً حضرت خواجہ خواجگان کی عملی جدوجہد پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دعوت حق کے تمام عملی مراحل میں ان اصول و ضوابط پر پوری طرح کاربند رہے اس لئے وہ کامیاب

بھی ہوئے' ان کی مساعی حمیدہ بار آور ثابت ہوئیں اور ان کے اثرات و نتائج بڑے دور رس رہے' بالکل ایسے ہی جیسے دعوت حق کے نبوی طریق پر عمل کرتے ہوئے اسلامی شریعت اور طریقت کو دو الگ و متضاد چیزیں سمجھنے کے بجائے کھلے لفظوں میں یہ اعلان فرما کر کہ شریعت اور طریقت دراصل ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں جسے اسلام کہتے ہیں سید ہجویر حضرت داتا گنج بخشؒ اشاعت اسلام میں پوری طرح کامیاب ہوئے تھے اور خاک لاہور کے ساتھ ساتھ سرزمین پنجاب کو دین حق کی روشنی سے منور کر دیا تھا۔(٦)

رسالت ربانی کو بشریت تک پہنچانے کے لئے جو عملی مراحل انبیائے کرام علیہم السلام کو درپیش تھے اور جس انداز میں انہوں نے دعوت حق کا فریضہ انجام دیا حضرت خواجہ خواجگان سید معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ نے اسی سنت انبیاء کو اپنایا' خصوصاً خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا جو طریق دعوت تھا سید اجمیر کی عملی جدوجہد میں اس کے نقوش اور مراحل دکھائی دیتے ہیں۔

ہجرت سنت انبیاء رہی ہے' کیونکہ ہجرت دراصل وطن پرستی کے تصور کی نفی ہے' حب وطن تو انسانی فطرت ہے مگر قوم پرستی کی طرح وطن پرستی بھی تنگ نظری کی ہی ایک صورت ہے جو اللہ رب العزت کے منشا کے خلاف ہے' اس لئے تاریخ انبیاء پر طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سنت انبیاء رہی ہے' حضرت خواجہ خواجگان نے بھی اس سنت کو معمول بنایا اور اپنی موروثی جائیداد تک راہ اللہ قربان کر دی اور تحصیل علم اور پھر خدمت دین و ہدایت بشریت کے مشن پر نکل پڑے۔(٧)

سنت انبیاء اور خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات طیبہ میں سیر فی الارض سے عبرتیں جمع کرنے اور تجربات و مشاہدات سے معرفت الٰہی کی طرف گامزن ہونے کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے' خواجہ معین الدین چشتیؒ کی عملی زندگی میں سب تجربات و مشاہدات اور سیر فی الارض کا مرحلہ بہت اہم

اور نمایاں ہے، آپ نے اسلامی دنیا کے تمام علمی و ثقافتی مراکز کو نہ صرف چل پھر کر دیکھا بلکہ طلب و تحصیل علم کا فریضہ بھی انجام دیا، سمرقند، بخارا، بغداد، دمشق اور حرمین شریفین کے اہل علم سے استفاضہ بھی کیا اور سفر کے تجربات و مشاہدات سے استفادہ بھی۔(۸)

مجاہدہ نفس، عبادت و ریاضت اور انقطاع الی اللہ حق کی دعوت دینے والوں کی زندگی کا اہم معمول رہا ہے، چلہ کشی اسی معمول کا ایک مظاہرہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کوہ طور پر چالیس راتوں کی عبادت و ریاضت کا مرحلہ طے کیا، رسالت مآب ﷺ بھی نزول وحی کے آغاز سے قبل غارِ حرا میں معتکف رہے اور یہیں سے نور سرمدی کی وہ کرنیں پھوٹیں جنہوں نے کائنات ارض و سماء کو جگمگا دیا، اس قسم کی روحانی تربیت ایک ایسا تجربہ ہے جو داعی حق کے قلب و نظر دونوں کو منور و متحرک کر دیتا ہے، معرفت الٰہی کے حصول کا یہی عملی طریقہ ہے، مجاہدہ نفس، زہد اور ریاضت کے ضمن میں خواجہ اجمیرؒ کے معمولات اہل تصوف و طریقت کے لئے ایک سبق اور ایک عبرت کا حکم رکھتے ہیں، خوراک اور لباس کے علاوہ عبادت اور ذکر اللہ کے قابل تقلید نمونے ہیں جو صوفی کو دعوت دیتے اور اس کے لئے عملی رہنمائی کا سامان کرتے ہیں،(۹) کئی کئی دن فاقہ کشی اور لذات دنیا سے اعراض و اجتناب آپ کا معمول تھا،(۱۰) اپنے خلفاء و تلامذہ کو مجاہدہ نفس، زہد و ریاضت اور مشکلات زندگی کا خندہ پیشانی سے سامنا کرنے کی عملی تربیت دینے کے لئے ان کے ہمراہ مجاہدہ نفس اور عبادت و ریاضت میں شریک ہوتے اور رات بھر کی عبادت کے بعد جب دعا فرماتے تو زبان پر دعائیہ الفاظ رواں ہوتے "اے پروردگار ہماری عبادت قبول فرما اور اس میں اگر کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اس سے درگزر فرمانا" پروفیسر خلیق نظامی حضرت خواجہ اجمیری کی سادہ زاہدانہ زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "خواجہ اجمیری کی زندگی بہت سادہ لیکن دلکش تھی،

ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دوتہی میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا' پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی افطار میں میسر نہ آئی لیکن نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے معصیت کی سوت اس کی زندگی میں خشک ہو جاتی۔"(۱۱)

اگر ہم حضرت خواجہ خواجگانؒ کی زندگی جو سادہ مگر دلکش تھی' کی ان جھلکیوں کو رسالت مآب کی سیرت طیبہ اور ہیبت شخصی کے معلوم اور مسحور واقعات کے تناظر میں دیکھیں تو یہ یقین کئے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت خواجہؒ سنت نبوی اور سیرت طیبہ سے سرمو بھی انحراف نہیں کرتے تھے بلکہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات و معمولات پر حرف بحرف عمل کو اپنے لئے لازم تصور کرتے تھے' یہی وجہ ہے کہ آپ ہر خاص و عام اور ہر مسلم و غیر مسلم کے لئے قابل احترام اور موجب محبت و توقیر تھے' دعوت حق کے لئے نبوی طریق کو اپنانے کا باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان مساعی جمیلہ کو کامیابی سے سرفراز فرمایا اور بتکدہ ہند کے وسط میں ایسی شمع حق روشن کی جس کی کرنیں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک پھیلتی چلی گئیں' ہندوستان میںُ اس عظیم الشان خدمت اسلام کے طفیل آپ کو شیخ الہند اور سلطان الہند کے القاب سے نوازا گیا۔(۱۲)

سیرت نبوی اور آنحضرت ﷺ کے طریق دعوت سے یہ حقیقت بھی ظاہر و باہر ہے کہ تمام معبودان باطل اور اللہ رب العزت کے سوا کسی قوت باطل کو خاطر میں لانے کا عظیم عقیدہ توحید انسان کو عزت و ہمت اور شجاعت و ہیبت کا فولادی انسان بنا دیتا ہے' اور ہر کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی زبان سے نعرہ احد احد ہی بلند ہوتا ہے ا(۱۳) اللہ تعالیٰ کا یہ عشق سرمدی ماسوی اللہ کے تمام خطرات اور دبدبوں سے بے نیاز کر دیتا ہے اور رعب و ہیبت کی ایک محیر العقول ناقابل شکست قوت بنا دیتا ہے' پھر کوئی قوت و ترہیب یا کوئی ترغیب

اور تحریص اس کے پائے استقامت کو ہرگز متزلزل نہیں کر سکتی' ایسے میں وہ جاہ پرست زرداروں سے یہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم اگر یہ روئے زمین کے زرد سیم کو میرے پاؤں میں ڈھیر کر دیں یا زمین و آسمان کی بادشاہت مجھ پر نچھاور کر دیں تو بھی میرے پائے استقامت کو سرمو بھی متزلزل نہیں کر سکیں گے' یہی وہ اعلان تھا جو زبان رسالت مآب ﷺ سے ارشاد ہوا۔(۱۴) اور اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت بلبل شیراز کی نوائے شیریں نے نغمہ بکھیرا ہے:۔

موحد چو درپائے ریزی زرش
چہ شمشیر ہندی نہی برسرش

اُمید و ہراسش بناشد زکس
بریں است بنیاد توحید و بس!(۱۵)

عقیدہ توحید پر اسی پختہ ایمان نے خواجہ اجمیر کو قوت و عزیمت کا ایک کوہ گراں بنا دیا تھا جو پہلے بتکدہ ہند کو شرک و بت پرستی سے پاک کرنے کا عزم بالجزم لے کر برصغیر میں وارد ہوئے اور پھر مغرور و متکبر راجپوتوں کے دیس راجپوتانہ کے قلب و مرکز اجمیر میں ڈیرے ڈالنے کا تاریخی ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز فیصلہ فرمایا اور پھر عزم و توکل کے ساتھ اس فیصلے پر ڈٹ گئے' پھر انہیں نہ تو پرتھوی راج کی عظمت و شوکت مرعوب کر سکی اور نہ رائے پتھورا کا چھچھوراپن اور بچگانہ حرکات اپنے منصب و مشن سے باز رکھ سکیں۔ رائے پتھورا کے منگوائے گئے جادوگروں کا وہی حشر ہوا جو عصائے موسوی کے اعجاز ربانی کے مقابلے میں فرعونی جادوگروں کا ہوا تھا پھر وہ ایک چھچھوری حرکت کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہو گیا لیکن اس کا آقائے ولی نعمت بہت برہم

ہوا اور باز نہ آیا وہ داعی حق کو نہ صرف باز رکھنے میں بری طرح ناکام ہوا بلکہ اس ولی کامل اور درویش خدا مست کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ پر قہر خداوندی اور بددعا کا مقدر شدہ تیر بن گئے کہ "من ترا زندہ بدست لشکر اسلام بسپردم" (۱۶)۔ (جا میں نے تجھے زندہ ہی اسلامی لشکر کے ہاتھ میں دے دیا) پھر تاریخی جانتی ہے اور دنیا مانتی ہے کہ یہی پرتھوی راج جنگ میں ذلت آمیز شکست کے بعد گرفتار ہوا اور شہاب الدین غوری کے ہاتھوں یوں ذبح ہوا جس طرح بے بس فاختہ ذبح کی جاتی ہے!

رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہوا کہ کُلِّمُوْا اَلنَّاسَ عَلٰی قَدرِ عُقُوْلِهُمْ (لوگوں سے ان کی ذہنی و عقلی سطح کے مطابق ان سے گفتگو کیا کرو) اور آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ تَعْلَمُوالُغَةَ قَوْمٍ تَاء مَنُوْاَشَرَّھُمْ (کسی قوم کی زبان سیکھ لو تو ان لوگوں کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے) یہ اور اسی قسم کے ارشادات نبوی ہمیشہ اہل تصوف کے پیش نظر رہے ہیں' آنحضرت ﷺ نے کامل ترین انسانوں کی دارارقم اور صفہ مسجد نبوی میں اپنی نگاہ اعجاز نما کے فیضان سے تربیت فرمائی تھی' ان میں ہر کام اور ہر منصب کے لئے اصحاب کمال تیار ہو گئے تھے' سفارت کاری اور اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لئے نہات موزوں و فیصلہ کن اقدامات فرمائے اور نہائت موزوں و مناسب افراد کا تقرر فرمایا' ہادی برحق ﷺ کی یہ سنت اور آپ ﷺ کا طریق دعوت حضرت خواجہ خواجگان کی عملی زندگی میں بھی صحیح طور پر معمول بہ اور احسن طریق سے کار فرما نظر آتا ہے' جس پر واضح مثالیں شاہد عدل ہیں:

(ا)۔ جب آپ سرزمین ہند میں وارد ہوئے تو مرشد لاہور کے مزار پر حاضر ہوئے اور خاک پنجاب کو اپنے قدوم میمنت لزوم چومنے کا شرف بخشا' مخدوم امم کے مرزا مقدس کے قریب ایک حجرے میں چلہ کشی کے لئے فردکش ہوئے' یہ چلہ کشی خواجہ اجمیر کے لئے فیض ربانی کا ذریعہ بنی اور آنے والے

وقتوں کے لئے مفید اقدامات القا ہوئے' یہیں سے آپ نے لاہور یا دہلی کو اپنا مستقر بنانے کے بجائے اجمیر کو اپنا دارالہجرت قرار دیا' جس میں ایک تو یہ حکمت تھی کہ شہر اجمیر' جہاں جنوبی و شمالی ہند کی گزر گاہ تھا وہاں یہ پوربی اور پچھمی ہند کے وسط میں بھی واقع تھا' آگے چل کر اسی وسطی مرکز سے ہند کے گوشے گوشے میں دعوت حق کے لئے مشائخ چشت کا تقرر ہونا تھا' دوسری حکمت یہ تھی کہ مغرور اور متکبر راجپوتوں کے دیس میں برہمنیت کی پھیلائی ہوئی چھوت چھات کی وبا اس وقت چار سو غلاظت پھیلا رہی تھی اور بندگان خدا توحید باری تعالیٰ اور وحدت نسل انسانی کے پیغام مساوات کے لئے ترس اور تڑپ رہے تھے لیکن یہ کام اس اشارے کا منتظر اور محتاج تھا جو مرشد لاہور کے مزار کے قریب خواب میں سامنے آئے' خواب میں سید ھجویرؒ نے فرمایا کہ اگر راجپوتوں میں دعوت حق کو عام کرنا ہے تو پھر وہاں کے باشندوں کی بولی پہلے سیکھ لو کہ ختمی مرتبت داعی حق ﷺ کا یہی حکم ہے ملتان بہاولپور کے علاقے چونکہ سندھ اور راجپوتانے کے متصل ہیں اس لئے شہر پیراں' ملتاں میں ایسے معلم اور ایسی درسگاہیں میسر ہیں جہاں نہ صرف یہ بولی آپ سیکھ لیں گے بلکہ وہاں کا جغرافیہ' تاریخ اور ثقافت بھی معلوم ہو جائے گی' ایسے ہی رہنما اشارات اور الہامی ارشادات کے باعث جب سید اجمیر اپنا چلہ پورا کر چکے تو سید ھجویرؒ کو خراج عقیدت پیش فرماتے ہوئے گویا ہوئے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما(۱۷)

خواجہ اجمیرؒ کی زبانی سید ھجویرؒ کی عظمت کا یہ بڑا ہی معنی خیز اور پر مغز اعتراف تھا' اس میں کشف المحجوب کی مقام علم و معرفت کا بھی اعتراف ہے جو

ہر ناقص اور ہر کامل کے لئے رہنمائی کا سامان ہے اور ساتھ ہی صاحب کشف المحجوب کی عظمت و تمکنت اور بتکدہ ہند میں نور خدا دین اسلام کی اشاعت کی پیشین گوئی بھی ہے جو آگے چل کر ہند کے گوشے گوشے میں نور اسلام پھیلانے کے لئے مشائخ چشت کی مساعی حمیدہ اور خاک لاہور میں ۱۹۴۰ء میں مسلمانان ہند کی قرار داد پاکستان کی شکل میں پوری ہونے والی تھی اور خواجہ اجمیر کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ "گنج بخش فیض عالم" میں فیوض حق کی اشاعت کے جو خزانے پوشیدہ ہیں ان کی تحقیق ابھی باقی ہے جو کبھی قیام پاکستان کی صورت میں، تو کبھی چچا سام کے اشارے سے اندرا گاندھی کی حریصانہ اور منتقمانہ نظر سے پاکستان کو بچالینے کی صورت میں اور کبھی ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء میں ایٹمی پاکستان کے ظہور کی صورت میں سامنے آتے رہیں گ اور انشاء اللہ قیامت تک یہ ظہور پذیر ہوتے رہیں گے!

(۱) رسالت مآب ﷺ خطرات کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب جنگ میں شدت آجاتی تھی اور معرکہ کارزار گرم ہو جاتا تھا تو ایسے میں ہم رسول اللہ ﷺ کے سایہ شجاعت و عافیت میں پناہ لیتے تھے کیونکہ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی ثابت قدم رہنے والا نہ ہوتا تھا، غزوہ حنین میں جب سب لشکری بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ وسط میدان میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے تھے اور زبان معجز بیان پر یہ الفاظ رواں تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ!

اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلب

(میں بلاشبہ اللہ کا نبی ہوں میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔) آنحضرت ﷺ بے خطر ہولناک خطرات میں کود پڑتے تھے، ایک مرتبہ ایک ہولناک و

گرجدار آواز نے اہل مدینہ کو ڈرا دیا' لوگ جب بڑی سوچ کے بعد ہولناک آواز کی جانب نکلے تو آپ ﷺ ننگے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار تلوار لٹکاتے اس خطرے کی جانب سبقت کر کے واپس بھی آ رہے تھے اور سچ بات تو یہ ہے' کہ جو شاعر کی زبان حق ترجمان سے ادا ہوئی ہے۔

تمنا آبرو کی ہو' اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر' زندگی کرنے کی خو کر لے

یہ وہ دور تھا جب اجمیر کے گردو پیش ہولناک خطرات منڈلا رہے تھے اور مشکلات کا ایک طوفان بلاخیز زیرپا تھا اس لئے اجمیر دعوت حق کے لئے بظاہر بالکل موزوں نہ تھا' مگر سنت و تعلیم مصطفیٰ ﷺ سے سرشار یہ درویش خدا مست بے خطر اس آتش احوال میں کود پڑا' بقول حکیم امت

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی(۱۸)

الغرض راجپوتانے کی اس پر خطر اور پر خار سرزمین کو بجستان سے آنے والے اس سید زادے مبلغ اسلام نے منتخب کر لیا حالانکہ لاہور نہ سہی کہ یہاں پر تو گنج بخش کا فیض جاری و ساری تھا مگر دہلی تو ابھی نئی نئی اسلام شناس ہوئی تھی' ابھی مسلمان وہاں بالکل اقلیت میں تھے مگر خواجہ غریب نواز نے اُچھوت قوم کے غریبوں کو دولت اسلام سے نوازنے کا فیصلہ فرمایا اور آنے والے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ ایک فیصلہ کن اقدام اور بڑا دور رس فیصلہ تھا جو شیخ الہند نے فرمایا' بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی ؒ ایک ایسے زبردست سیاسی

اور مذہبی مرکز میں قیام کا فیصلہ نہ صرف خواجہ صاحب کے عزائم کی ترجمانی کرتا ہے۔ بلکہ ان کی غیر معمولی خود اعتمادی کا بھی آئینہ دار ہے۔"(۱۹)

البیرونی کا خیال یہ ہے کہ ہندو معاشرہ چونکہ بے شمار ذاتوں میں بٹا ہوا ہے' اور طبقاتی تقسیم الگ ہے اس لئے یہ تقسیم و تفریق مسلمان معاشرے کی مساوات اور یگانگت سے بالکل لگا نہیں کھاتی بلکہ یہ وہ خلیج ہے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان حائل ہے' (۲۰) مگر ابو ریحان بیچارہ ایک ریاضی دان اور ماہری ہیئت و فلکیات تھا' اسے کیا خبر کہ جسے وہ خلیج سے تعبیر کرتا ہے وہی ایک منفذ و رخنہ ہے جہاں سے ہندو معاشرے پر اسلامی وحدت و مساوات کی یلغار ہو سکتی ہے! بقول شاعر:

فرق است میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنو!(۲۱)

سید سادات ہند نے ان خطرات کی پرواہ نہ کی اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر شمع اسلام کو روشن کر دیا اور ایسا روشن کیا کہ جس کی تابانی مشائخ چشت کے جلو میں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی' برصغیر میں آج اسلام کا جو کچھ بھی ہے وہ انہیں نفوس قدسیہ کی مساعی حمیدہ کا صدقہ ہے! پروفیسر خلیق نظامی کی یہ رائے بالکل صائب و مسلم ہے کہ عقیدہ توحید پر پختہ ایمان سے وحدت نسل انسانی اور معاشری مساوات کا جو اسلامی تصور اُبھرتا ہے وہ ایک انقلابی تصور ہے' فرماتے ہیں: "حضرت شاہ معین الدین چشتیؒ نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اس نظریہ توحید کو عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف تخیلاتی چیز نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جسے تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے'

دراصل یہ ایک زبردست سماجی انقلاب کا اعلان تھا!" (۲۲)

(۳) صلح حدیبیہ کو ظاہری آنکھیں کفار مکہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے مترادف خیال کر رہی تھیں مگر وحی ربانی نے جنگ اور خوں ریزی پر صلح و امن کو ترجیح دینے کے اس اقدام کو فتح مبین قرار دیا۔ (۲۳) پھر شاہان عالم کو رحمتہ للعالمین کا پیغام حق اور دعوت اسلام خطرات کو دعوت دینے کے مترادف لگتا ہے مگر یہ دراصل پیغام اسلام ہی نہیں پیغام امن و سلامتی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کی عالمگیریت و وسعت کا بھی اعلان تھا' دعوت حق اور اشاعت دین کا یہ نبوی طریق جہاں عالمیت اسلام کا آئینہ دار ہے وہاں پیغام امن و سلامتی اور صلح و محبت پر بھی دلالت کرتا ہے' اسلام کی یہی امتیازی شان ہے جو اسے تمام ادیان عالم میں انفرادیت عطا کرتی ہے۔

حضرت خواجہ خواجگان ؒ نے بھی برصغیر میں اس پیغام حق کو عام کرنے کے لئے اس سنت و طریق نبوی کو اپنایا' ھند کے اکناف و اطراف میں خلفاء و مبلغین کا تقرر و تعین دراصل اسلام کی وسعت فروغ عمومیت کا آئینہ دار تھا' دہلی میں آپ کے خلیفہ شیخ قطب الدین بختیار ؒ کاکی کی قبولیت سے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ بہت خار کھاتے تھے' ان کے اشارے سے خواجہ اجمیر ؒ جب اپنے اس خلیفہ کو دہلی سے ساتھ لے کر نکلے تو بادشاہ سمیت اہل شہر نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور انہیں واپس لانے پر اصرار کیا تو آپ نے دوبارہ اجازت فرما دی' اس سے شیخ صغریٰ ؒ کے جذبات بھی ٹھنڈے پڑ گئے اور حضرت کاکی ؒ کی مقبولیت میں بھی اضافہ ہو گیا' یوں خواجہ اجمیر کی اس حکمت عملی سے مشائخ کے لئے دعوت حق اور اشاعت دین کا کام اور بھی آسان ہو گیا۔ (۲۴)

المختصر یہ کہ انسانیت کی سیرت سازی' اصلاح معاشرہ اور دین رحمت و مساوات کی اشاعت و تبلیغ کے لئے دعوت حق کے جس امن پرور اور ایمان افروز طریق نبوی کی مکہ مکرمہ کے دارارقم اور مدینۃ المصطفیٰ ﷺ کے صفہ

مسجد نبوی میں بنیاد پڑی تھی اسے صوفیہ کرام اور اصحاب طریقت نے نہ صرف زندہ و پائندہ رکھا بلکہ اپنے لئے حرز جاں بنا کر ایک مستقل و مسلسل تحریک کی شکل دے ڈالی' اولیائے کرام کے اختیار کردہ دعوت حق کے اس نبوی طریق میں مجاہدہ نفس سے لے کر معاشرہ سے مناکیر و فواحش کی مکمل بیخ کنی کے لئے جہاد اکبر تک کے تمام مراحل کار فرما ہیں' اور ان نفوس قدسیہ نے اسے ایک
جہاد اکبر تک کے تمام مراحل کار فرما ہیں' اور ان نفوس قدسیہ نے اسے ایک
مسلسل تحریک کی شکل میں جاری و ساری رکھا ہوا ہے' چنانچہ اسلامی فتوحات کے سیل رواں نے جہاں جہاں اسلامی حکمرانی قائم کی ان تمام خطط و ممالک میں دین رحمت و مساوات کی اشاعت کا فریضہ انہی کا مرہون منت رہا ہے' تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ حکومت اور اشاعت دین کے دو الگ الگ سلسلے تھے جو متوازی چلتے رہے' یورپی استعمار اور عیسائی مشنریوں کی مشترکہ یلغار اور کارگزاری دراصل اس اسلامی تاریخ کی خوشہ چین ہے' فرق صرف یہ ہے کہ یورپی سامراجی اور عیسائی مشنریاں خفیہ مگر مکمل تعاون پر رواں دواں ہیں مگر مسلم حکمرانوں میں سے بعض تنگ نظر اور کوتاہ اندیش اہل طریقت کے ان سلسلوں کو اپنا مد مقابل تصور کر بیٹھتے رہے ہیں' بہر حال بالا ستسنانائے اندلس ہر جگہ یہی صورت حال کار گر، کار فرما نظر آتی رہی کہ پر امن اشاعت اسلام اہل طریقت کی مرہون منت رہی اور اس کی نمایاں ترین مثال سرزمین ہند میں اشاعت اسلام اور اس دعوت حق کا سرعنوان اگر سید ہجویر" ہیں تو سنہری تمہید طولانی کا سہرا خواجہ اجمیر" کے سر بجتا ہے' یہ تاریخ ساز کردار اللہ تعالیٰ کے ان دو ولیوں کے حصے میں آتا ہے کہ "مرشد لاہور" نے لاہور کو ہمیشہ کے لئے اسلام کا دھڑکتا ہوا دل بنا دیا اور "شیخ الہند" نے مشائخ چشت کی جو تحریک شروع کی اس نے برصغیر میں دعوت اسلام کو عام کر دیا۔

صوفیہ کرام کے دربار ہر قسم کے تفرقہ و امتیاز سے بالا سب کے لئے کھلے ہوتے تھے' جو آئے ہدایت پائے برہمن کے طبقاتی نظام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے مظلوم و مقہور انسان پیغام رحمت و مساوات سے سرفراز ہوتے تھے' مگر یہ انسان تو آج بھی جکڑے ہوئے ہیں اور مشائخ چشت کی تحریک بھی رواں دواں ہے' سرزمین ہند سے پیغام مسرت لانے والی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے محمد مصطفیٰ ﷺ نے محسوس فرمائے تھے ان کے محقق ہونے کا وقت بھی ابھی آنا ہے اور یہ آ کر ہی رہے گا' دیکھنا صرف یہ ہے کہ مرشد لاہور اور خواجہ اجمیرؒ کے نام لیواؤں اور پیروکاروں میں سے کون اُٹھتا ہے اور اس خطے کے مظلوم و مقہور انسان کو عزت و آزادی اور اخوت و مساوات کا پیغام کب اور کیسے سناتا ہے؟ کیونکہ برصغیر میں غلبہ اسلام کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے اور یہ ہو کر رہے گا' وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!!

مصادر و حواشی

۱۔ علامہ محمد اقبال کلیات فارسی ص ۱۷۳

۲۔ سورہ النحل : ۱۲۵

۳۔ سورہ البقرہ: ۲۶۹

۴۔ کلیات اقبال فارسی ص ۲۷۲

۵۔ سورہ التوبہ: ۱۲۲

۶۔ مقدمہ کشف المحجوب

۷۔ انوار اولیاء از رئیس احمد جعفری ص ۲۲۶

۸۔ انوار اولیاء ص ۱۹۰۳۔۱۹۳

۹۔ ایضاً ۱۰۔ ایضاً ۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ تاریخ مشائخ چشت از خلیق نظامی ۱/۱۴۷

۱۳۔ ترجمہ طبقات ابن سعد ۴/۱۱۰

۱۴۔ ایضاً ۱/۲۰

۱۵۔ گلستان سعدی ص ۶۱۹

۱۶۔ تذکرہ مشائخ چشت ص ۱۱۹ انوار اولیاء ص ۲۸۸' سیرالاولیاء ص ۳۳

۱۷۔ تذکرہ مشائخ چشت ص ۱۱۷

۱۸۔ کلیات اقبال اردو ص ۱۵۱

۱۹۔ تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۱۹۳

۲۰۔ کتاب الندص ۶۱۲

۲۱۔ تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۱۴۰

۲۲۔ ایضاً ۲۳۔ سورہ الفتح: ۱

۲۴۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۰

تبلیغ دین اور اشاعت تصوف
خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کا کردار

ڈاکٹر محمد شریف سیالوی
چئیرمین شعبہ عربی
بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی
ملتان

تبلیغ دین اور اشاعت تصوف میں خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کا کردار

ڈاکٹر محمد شریف سیالوی

تاریخ تصوف اور روحانی انقلابی تحریکوں میں سلسلہ نقشبندیہ کا عظیم الشان کردار ہے۔ عالم اسلام از غرب تا شرق اس سلسلہ کے کامیاب روحانی تجربات کا شاہد ہے۔ گیارہویں صدی میں اس سلسلہ کی سرگرمیاں اور تبلیغ مساعی تمام بلاد اسلامیہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ خواجہ ھاشم کشمی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے موسس شاہ نقشبندؒ کی فیض رسائیوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ماوراء النہر کے تمام تشنہ لب آپکی رحمت خاص کی نہر سے سیراب' ترکستانیوں کے دل آپ کے جذبہ اخلاص سے ترکتاز' کاشغر والوں کی مشام جاں آپکی نافہ نسبت روح سے معطر' ختن والے آپکے آفتاب ہدایت سے منور' ساکنان عراق کی عروق جان آپکے اخلاص کی جبل متین سے مضبوط متیقن' شام والوں کے دل آپکی چودھویں رات کی روشنی سے روشن' مصر آپکی برکات کی مٹھاس سے شیریں کلام' اہل روم بحکم آیہ (اذا غلبت الروم) آپکے مغلوب محبت' سیستان زابلستان میں آپکی شہرت و ناموری ایسی گویا نصف النہار کا سورج' کابل و کشمیر آپ کے رخسار مبارک سے رشک کے باعث ارغوانی و زعفران زار' اہل مملکت ہندوستان مانند طوطی شیریں مقال آپ جیسے تاج

الرجال کی مدحت میں نغمہ سنج (۱)

یہ حقیقت ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ میں قلب و روح کی پاکیزگی کا مربوط قابل عمل نظام موجود ہے۔ اسکی افادیت' نتیجہ خیزی اور جامعیت آج کے بھٹکے ہوئے' مادیت پرستی کی دلدل میں دھنسے ہوئے پریشان فکر انسان کے لئے اُمید افزا اور مژدہ جانفزا ہے۔ اس ادارہ نے "قصر عارفان" سے روحانی شخصیات کی ایک بڑی کھیپ تیار کی۔ ان کے دلوں کی کائنات یا دالٰہی سے آباد ہو گئی۔ پیشانیاں سجدوں کی لذت سے آشناء ہوئیں' آہ سحرگاہی اور گریہ ہائے نیم شبی کی روایات نے جنم لیا' روحانی برادری اور انسان دوستی کی قدروں کو عروج ملا اور معاشرہ میں اخلاص و مودت کی بہار آئی۔

یہ صوفیاء کا ہی طبقہ ہے جس نے ہر دور میں دکھی دلوں کو سہارا دیا۔ نفرتوں کے اندھیروں میں محبت کے دیپ جلائے' انتہاء پسندی اور تشدد کی فضاء میں اعتدال اور رواداری کی مثالیں قائم کیں۔

ڈاکٹر عبدالحسین زریں کوب کی رائے بڑی صائب ہے' لکھتے ہیں:

"در دورہ کہ فتوحات اسلام خاتمہ یافتہ و بسبب ضعف و فتور خلفاء و سلاطین غزوہ و جہاد در امر نشر اسلام توفیقی نداشت متصوفہ در ترویج اسلام اہتمام کردند چنانکہ تاثیر وجود مشائخ چشتیہ' شطاریہ و نقشبندیہ در نشرو بسط اسلام بین ہندواں و اقوام دیگراں بہ مراتب بیش از تاثیری بود کہ غازیاں مجاہداں سابق درایں موارد داشتہ اند ترویج برادری دربین مسلمین و تمسک بہ اُخوت واقعی و رعایت مواساہ و ایثار راز اموریست کہ رنگ خاص بہ تربیت صوفیہ و تشکیلات سلاسل و خوانق آنہاد ادہ است در احوال و اخبار صوفیہ مکرر آمدہ است کہ یاران طریقت دوستاں را بہرہ مندی ازمال خود مقدم داشتہ اند" (۲)

اس مہتمم بالشان سلسلہ صوفیہ کے موسس اور بانی کا اسم گرامی محمد بن

محمد البخاری تھا۔ کنیت بہاء الدین اور لقب نقشبند تھا۔ ۴ محرم ۷۱۸ھ بروز دو شنبہ وقت بعد نماز عصر بخارا سے ایک فرسنگ دور "قصر عارفان" میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب پچیس واسطوں سے حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ حضرت امام حسن عسکری کی اولاد میں سے تھے۔

آپکے دادا پیر حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ جب بھی "قصر عارفان" سے گزرتے تو فرماتے۔" مجھے یہاں سے ایک مرد حق کی خوشبو آتی ہے۔" چنانچہ جب آپکی ولادت ہوئی تو آپکے والد گرامی نے اس فرزند کو حضرت خواجہ بابا محمد سماسیؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ نے بکمال شفقت انہیں اپنی فرزندی میں قبول کر لیا۔

روحانی تربیت کا اہتمام خواجہ محمد بابا سماسیؒ نے ابتداء میں تو خود کیا۔ پھر انہیں اپنے خلیفہ اکبر خواجہ سید امیر کلال کے سپرد کیا اور تاکیداً فرمایا۔" میرے اس بیٹے کی تربیت اور شفقت میں کوئی کمی نہ چھوڑنا۔ حضرت سید امیر کلالؒ نے ۱۲ رجب ۷۴۲ھ بروز چہار شنبہ وقت عصر خلافت سے نوازا۔ آپ کی یہ نسبت طریقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بواسطہ قاسم بن ابی بکرؓ ملتی ہے۔ اویسی طریقہ میں آپ نے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے فیض پایا۔(۳)

وصال ۱۵ جمادی الاولی ۷۹۱ھ کو ہوا۔ مزار مبارک بخارا جدید میں ہے۔ خواجہ علاء الدین عطار' خواجہ محمد پارسا' خواجہ علاء الدین غجدوانی' خواجہ مولانا یعقوب چرخی علیھم الرحمتہ آپکے خلفاء کبار ہیں۔(۴)

آپ نقشبند کے لقب سے معروف ہیں۔ اس بارے متعدد روایات ملتی ہیں۔ ایک رائے کے مطابق نقشبند کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کے والد مکرم کمخواب بافی کرتے تھے اور اس پر نقش و نگار کرتے یوں آپکا نام نقشبند مشہور ہو گیا۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اللہ نے آپکو یہ سعادت بخشی تھی کہ

پہلی ہی صحبت میں سالک کے دل سے ماسوی کا نقش مٹا کر اللہ تعالیٰ کا نقش دل پر جما لیتے۔ اہل سلوک فرماتے ہیں کہ نقشبند لقب از جانب غیب اور آسمانی تھا۔ متذ کرۃ دونوں وجہیں بھی درست ہیں۔ ایک یہ کہ جب کسی طالب کو ذکر قلبی کی تعلیم فرماتے تو اسکے قلب پر اللہ کا نقش بٹھا دیتے تھے۔ اور یہ اس قدر قوی ہوتا کہ عوارض قلیلہ سے زائل نہ ہوتا۔ دوسرا یہ کہ آپ ابتداء میں ہر مرید رشید کے قلب کے آئینہ پر کامل تصرف اور مکمل توجہ سے نقوش کونیہ کی راہ بند فرما دیا کرتے تھے۔ اور اس طرح صورتوں کا نقش ذکر قلبی میں مخل نہ ہوتا۔(۵)

حضرت خواجہ نقشبند خلق نبوی کا شیوہ اپناتے ہوئے مہمانوں اور درویشوں پر خرچ کرنے میں بڑی سعی فرماتے تھے۔ خود بنفس نفیس مہمان اور اس کی سواری کی خدمت کرتے۔ مزاج کی اس تمام لطافت کے باوجود کہ سورج چمک رہا ہوتا اور آپ زراعت میں سعی بلیغ فرما رہے ہوتے۔(۶)

مولف نسمات لکھتے ہیں۔ ابتداء میں تو حضرت خواجہ کے مزاج میں اتنا خشوع اور خاکساری تھی کہ قوت بشری سے بھی بعید۔ یہاں تک کہ زخمی خارش زدہ کتے کو بھی اگر دیکھ لیتے تو جبکہ دوسرے لوگ اسکے پاس جانا پسند بھی نہ کرتے۔ آپ اپنے دست مبارک سے اُسے دھوتے اور اس پر مرہم رکھتے۔(۷)

اتباع سنت' عزیمت پر عمل اور بدعات سے احتراز آپکی نمایاں خوبیاں تھیں۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ نے خوابؒ میں ہدایات دیں تو فرمایا:

"درہمہ احوال قدم برجادہ امرونہی' و عمل باعزیمت و سنت بجا آوری و از رخصت ہاو بدعت ھادور باشی و دائما احادیث مصطفیٰ ﷺ را پیشواری خودسازی و متفحص و متجس اخبار و آثار رسول ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ عنھم او باشی"(۸)

حضرت مولانا جامیؒ نے آپ کے اخلاق و احوال قلبی کے ساتھ ولادت ووصال کی تاریخوں کو ایک رباعی میں یوں نظم فرمایا:(۹)

رو ہمگی جذب شہ مطلبی
جملہ ادب و خلق ز خلقش طلبی
چوں، سال و لادتش ز آداب و زجذب
تاریخ و صالش طلب از خلق نبی

بقول حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ آپ اتباع سنت میں جنید بغدادیؒ اور جذبہ میں بایزید بسطامیؒ کے مثل تھے۔

ابو الوقت دو عالم قطب ارشاد
بہاء الدین کہ دیں شد از وی آباد
ز سنت در جنید افگندہ آشوب
بہ جذبہ بایزیدش آستاں روب

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ خواجہ نقشبند کو جذبہ طریق کمال حضرت بایزیدؒ سے وراثت میں ملا اور صحو حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کی نسبت سے پہنچا۔

ہمیشہ آپ کے عمل کی بنیاد عزیمت و اتباع سنت پر رہی۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ کی روحانیت نے ابتدائی سلوک و ہدایت جذبہ ہی میں آپکو اسکا حکم فرمایا تھا کہ ہر حال میں سنت و عزیمت کی مضبوط رسی کو پکڑے

رہیں۔ اور بدعت و رخصت سے کلیتہ دور رہیں۔ اور دیندار علماء سے احادیث رسول ﷺ اور حضرات صحابہ کرام کے آثار برابر دریافت کرتے رہا کریں۔(۱۰)

ایک بار کسی نے دریافت کیا کہ آپکو کس چیز سے شناخت کریں اور کیسے پہچانیں' فرمایا طریقہ ماعروۃ الوثقٰی است چنگ در ذیل متابعت حضرت رسالت ﷺ زدن است و اقتداء بآثار صحابہ کرام کردن است۔(۱۱)

حضرت خواجہ نقشبند کے ملفوظات جو آپکے خلفاء نے مرتب کیئے اور مشائخ سلسلہ جنہیں سینہ بہ سینہ روایت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ تربیت و سلوک کے باب میں مینار نور ہیں۔

فرمایا:۔

مقصود از ذکر آنست کہ بہ حقیقت کلمہ توحید برسد
و حقیقت حکم آنست کہ از گفتن ماسوی بہ کلی نفی شود(۱۲)

فرمایا:۔

"نفی وجود نزدما اقرب طریق است و ایں جز بترک کاروبارو دید قصور اعمال میسر نشود۔"

فرمایا:۔

در عبادت طلب و جواداست و در عبودیت
تلف وجود تاھستی مابابا است ہیچ عمل نتیجہ نہ دھد

فرمایا:۔

الایمان عقد القلب بنفی جمیع ماتولھت القلوب
الیہ من المنافع والمضار سوی اللہ تعالیٰ۔(۱۳)

سلسلہ نقشبندیہ اور اصول تربیت کے موضوع پر خواجہ نقشبند کے حوالے سے مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت نور الحسن المعروف نور میاں فرماتے ہیں۔

"بزرگان نقشبندیہ میں نسبت صدیقی کا ظہور ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ اقرب الطرق اور سہل الوصول بہت ہے۔ کہ معلومات صدیقی شاہد اس معنی کے ہیں اور نسبت صدیق اکبرؓ کی ابراہیمی تھی اور ضمنیت کبری حاصل تھی کہ

مَاصَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ شَیًا اِلاَّ صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکَرْ

لہٰذا لقائی سینہ بہ سینہ حضرات نقشبندیہ سے شائع ہوا اور نسبت معیت روشن ہوئی۔" (۱۴)

اس بیان میں اس امر کی وضاحت ہے کہ ہر صوفی سلسلہ کی حقیقت نسبت ولادیت ہے جو حضور سرور عالم ﷺ کے ساتھ قائم ہوئی ہے۔ چونکہ تصوف میں اخلاق فاضلہ کی تصحیح صرف اتباع سرکار الانبیاء ﷺ سے ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ آپکی فردیت کامل و مکمل ہے۔ آپ تمام انبیاء کی صفات کا مجموعہ اور مخزن ہیں۔ اولیاء اللہ آپکی اتباع میں گامزن ہو کر آپکی فردیت کاملہ کی کوئی جہت یا کوئی صفت انکے قلوب پر منعکس ہوتی ہے تو نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ یہ نسبت اس ولی منتسب اتباع سنت سے جاری ہوتی ہے۔ (۱۵)

حضرت خواجہ نقشبند کو نسبت محمدیہ (بواسطہ حضرت صدیق اکبرؓ) حاصل تھی۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ ہر ولی ولایت و استعداد کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی کے زیر قدم ہوتا ہے۔

کاملین ولایت میں سے ہر ایک من حیث الولایت دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق اسی نبی سے دائرہ اقتباس ولایت طے کرتے ہیں۔ (۱۶)

بقول مولف نسمات "حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری من حیث

الولایت سید الانبیاء ﷺ کے زیر قدم ہیں۔ اور اپنی قابلیت کے باعث انہوں نے اقتباس ولایت محمدیہ کو علی وجہ الکمال طے کیا ہے۔"

مرتبہ قلب میں حضرت بزرگ کی یہ نسبت جامعیت نسبت نبوی علیٰ مصدرھا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات سے ہے۔ جو آپکو بسبب مناسبت بطور ورثہ ملی ہے۔(۱۷)

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمتہ "ھمعات" میں نسبت کے بارے میں مفصل بحث کرتے ہیں۔ اور صوفی پر اس کے اثرات کا بصورت روحانی واردات و مکاشفات جائزہ لیتے ہیں۔

"نسبت وجد" کے ضمن میں نفس ناطقہ اور مختلف کیفیات سے اس کی اثر پذیری کو موضوع بحث بناتے ہیں۔ (۱۸) حضرت خواجہ نقشبندؒ کو نسبت اویسی بھی حاصل تھی۔ شیخ عطارؒ اس نسبت کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"اولیاء اللہ میں سے ایک ایسا طبقہ ہوا ہے جنہیں مشائخ طریقت حقیقت اویسی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انہیں ظاہری طور پر کسی مرشد یا رہبر کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ انہیں حضرت رسالت مآب ﷺ اپنی نگاہ عنایت سے پرورش فرماتے رہے ہیں۔ اور اس تربیت میں کوئی واسطہ درمیان نہیں تھا۔ جس طرح آپ ﷺ کی اویس قرنی کو براہ راست تربیت حاصل تھی۔ یہ بہت بلند مقام ہے جو ہر ایک کو میسر نہیں آتا۔ (۱۹)

سلسلہ نقشبندیہ کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں تکمیل سلوک کے لئے معین اسباق ہیں اور اسکا باقاعدہ نصاب ہے۔ جو شیخ کامل کی راہنمائی میں مکمل کیا جاتا ہے توجہ کے لئے لطائف ستہ میں ذکر جاری کئے جاتے ہیں۔

لطائف ستہ یہ ہیں۔

۱۔ لطیفہ نفس	۲۔ لطیفہ قلب	۳۔ لطیفہ روح
۴۔ لطیفہ سر	۵۔ لطیفہ خفی	۶۔ لطیفہ اخفی

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا:

"آئینہ ھمہ از مشائخ رادوجہت است و آئینہ مراشش جہت"

حضرت مجدد قدس سرہ اس قول کی شرح میں فرماتے ہیں:

"خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری کی مراد دل ہے کہ جو روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے۔ اور دوجہت سے مراد نفس اور روح ہیں۔ پس مشائخ جب مقام قلب کے وصول میں ہوں تو یہ دوجہت ان پر منکشف ہوتی ہیں اور وہ مقام کے بلند درجہ پر جو مناسب قلب ہے فائز ہوتے ہیں۔ ہمارے خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری ان مشائخ کے برخلاف ایسے مقام پر ممتاز ہیں کہ دوسروں کی انتہا ان کی ابتداء میں مندرج ہے۔ اور آپ کے قلب مبارک کی چھ جہت ہیں۔ کلیت افراد انسان میں جو لطائف ستہ ثابت ہیں نفس و قلب و روح و سرو خفی و اخفی خواجہ بزرگ کے قلب مبارک میں یہ تنہا متحقق ہیں۔ حضرت کے قول میں شش جہت سے یہ چھ لطیفے مراد ہیں۔"(۲۰)

حضرت خواجہ نقشبند کے پیرو مرشد خواجہ امیر کلال تک ذکر خفی کو ذکر ظاہری کے ساتھ جمع کرنے کا رواج تھا لیکن جب خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے بطریق اویسی مستفیض ہوئے تو آپ نے دوبارہ اس سلسلے میں ذکر خفی کو جاری کیا۔(۲۱)

طریق نقشبندیہ میں ذکر قلبی لسانی (مگر خفی) اور پاس انفاس مخصوص نشست کے ساتھ رائج ہے۔

ذکر و اشغال کی گیارہ شرائط ہیں۔ آٹھ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے مروی ہیں تین حضرت خواجہ نقشبند سے۔(۲۲)

۱۔ ہوش دردرم ۲۔ نظر برقدم ۳۔ سفردروطن

۴۔ خلوت درانجمن ۵۔ یادکرد ۶۔ بازگشت

۷۔ نگہداشت ۸۔ یادداشت ۹۔ وقوف زمانی

۱۰۔ وقوف عددی ۱۱۔ وقوف قلبی

برصغیر میں سلسلہ نقشبندیہ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ذات گرامی سے خوب فروغ حاصل ہوا۔ نیز سلسلہ کے بزرگ ہند کے تمام شہروں میں پھیل گئے اور تبلیغی مراکز قائم کئے خانقاہیں بنائیں، سلاطین مغلیہ کے عہد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی استقامت فی الدین سے دین اسلام کو نئی زندگی عطا ہوئی۔

شاہ محمد حسین نے تواریخ آئینہ تصوف میں نقشبندیہ کے پندرہ سلسلوں کا ذکر کیا (۲۳)

۱۔ نقشبندیہ سدنیہ مجددیہ
۲۔ نقشبندیہ قدوسیہ
۳۔ نقشبندیہ علیمیہ
۴۔ نقشبندیہ قدوسیہ اسماعیلیہ
۵۔ نقشبندیہ دریتہ
۶۔ نقشبندیہ عبدیہ
۷۔ نقشبندیہ صدیقیہ عبدیہ
۸۔ نقشبندیہ صدیقیہ مجددیہ
۹۔ نقشبندیہ جنیدیہ مجددیہ
۱۰۔ نقشبندیہ برخورداریہ مجددیہ
۱۱۔ نقشبندیہ عبدیہ کریمیہ
۱۲۔ نقشبندیہ درگاہیہ ابولعلائیہ
۱۳۔ نقشبندیہ علیمیہ ابولعلائیہ
۱۴۔ نقشبندیہ حسینیہ جانائیہ
۱۵۔ نقشبندیہ حسینیہ مجددیہ

بلاد مغرب یعنی ترکی، قسطنطنیہ وغیرہ میں سلسلہ نقشبندیہ کی تبلیغی سرگرمیاں کسی طرح کم نہ تھیں۔ اب بھی بالخصوص ترکی میں اس سلسلہ کے حلقے موجود ہیں۔ عبیداللہ سمرقندی، عارف باللہ عبداللہ، شیخ عارف باللہ عبید اللہ، شیخ محمد چلی، شیخ احمد البخاری وغیرہم نے متذکرہ الصدر علاقوں میں سلسلہ کے مراکز قائم کیئے۔(۲۴)

بخارا، بلخ، ترکستان، ہرات، کابل وغیرہ تو نقشبندیہ کے اولین مراکز رہے ہیں۔(۲۵) روس کے تسلط سے آزاد ہونے والی وسطی ایشیائی ریاستوں میں مشائخ نقشبند کا یقیناً بہت کام ہے لیکن اس صوفیانہ میراث پر تحقیق اور ریسرچ کی ضرورت ہے۔

مراجع وماخذ

۱۔ نسمات تالیف خواجہ ہاشم کشمیؒ ترجمہ از سید محبوب حسن واسطی
مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ سیالکوٹ ۱۴۱۰ھ

۲۔ ارزش میراث صوفیہ، ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب
تہران ۲۳۴۴ھ

۳۔ رسائل نقشبندیہ ترجمہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً ۷۔ نسمات

۸۔ نفحات الانس، مولانا جامیؒ ترجمہ از سید احمد علی شاہ چشتی
اللہ والے کی قومی دکان، کشمیری بازار، لاہور

۹۔ نسمات ص۵۶ ۱۰۔ ایضاً ص۳۹ ۱۱۔ نفحات الانس ص ۱۸۰

۱۲۔ نسمات ص ۱۴۹ ۱۳۔ نفحات ص ۱۶۰

۱۴۔ تصوف اور سریت، پروفیسر لطیف اللہ
ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور طبع اول ۱۹۹۰ء

۱۵۔ ایضاً ۱۶۔ نسمات ص ۲۰ ۱۷۔ نفس المصدر ص ۷۰

۱۶۔ لمعات از شاہ ولی اللہ دھلوی ترجمہ محمد سرور جامعی طبع سوم لاہور ۱۹۶۴ء

۱۷۔ رسائل نقشبندیہ ص ۳۰ ۲۰۔ ہدایت نسمات ص ۲۰

۲۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانی از سید زوار حسین شاہ ۲۲۔ اصطلاحات نقشبندیہ از محمد علی نقشبندی ص۱۱۷ ۲۳۔ تواریخ آئینہ تصوف از شاہ محمد حسن

۲۴- Islamic sufism by sardar Iqbal shah

۲۵- The book house Lahore PP.103-105

Hoid-105-112.

صوفیائے کرام کا طریق دعوت
ـــــــ تاریخی تناظر میں

پروفیسر محمد سعید
لیکچرار اسلامیات
گورنمنٹ سائنس کالج
لانڈھی کورنگی، کراچی

صوفیائے کرام کا طریق دعوت۔۔۔ تاریخی تناظر میں

پروفیسر محمد سعید

برصغیر کی سرزمین ان عظیم اولیاء اللہ کی مرہون منت ہے۔ جنہوں نے اپنے قدوم میمنت لزوم کی برکتوں سے اس خطہ زمین کو رشک گلزار جنت بنا دیا۔ اور اس علاقے میں اسلام کی قندیلیں روشن کیں۔ اور اپنے علم و فضل اور تقویٰ و پرہیز گاری اور انتھک جدوجہد سے اسلام کی آبیاری کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ ان صوفیائے کرام میں حضرت بہاؤ الدین زکریا" ' حضرت خواجہ معین الدین اجمیری" ' حضرت داتا گنج بخش" ' حضرت شرف الدین بلبل شاہ اور حضرت جلال الدین تبریزی" کے اسماء کرام سرفہرست ہیں ' ان مقدس ہستیوں اور ان جیسے دیگر مردان حق نے کفرو ظلمت کے اس تاریک دور میں اپنے سوز باطنی سے ایمان کی غیر فانی شمعیں جلا کر تاریک دلوں میں نور حق کے فانوس روشن کیئے۔ یہ بزرگ اپنی ذات میں مکمل ایک ادارہ تھے۔ ان کی خانقاہیں ظاہری یونیورسٹیاں تھیں اور تہذیب و اخلاق اور تزکیہ نفس کی بہترین درس گاہیں اور تربیت گاہیں بھی تھیں۔

مورخین اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے برصغیر میں اسلام کی ترویج و اشاعت کا کام اس جذبہ ' درد اور خلوص سے کیا کہ ان کے

دور کی حیران و سرگرداں مخلوق ان کی خانقاہوں میں آ کر اطمینان و سکون حاصل کرتی تھی۔

اس زمانے کے ہندو جوگیوں اور پنڈتوں نے جب اپنے لوگوں کو اس نغمہ محبت اور نغمہ توحید سے مسحور ہوتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ آبائی مذہب چھوڑتے جا رہے ہیں۔ تو وہ پنڈت' پروہت اور جوگیوں نے اپنی تمام ساحرانہ شعبدہ کاریوں اور قوتوں کے ساتھ ان بزرگوں کی روحانی طاقت سے ٹکرانے کی ناکام کوشش کی۔ اس وقت کے ہندو راجوں اور مہاراجوں نے سخت مخالفتیں کیں لیکن وہ سب ناکام و نامراد ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان بدمذہبوں کے مقابل اسلام کا بول بالا فرمایا۔ اور ان صوفیائے کرام کی تبلیغ و اشاعت کا سکہ پورے برصغیر میں پختہ ہوتا گیا۔ آج الحمد اللہ اس خطہ ارض کے ہر علاقے میں مسلمان موجود ہیں۔ ان صوفیائے کرام کے طریقہ دعوت و ارشاد کو تاریخی تناظر میں ملاحظہ کرنا ضروری ہے تاکہ آئندہ کے لئے طریقہ تبلیغ وضع کرتے وقت اولیاء اللہ کے تبلیغی طریقوں سے استفادہ و روشنی حاصل کی جاسکے۔

حضرت بہاؤ الدین زکریا (۵۶۵ء تا ۶۶۵ء) نے اسلام کی ابدی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کے لئے ملتان میں جس مقام کا انتخاب فرمایا۔ وہ مقام پرہلاد جی مندر کے صدر دروازے کے سامنے تھا۔ "پرھلاد جی" ہندوؤں کا ملتان میں عظیم الشان مندر تھا۔ برصغیر ہندو پاک کے دور دراز علاقوں سے ہندو اس مندر میں آ کر یاترا کرتے تھے۔ حالانکہ پرھلاد جی ایک موحد انسان تھا۔ اس نے کفر سے شدید ٹکر لی تھی۔ اس کی وفات کے بعد لوگوں نے استھان بنایا۔ اب استھان فسق کا مرکز بنا ہوا تھا (۱) اس مندر سے جو ہندو صدر دروازے سے باہر نکلتا۔ اس کی نظر حضرت بہاؤ الدین زکریا کی خانقاہ پر پڑتی۔ آپ روزانہ عصر تا مغرب قائم کئے گئے چبوترے پر وعظ فرماتے۔ ہندو سنتے اور

مسلمان ہو جاتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش لاہوری ؒ ، حضرت جلال الدین تبریزیؒ ، حضرت شرف الدین بلبل شاہؒ آسان فارسی اور مقامی زبان میں وعظ کے ذریعے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرتے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے ملتان میں پانچ سال ٹھہر کر ہندی سیکھی۔ (۲) پھر ہندی زبان میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آجا میر (۳) سورج دیوتا پہاڑ پر رکھا ہوا تھا جس کے اجمیر کی لوگ پوجا کرتے تھے۔ اس کے سامنے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے خانقاہ تعمیر فرمائی۔ آپ وعظ فرماتے ہندو سنتے اور مسلمان ہو جاتے۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے بنگال میں دیو محل کے سامنے اپنا چبوترا بنایا۔ اور بعد میں اس کو خرید کر مسجد اور خانقاہ بنا دی اس میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور میں ہندو جوگی اور جادوگروں کے درمیان راوی دریا کے کنارے روزانہ عصر تا مغرب وعظ فرماتے۔ ہندو ان بزرگوں کے وعظ کو سن کر مسلمان ہوتے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوتے وعظ کے علاوہ دعوت کا ایک دوسرا طریقہ مدرسہ کے ذریعے اپنے پیغام کو عام کرنا تھا۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے بہائیہ (۴) مدرسہ ، حضرت داتا گنج بخشؒ نے مسجد بنوا کر اس میں مدرسہ بنایا۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے بنگال میں دیو محل میں مسجد اور مدرسہ بنوایا۔ (۵) اس طرح حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے مسجد اور مدرسہ بنوایا۔ ان تعلیم گاہوں کے ذریعے دعوت فکر و عمل کو عام کیا۔ اس طریقہ کار کے علاوہ۔۔۔ صوفیائے کرام نے مخلوق خدا کو اپنے قریب کرنے کے لئے لنگر خانے بنوائے۔ تاکہ لوگ قریب آئیں۔ اور دعوت و ارشاد سے استفادہ کریں۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے لنگر خانے سے صبح شام کھانے کے علاوہ مسافروں کو زاد راہ اور منزل پر پہنچانے کے لئے گھوڑا بھی عطا کیا جاتا تھا۔ (۶) حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ ، جلال الدین تبریزیؒ ، حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت شرف الدین بلبل شاہؒ نے لنگر خانے

بنوائے تھے واقف اور ناواقف ان میں کھانا کھاتے۔(۷) اس طریقہ سے لوگ متاثر ہوتے تھے۔

دعوت و تبلیغ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ خلفاء کا تقرر کیا جائے اور مختلف اطراف میں لوگوں کی اصلاح اور اشاعت اسلام کے لئے تربیت یافتہ افراد بھیجے جائیں۔ جس طرح حضرت بہاؤ الدین زکریا نے حضرت لال شہباز قلندر ؒ، حضرت جلال الدین سرخ بخاریؒ، حضرت شیخ حسن افغانؒ اور حضرت صدرالدین محمد عارفؒ کو مقرر فرمایا تھا' یہ خلفاء خود بھی اور بعض اوقات اپنے شیخ کے ساتھ سردیوں کے دنوں میں لاہور' دہلی' گجرات' بمبئے اور سندھ کی طرف دین اسلام کی تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے اور گرمیوں کے ایام میں کشمیر' ہرات اور ایران کی جانب سفر فرماتے تھے۔(۸)

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے دہلی میں حضرت بختیار کاکیؒ کا تقرر فرمایا تھا اور حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے جماعت خانے میں تزکیہ نفس اور روحانی تعلیم و تربیت کے بعد حضرت خواجہ نظام الدینؒ، حضرت علاؤ الدین علی احمد صابرؒ، حضرت سید بدرالدین اسحاقؒ اور حضرت جمال الدین ہانسویؒ کا تقرر ہوا۔(۹) یہ تمام صاحب علم و فضل اپنی جگہ ایک انجمن اور تحریک تھے۔ انہوں نے دین اسلام کی دعوت و ارشاد کے لئے انتھک جدوجہد فرمائی۔

گو کہ کشمیر میں آٹھویں صدی ہجری میں سلاسل کے نشان ملتے ہیں یہ علاقہ باقی ہند کے علاقوں کے بعد اسلام سے بہرہ ور ہوا۔ حضرت بلبل شاہؒ کشمیر میں پہلے سہروردی بزرگ ہیں جنھوں نے اپنی تبلیغی کاوش سے کشمیر کے راجہ رنچین دیو کو دلائل سے مسلمان فرمایا۔ راجہ رنچین دیو ہندومت اور بدھ مت جین مت کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر تھا۔ مطالعہ کے علاوہ وقت کے ہندو علماء سے گفتگو بھی کیا کرتا تھا۔ حضرت شرف الدین بلبل شاہؒ نے اس کا نام

صدر الدین (م ۷۲۷ھ) رکھا۔ (۱۰) اور اس کے توسط سے دریائے جہلم کے کنارے مدرسہ، مسجد اور لنگر خانہ تعمیر کرایا اور اس میں اسلام کی ابتدائی تعلیمات اور قرآن پاک حفظ و ناظرہ کا بندوبست فرمایا۔ اور تزکیہ نفس کے لئے خانقاہ میں مریدین کے لئے اہتمام فرمایا۔ آپ حضرت سید نعمت اللہ ولی فارسی سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ کشمیر کے کامیاب مبلغ تھے اور (رنچن دیو) صدر الدین کشمیر کے پہلے مسلمان حکمران تھے۔ ان کے خلفاء اور اولاد کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔

ان بزرگان دین نے برصغیر میں پہنچنے کے بعد اپنے مخصوص طرز فکر، تعلیم اور تبلیغ سے علاقے کے لوگوں کی بڑی راہنمائی فرمائی یہاں تک کہ عوام تو عوام، سلاطین، ہندو راجوں اور دیگر مذاہب کو اپنی تعلیم و تبلیغ سے بے حد متاثر کیا۔ اور مشہور متشرق، گولڈ زِہَر کے مطابق ہندوستان میں مسلمان صوفیاء کرام کے ذریعے ہی اسلام کے بنیادی تصورات فروغ پائے۔ ایک ہندو مورخ تارا چند کے قول کے مطابق اسلام ہی کی طرف سے ہندو مذہب میں بہت سارے امور داخل ہوئے یہ کہنا کہ اسلام ہندو مت سے متاثر ہوا بے بنیاد بات ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر نکلسن صوفی اور اسلام کے لئے کہتے ہیں کہ یہ مفروضہ کہ اس سادہ شکل میں عقیدہ تصوف مستعار لیا گیا ہے۔ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ ابتداء اسلام سے ہی یہ بات نظر آتی ہے کہ صوفیائے اسلام کے خصوصی نظریات کی تشکیل خود ان کے اذہان کے اندر تلاوت قرآن پاک اور حدیث شریف کے مداومت اور قرآن و حدیث میں تفکر و بدتر کے نتیجہ کے طور پر اندر ہی اندر رونما ہوئی۔ (۱۱) اب یہ بزرگ چاہتے تھے کہ دعوت و ارشاد سے خدا کا ابدی پیغام لوگوں تک پہنچایا جائے۔ سو انہوں نے اپنے فریضہ تبلیغ کو خوب نبھایا۔

نقشبندی، چشتی اور قادری بزرگوں کے متعلق تاریخ سے معلوم نہیں ہو

سکا کہ تجارت سے یہ بزرگ فریضہ دعوت انجام دیتے رہے ہیں لیکن سہروردی تبلیغی مقاصد کے لئے تجارت اور زراعت کرتے رہے ہیں جیسا کہ حضرت بہاؤالدین زکریا" نے عامہ خلائق کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے زراعت و تجارت کے کام کو رفتہ رفتہ بڑھایا۔ اطراف ملتان میں جہاں کہیں اچھا قطعہ ہوا۔ افتادہ جنگلوں کو آباد کرایا' چاہات اور نہریں احداث کرائیں۔ اور تجارت کی طرف بھی حضرت نے بہت توجہ فرمائی۔ (۱۲) دریا اور سمندر کے ذریعے بڑی کشتیوں پر سامان تجارت سکھر' بھکر' منصورہ اور پھر وہاں سے عراق' عرب اور مصر تک جاتا تھا۔ یہ تو آپ سمندری اور دریائی راستے سے سامان تجارت روانہ فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ خشکی کے راستے کابل' ایران' دہلی' لاہور اور دکن حیدر آباد سے آپ کی تجارت ہوئی تھی۔ (۱۳) دراصل وسیع علاقے تک تجارتی کاروبار پھیلا ہوا تھا یعنی انڈونیشیا سے لے کر مصر تک تجارت تھی۔

اسلامی مبلغین سوداگرین روانہ ہونے لگتے تو مندرجہ ذیل ہدایات فرماتے تھے۔

(۱)۔ دیکھو تم ایک سوداگر کی حیثیت سے جا رہے ہو۔ تجارت کے بارے میں اسلام کے زرین اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا۔ اور

(۲)۔ چیزوں کو کم منافع پر فروخت کرنا۔ اور

(۳)۔ خراب چیزیں ہرگز فروخت نہ کرنا۔ بلکہ انہیں تلف کر دینا۔ اور

(۴)۔ خریدار سے انتہائی اخلاق اور شرافت سے پیش آنا۔ اور

(۵)۔ جب تک لوگ آپ کے قول و کردار کے گرویدہ نہ ہو جائیں ان پر اسلام پیش نہ کرنا۔ (۱۴)۔ یہ تھے وہ اصول جو وہ اپنے مبلغ تاجروں کو عطا کرتے تھے۔ اس سے اپنی اور متعلقین کی معیشت کو بہتر بنایا۔ اور دین اسلام کو پھیلانے اور دور دراز علاقوں تک پہنچانے میں آپ نے بڑے منظم طریقہ

سے تجارت سے کام لیا تھا۔

مذکورہ بحث کو غور سے ملاحظہ کرنے کے بعد درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

(۱)۔ ان صوفیاء کرام کے طریق دعوت سے ہند میں تلوار سے نہیں بلکہ اسلام اپنی اخلاقی قدروں اور پاکیزہ تعلیمات سے پھیلا۔ اور

(۲)۔ ان کے اوصاف و کردار بلند ہونے کی بناء پر اسلام پھیلا۔ اور وہ

(۳)۔ تبلیغ و تلقین اور تجارت کی غرض سے علاقوں میں پہنچ کر اثرات مرتب کرتے رہے ہیں۔

(۴)۔ مقامی لوگوں میں بڑی محبت سے رہتے تھے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔

(۵)۔ بزرگوں کے اثرات سے ہند کے عوام میں وحدت پیدا ہوئی۔ جبکہ ہندو معاشرہ ذات پات کے نظام سے منتشر تھا۔

(۶)۔ علاقوں میں عوام کے لئے مدرسے' مساجد' کنویں' سڑکیں' خانقاہیں' لنگر خانے' مسافروں کے لئے سرائے اور تالاب بنوائے۔ اور زمین کو آباد کرایا۔ اور تجارت سے فائدہ پہنچایا۔

تاریخی حوالوں سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ صوفیاء کرام نے دعوت حق کو مسلم اور حقیقت ثابت کرنے کے لئے کرامات کا ظہور فرمایا۔ جیسا کہ معتبر تذکرہ نگاروں نے حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کی کرامت کا ذکر کیا ہے۔ ہندوستان تشریف لاتے ہوئے راستے میں ان کا گزر ایک ایسے مقام پر ہوا۔ جہاں پارسیوں کا ایک بڑا آتشکدہ تھا۔ خواجہ عثمان ہرونیؒ نے اس کے قریب قیام کیا۔ اور اپنے خادم کو بھیجا کہ افطار کے واسطے آگ پر روٹی پکا لائے۔ خادم گیا لیکن آتش پرستوں نے اسے آگ نہیں دی۔ حضرت کو خود اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ جب آپ آتش کدے کے پاس پہنچے تو وہاں ایک بوڑھا موبد مختار

نام کا سات برس کا لڑکا آغوش میں لئے کھڑا تھا۔ حضرت کی اس سے گفت و شنید ہوئی۔ آپ نے اس سے کہا کہ آگ ایک فانی چیز ہے۔ ایک چلو پانی سے معدوم ہو جاتی ہے۔ اسے کیوں پوجتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کو جو اس آگ کا خالق ہے نہیں پوجتے۔ اس نے کہا آگ ہمارے مذہب میں بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ اسے کیوں نہ پوجیں۔ حضرت نے پھر کہا کہ تم اتنی مدت سے آگ کی صدق دل سے پرستش کرتے ہو۔ کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ اپنا ہاتھ یا پاؤں اس آگ میں ڈالو۔ اور وہ نہ جلائے۔ موبد نے کہا جلانا آگ کی خاصیت ہے جو اس میں ہاتھ ڈالے گا جل جائے گا۔ حضرت یہ سن کر موبد کے فرزند کو اس کی آغوش سے لیا اور خود آیت کریمہ قُلْنَا یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًاوَّ سَلاَمًا عَلٰی اِبْرَاھِیْم پڑھ کر آگ میں داخل ہوئے۔ یہ دیکھ کر موبد اور اس کے ساتھی حیران و پریشان ہوئے۔ آگ کے گرد شور و فغاں کرتے تھے لیکن اندر جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک عرصہ کے بعد حضرت خواجہ معہ اس بچے کے صحیح و سلامت اس حالت میں آگ سے نکلے کہ ان کے کپڑوں پر ایک دھبہ بھی نہ تھا۔ تمام آتش پرست یہ حال دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اور حضرت کی کرامت دیکھ کر ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ لڑکے کا نام ابراہیم رکھا اور بوڑھے موبد کا نام شیخ عبداللہ رکھا سیر العارفین کے مصنف جمالی کا بیان ہے کہ شیخ عبداللہ اور شیخ ابراہیم کا عالیشان مقبرہ میں نے خود ملاحظہ کیا ہے۔ اور وہاں دو ہفتے قیام کیا ہے۔ (۱۵) جو صاحب کرامت بزرگ تھے انہوں نے کرامت کے ذریعے دین اسلام کی ترویج و اشاعت اور دعوت و ارشاد سے خوب کام لیا۔

چشتی بزرگ میل محبت بغیر کسی تفریق کے روا رکھتے تھے۔ اس سے بھی لوگوں کو قریب آنے کا موقعہ ملا ان کے اخلاق و کردار کو، صلح کل اور خیر خواہی کو غیر مسلم بھی تسلیم کرتے تھے۔ جیسا کہ رائے بہادر پنڈت پر بلاس سادرا حضرت خواجہ معین الدین" کی نسبت اپنی انگریزی تصنیف "اجمیر" میں لکھتے

ہیں۔ حضرت خواجہ نے کبھی کسی کو تنگ کرنے کا مشورہ نہیں دیا۔ اور خدا کی تمام مخلوقات کی نسبت ان کا نقطہ نظر صلح جوئی اور خیر خواہی کا تھا۔ (۱۶) اس اپنائیت نے بھی لوگوں تک اسلام کو پہنچنے میں بڑی مدد دی' اور صوفیائے کرام کی اچھی عادت نے اسلام کی آبیاری کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہند میں حضرت خواجہ سے ہندو محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور آج بھی لاتعداد ہندو مزار پر حاضری دیتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱)۔ مولانا نور احمد خاں فریدی۔ تاریخ ملتان۔ جلد اول۔ قصر الادب رائٹر کالونی ملتان ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۴۱

(۲)۔ محمد سعید' مقالہ۔ سلسلہ سہروردیہ کی ہند میں آمد اور علاقے پر اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ۔ صفحہ ۱۰۵۔ کراچی یونیورسٹی

(۳)۔ معمہ دو جامع انسائیکلو پیڈیا۔ صفحہ ۱۔۵

(۴)۔ محمد سعید۔ مقالہ۔ صفحہ ۱۰۳

(۵)۔ حامدین فضل اللہ جمالی۔ میرا العارفین اور سائنس بورڈ لاہور ۱۹۹۲ء صفحہ ۲۵

(۶)۔ مولانا نور احمد خاں فریدی۔ تاریخ ملتان۔ صفحہ ۱۴۶

(۷)۔ حضرت شیخ بدرالدین اسحاق۔ اردو ترجمہ۔ اسرار اولیاء۔ مکتبہ فریدیہ ساہیوال۔ بار اول۔ صفحہ ۲۹

(۸)۔ مولانا نور احمد خاں فریدی۔ تاریخ ملتان۔ جلد اول۔ قصر الادب رائٹر کالونی ملتان ۱۹۷۲ء

(۹)۔ شیخ بدر الدین اسحاق۔ اسرارالاولیاء۔ بار اول۔ مکتبہ فریدیہ ساہیوال۔ صفحہ ۲۹

(۱۰)۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر۔ سید میر علی ہمدانی۔ گلشن پبلیشرز سری نگر کشمیر ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۲۵

(۱۱)۔ دائرہ معارف اسلامیہ دانشگاہ پنجاب لاہور۔ طبع اول۔ ۱۹۶۲ء صفحہ ۴۲۶۔۴۲۷

(۱۲)۔ شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور۔ ۱۹۹۲ء صفحہ ۲۵۶

(۱۳)۔ مولانا نور احمد خاں فریدہ۔ تاریخ ملتان۔ صفحہ ۱۴۲۔ ۱۴۳

(۱۴)۔ خواجہ نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد۔ ترجمہ۔ حسن نظامی۔ اردو اکادمی دہلی بھارت ۱۹۹۲ء صفحہ ۸۰۳۔

(۱۵)۔ شیخ محمد اکرم۔ آب کوثر۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ ۱۹۹۲ء صفحہ ۲۰۱،۲۰۰۔

(۱۶)۔ شیخ محمد اکرام۔ رود کوثر۔ ۱۹۸۲ء صفحہ ۳۱۸۔

صوفیائے کرام کا طریق دعوت

مولانا محمد صدیق ہزاروی
مدرس، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ۔ لاہور

صوفیاء کرام کا طریق دعوت

مولانا محمد صدیق ہزاروی

پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے خیروشر کے ٹکراؤ کا آغاز ہو گیا تھا جو ہر دور میں جاری رہا اور قیامت تک باقی رہے گا بدی کی سب سے بڑی قوت ابلیس جس کو شیطان کا نام دیا گیا کو قیامت تک مہلت دی گئی اور اس نے انسان کو راہ راست سے پھیرنے اور حق سے دور رکھنے کے لئے مصمم ارادہ کیا اور قسم کھائی اس لئے وہ خود اور اس کی ذریت اپنے مذموم مشن کی تکمیل کے لئے دن رات سرگرداں ہے۔

جہاں شر کا پھیلاؤ اس قدر زوروں پر ہے وہاں خیر اور تعلق باللہ کے فروغ کے لئے اللہ نے اس قدر محکم اور موثر اہتمام فرمایا کہ بدی اس کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتی ہے اور اسے خیر کے سامنے اپنی بے بسی کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا سعادت مند نفوس قدسیہ کی عظمت کے اظہار کے لئے یہ ٹکراؤ ہمیشہ باقی رہے گا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

دعوت الی اللہ یا دعوت اسلام ایک ایسا اہم فریضہ ہے جس کے لئے منتخب افراد کو تاجِ نبوت سے سرفراز کیا گیا اور پھر جن عالی مرتبت شخصیات نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا وہ وارثان نبوت کہلائے اور ان کو نیابت نبوت کا اعزاز حاصل ہوا۔

اس سے پہلے کہ صوفیاء کرام کے طریق دعوت کے حوالے سے کچھ کہا جائے قرآن مجید کی روشنی میں دعوت سے متعلق چند اہم اور بنیادی باتوں کا تذکرہ ضروری ہے صوفیاء کرام کی دعوت کا منہاج دعوت انبیاء ہے اس لئے اگر قرآن مجید کے حوالے سے یہ اہم باتیں ہمارے اذہان میں جاگزیں ہو جائیں گی تو صوفیاء کرام کے طریق دعوت کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے دعوت کے متعلق درج ذیل چند امور سامنے آتے ہیں۔

(۱)۔ دعوت الی اللہ یا دعوت الی سبیل اللہ محض ایک نفلی امر نہیں بلکہ ایک اہم فریضہ ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ (۱) اپنے رب کی راہ کی طرف بلائیں۔

ادع امر کا صیغہ ہے جو بلا قرینہ واقع ہو تو وجوب کا متقاضی ہوتا ہے۔

(۲)۔ دعوت الی اللہ وقت کی قید سے آزاد ہے اور یہ ایک ہمہ وقتی فریضہ ہے حضرت نوع علیہ السلام اپنی دعوت کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلاً وَّنَهَارًا (۲) میں نے اپنی قوم کو دن رات (اللہ تعالیٰ کی طرف) بلایا۔

(۳)۔ حقیقتاً دعوت وہی ہے جو الی اللہ ہو دین سے برگشتہ کرنے اور دین کے نام پر اپنی خواہشات کا پرچار دعوت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا کہہ دیجئے۔

اَلَیْهِ اَدْعُوْ وَاِلَیْهِ مَآب (۳) میں اسی کی طرف (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف)

بلاتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(۴)۔ دعوت الی اللہ میں اُمت کی نجات مقصود ہو ورنہ وہ دعوت علی منہاج النبوۃ نہیں۔ قرآن مجید حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یوں نقل کرتا ہے آپ فرماتے ہیں:۔

مَالِیْ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدْعُوْنَنِیْ اِلَی النَّارِہ (۴) مجھے کیا ہوا میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو۔

(۵)۔ مبلغ و داعی کے لئے دعوت کے ساتھ استقامت اختیار کرنا اور لوگوں کی خواہش کی پیروی سے بچنا بھی ضروری ہے ارشاد خداوندی ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآئَهُمْ ٥ (۵) پس اسی دین کی طرف دعوت دیں اور جس طرح حکم دیا گیا استقامت اختیار کریں اور لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں۔

(۶)۔ دعوت الی اللہ میں حکمت اور موعظہ حسنہ کو پیش رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ دعوت موثر اور بامقصد ہو۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ (۶) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ذریعے بلایئے اور اس طریقے سے مجادلہ کریں جو نہایت اچھا ہے۔

(۷)۔ داعی الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق عالیہ کا پیکر ہو تاکہ لوگ اس سے دور بھاگنے کی بجائے اس کے قریب آئیں تاکہ ان کو اسلام اور اچھے اخلاق کی دعوت دی جا سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ٥۔ (۷) پس (صرف) اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اگر آپ تند مزاج سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے آس پاس سے منتشر

ہو جاتے۔

(۸)۔ دین حق کے داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ محض رضائے خداوندی کے لئے دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دے اور کسی قسم کا لالچ اس کے دل میں جگہ نہ بنائے قرآن مجید کی متعدد آیات میں انبیاء کرام کا فرداً فرداً یہ اعلان مذکور ہے کہ میں دعوت و تبلیغ دین پر تم سے اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر تو اس کے پاس ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے سرکار دو عالم ﷺ کو اس بات کا حکم دیتے ہوئے خالق کائنات نے ارشاد فرمایا:۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (۸) آپ فرما دیجئے میں اس (تبلیغ و دعوت) پر تم سے کوئی اَجر نہیں مانگتا ہاں اپنے رشتہ داروں کی محبت (چاہتا ہوں)

دین حق کا داعی حفاظت خداوندی کے حصن حصین میں ہوتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ داعی الی اللہ کو اپنا فریضہ انجام دینے کے لئے ہر قسم کے خوف اور ملامت سے بے نیاز ہو کر میدان دعوت میں اُترنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سب سے بڑے داعی اور مبلغ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط۔ (۹) اے رسول ﷺ! پہنچا دیجئے جو اُتارا گیا آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔

گویا بطور خلاصہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ نیابت رسالت میں دعوت الی اللہ کا اہم فریضہ انجام دینے والے اور اس منصب عظیم پر فائز ہونے والے رجال عظیم کا فرض ہے کہ دعوت الی اللہ ایسے کار خیر کے لئے اپنے شب و روز وقف

کریں' مقصد دعوت تقریب خداوندی اور صراط مستقیم پر گامزن کرنا ہو' اُمت مسلمہ کی نجات پیش نظر ہو استقامت کو شعار بنایا جائے اور لوگوں کی خواہشات سے منہ موڑا جائے حکمت و موعظت حسنہ کا انداز اختیار کیا جائے' گفتگو میں مٹھاس اور دل کشادہ ہو نہ تو دعوت اسلام کا مقصد دولت کا حصول اور لالچ ہو اور نہ احقاق حق کے سلسلے میں کسی لومتہ لائم کی پرواہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والی حفاظت پر مکمل اعتماد ہونا چاہیئے۔

جب تک دور نبوت کی ضیاپاشیوں سے معاشرہ منور رہا اور اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوت کی روشنی نے ایک جہاں کو روشن کیئے رکھا اس وقت تک نہ تو عقائد میں بگاڑ پیدا ہوا' نہ اقتدار ہوس زر' جلب منفعت اور عیاشی کا ذریعہ بنا اور نہ دولت دنیا کی محبت نے اختلاف و انتشار کو جنم دیا بلکہ خوف خدا اور فکر آخرت کا غلبہ رہا۔ اس لئے اس سنہری دور میں خود حکمران وقت ہی مبلغ تھا بلکہ اس کی سادہ اور زیب و زینت سے پاک زندگی دعوت الی اللہ اور تبلیغ اسلام کا بہت بڑا ذریعہ تھی۔

اس مخصوص دور اور خیرالقرون کے بعد جو حالات جنم لینے والے تھے سرکار دو عالم ﷺ نے خود ان کی نشاندھی فرمائی اور اُمت مسلمہ کو اس کی ہلاکت آفرینیوں سے آگاہ فرمایا بلکہ یوں کہا جائے تو نامناسب نہ ہو گا کہ آپ نے آنے والے داعیان اسلام اور مبلغین دین کے لئے سب سے اہم دائرہ دعوت و تبلیغ کی بھی نشاندھی فرمادی آپ نے فرمایا:۔

مَااَخْشٰی عَلَیْکُمْ الْفَقْرَ وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تَبْسُطَ الدُّنِیَا عَلَیْکُمْ کَمہ بَسَطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَا فَسُوْھَا کَمَا تَنَافَسُوْھَا فَتُھْلِکُکُمْ کَمَااَھْلَکَتْھُمْ (۱۰) مجھے تم پر محتاجی کا خوف نہیں لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی اور ان کی

طرح تمہارے درمیان بھی مقابلہ شروع ہو جائے اور جس طرح اس دنیا نے ان کو ہلاک کیا تمہیں بھی ہلاک کر دے۔

تاریخ دعوت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خلافت ملوکیت میں تبدیلی ہوئی اور ایک طرف نظام حکومت قرآن و سنت کے راستے سے ہٹتا گیا اور دوسری جانب اقتدار کی ہوس اور رسہ کشی نے حکمرانوں کو ملت کی اصلاح سے غافل کیا تو نتیجتاً تین قسم کی خرابیوں نے جنم لیا جن کے ازالے کے لئے صوفیاء کرام میدان عمل میں نکلے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور حکومت تھا جو درحقیقت خلافت راشدہ کا ایک عکس جمیل تھا تو اصلاح کی تمام تر ذمہ داری خود حکومت وقت نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی اور الگ سے صوفیاء کرام کو اس مشن کی تکمیل کے لئے خصوصی جدوجہد کی ضرورت نہ تھی اگرچہ انہوں نے اس دور میں بھی اپنا فرض منصبی پورا کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔

اس سے پہلے کہ تین بنیادی خرابیوں کی نشاندھی اور ان کے قلع قمع کے لئے چند اہم مبلغین و داعیان اسلام کا تذکرہ کیا جائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی دعوت الی اللہ سے متعلق کاوشوں کی ایک جھلک پیش کرنا ضروری ہے جس سے اس بات کو سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ان کا دور حکومت نظام مملکت کے حوالے سے ایک سنہری دور تھا۔ آپ نے خلافت کے ابتدائی دنوں میں ایک گشتی فرمان جاری کیا جس میں فرماتے ہیں:۔

"اسلام کے کچھ حدود و قوانین ہیں جو ان پر عمل کرے گا اس کے ایمان کی تکمیل ہو گی اور جو عمل نہیں کرے گا اس کا ایمان نامکمل رہ جائے گا اگر زندگی نے وفا کی تو میں تمہیں ان کی تعلیم دوں گا اور تمہیں ان پر چلاؤں گا اگر اس سے پہلے میرا وقت آ گیا تو تمہارے درمیان رہنے پر کچھ حریص بھی نہیں ہوں۔ (11)

تاریخ طبری میں مرقوم ہے۔

"حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں نوافل و طاعات (اور) ذکر و تذکرہ گفتگو اور مجلسوں کا موضوع بن گیا جہاں چار آدمی جمع ہوئے تو ایک دوسرے سے پوچھتے کہ رات کو تمہارا کیا پڑھنے کا معمول ہے تم نے کتنا قرآن پاک یاد کیا ہے تم قرآن پاک کب ختم کرو گے اور کب ختم کیا تھا اور مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو۔" (۱۲)

جس طرح پہلے عرض کیا گیا حکمرانوں کی بے اعتدالیاں معاشرتی بگاڑ کا ذریعہ بنیں عہد اموی میں جاہلی رجحانات و اثرات کے حوالے سید ابوالحسن علی ندوی نے تاریخ دعوت و عزیمت" میں ذکر کیا ہے کہ۔۔۔ حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا کتاب و سنت نہ رہا بلکہ عربی سیاست اور مصالح ملکی بن گیا تفاخر اور عربی عصبیت کی روح جس کو اسلام نے شہربدر کر دیا تھا اور جو بادیہ عرب میں پناہ گزیں تھی پھر واپس آ گئی قبائلی غرور' خاندانی جنبہ داری' اعزہ پروری جو خلافت راشدہ میں سخت عیب اور معصیت شمار ہوتی تھی' ہنر اور محاسن بن گئے اعمال و اخلاق کے محرکات (بجائے اجر و ثواب کے) جاہلی ناموری' مدح و تعریف اور تفوق ہو گئے۔

۔۔۔ مزید لکھا ہے:۔

گانا سننے کا ذوق اور موسیقی کا انہاک حد کو پہنچ گیا تھا حکومت کی غلط روی اور اہل حکومت کی بے دین زندگی سے پوری اسلامی سوسائٹی متاثر ہو رہی تھی۔۔۔(۱۳)

تاریخ دعوت و عزیمت کے صفحات اگرچہ ان تمام نفوس قدسیہ کے اصلاحی تبلیغی اور دعوت الی اللہ پر مبنی کارناموں کے ذکر سے منور ہیں لیکن ان میں بعض شخصیات چار دانگ عالم میں اس لئے شہرت یافتہ ہیں کہ انہوں نے معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے والی کلیدی خرابیوں کا سراغ لگایا اور ان کے قلع

قمع کے لئے بھرپور جدوجہد کر کے ملت اسلامیہ کو تقریب خداوندی' عمل بالقرآن اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کی دعوت دی۔

یوں تو معاشرہ بے شمار خرابیوں کی آماجگاہ بنا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے بلکہ جاری رہے گا لیکن تفصیل سے ہٹ کر دیکھا جائے تو تمام خرابیوں کی بنیاد تین باتیں ہیں۔

(۱)۔ نظام حکومت کا قرآن و سنت کی تعلیمات سے تصادم

(۲)۔ عقائد میں خواہشات کا عمل دخل

(۳)۔ دنیوی مال و متاع سے محبت اور آخرت سے غفلت

دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینے والی شخصیات نے ہمیشہ ان امور کو پیش نظر رکھا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت مجدد الف ثانیؒ ' حضرت حسن بصریؒ سے حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنویؒ تک اور حضرت امام محمد بن حنبلؒ سے حضرت امام احمد رضا بریلویؒ اور حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہؒ تک جو بھی شخصیات دعوت و ارشاد اور تبلیغ و اصلاح کے حوالے سے اُفق اسلام پر نمودار ہوئیں ان کی خدمات کا محور بنیادی طور پر یہی امور ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پہلی صدی عیسوی میں' حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے دوسری صدی ہجری میں حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے تیسری صدی ہجری میں حضرت ابوالمنصور ماتریدیؒ نے چوتھی صدی ہجری میں حضرت امام غزالیؒ اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے پانچویں صدی ہجری میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ نے ساتویں ہجری میں اپنے اپنے انداز میں اسلامی نظام حکومت کے قیام' من گھڑت عقائد کے خاتمے ور اسلامی عقائد کے تحفظ و ترویج اور دنیا کی بے ثباتی اور اخروی حقیقی زندگی کی پائیداری و دوام کا درس دیتے ہوئے دولت کی ہوس سے پیدا

ہونے والے باہمی مناقشات کے خاتمے کے لئے جو نمایاں کوششیں کی ہیں وہ تاریخ کا ایک قیمتی سرمایہ ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

ہائے افسوس لوگوں کو اُمیدوں اور خیالی منصوبوں نے غارت کیا زبانی باتیں ہیں عمل کا نام و نشان نہیں علم صبر کے بغیر اور ایمان بلایقین ہے۔ (فرمایا) انہوں ن پہلے حرام کیا پھر حلال کر لیا تمہارا دین کیا ہے زبان کا ایک چٹخارہ۔ اگر پوچھا جاتا ہے کہ روز حساب پر تمہارا یقین ہے تو جواب ملتا ہے کہ ہاں ہاں قسم ہے روز جزا کے مالک کی، غلط کہا مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ قوی فی الدین ہو۔ (۱۴)

حضرت حسن بصریؒ جو اپنے زمانے میں حق گوئی و بیباکی اور اخلاقی جرأت و شجاعت میں بھی ممتاز تھے اس لئے انہوں نے خلیفہ وقت یزید بن عبدالملک پر برملا تنقید کی ایک موقع پر درس کے دوران کسی شخص نے سوال کیا کہ اس زمانے کے فتن (یزید ابن عبدالملک اور ابن الاشعت کی شورش) کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے فرمایا: نہ اس کا ساتھ دو نہ اس کا ایک شامی نے کہا اور امیرالمومنین کا؟ یہ سن کر آپ غصہ میں آ گئے پھر ہاتھ اُٹھا کر فرمایا "ہاں نہ امیرالمومنین کا ہاں نہ امیرالمومنین کا"

حضرت حسن بصریؒ اس وقت میدان عمل میں نکلے اور اُمت مسلمہ کی دینی قیادت کا منصب سنبھالا جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد حکومت نے پہلے والا روپ اپنا لیا تھا اور جاہلیت نے اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑ لئے تھے۔ شخصی اور موروثی حکومت اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے اسلامی معاشرہ نفاق کا شکار ہو چکا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دولت کی فراوانی بگاڑ کی راہ ہموار کرتی ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اُمت کے لئے اسی خدشہ کا اظہار فرمایا تھا۔ چنانچہ

بنوامیہ کے بعد جب عباسی خلافت کا دور آیا تو دولت کی ریل پیل کا یہ حال تھا کہ ابن خلدون کے مطابق ہارون الرشید کے زمانے میں سلطنت عباسیہ کی سالانہ آمدنی سات ہزار پانچ سو قنطار یعنی سات کروڑ ڈیڑھ لاکھ دینار سے زیادہ تھی اسی وجہ سے ساری دنیا کا سامان عیش و عشرت' اہل کمال' صناع و مغنی' غلام' لونڈیاں اور دیگر سامان تعیش مرکز یعنی بغداد میں جمع ہو گیا دولت کی فراوانی اور عجمیوں کے اختلاط سے تمدن کی تمام خرابیاں اور بے اعتدالیاں اسی مرکز اسلام میں شروع ہو گئی تھیں۔ مامون کی شادی کے حال میں لکھا ہے کہ:

مامون مع خاندان شاہی دارکان دولت و کل فوج و تمام افسران ملکی و خدام حسن بن سہل (وزیراعظم جو دلہن کا باپ تھا) کا مہمان ہوا برابر انیس دن تک اس عظیم الشان بارات کی ایسی فیاضانہ حوصلہ سے مہمانداری کی گئی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی چند روز کے لئے امیرانہ زندگی بسر کر لے خاندان ہاشم و افسران فوج اور تمام عہدیداران سلطنت پر مشک و عنبر کی ہزاروں گولیان جن پر کاغذ لپیٹے ہوئے تھے اور ہر کاغذ پر نقد' لونڈی' غلام' املاک' خلعت اسپ (گھوڑا) جاگیر وغیرہ کی ایک خاص تعداد لکھی ہوئی تھی' نثار کیں اور عام لوٹ میں یہ فیاضانہ حکم تھا کہ جس کے حصے جو گولی آئے اس میں جو کچھ لکھا ہے اسی وقت وکیل المخزن (خازن) سے دلایا جائے۔(۱۵)

ان حالات میں حضرت عبداللہ بن مبارک'' ' حضرت سفیان ثوری'' ' حضرت فضیل بن عیاض'' ' حضرت جنید بغدادی'' ' حضرت معروف کرخی'' اور حضرت بشر حافی'' ایسی عظیم روحانی شخصیات نے اصلاح کا فریضہ انجام دیا اور اس کام کو اپنا مقصد حیات قرار دیا یہ لوگ اس قدر بے لوث' زاہد' پیکر استغناء اور ایثار و بے نفسی کا مجسمہ تھے کہ ان کی تعلیمات اور اخلاق سے متاثر ہو کر بے شمار غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

اس دور کے اعتقادی فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ خلق قرآن کا فتنہ تھا۔ یونانی فلسفہ اور اعتزال ہارون کی سرپرستی ہی میں پروان چڑھے مامون جو یونانی فلسفہ اور عقلیت سے مرعوب تھا' کے زمانے میں معتزلہ کو عروج حاصل ہوا اور قاضی ابن داؤد کی بدولت جو سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ ہو گیا تھا اور معتزلہ کے افکار کا پرجوش داعی و مبلغ تھا مذہب اعتزال کو حکومت وقت کی سرپرستی اور حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ خود مامون کے اندر بھی یہ جذبہ موجود تھا اس لئے اس کے دربار اور مزاج پر معتزلہ حاوی تھے۔

عقیدہ خلق قرآن اس وقت معتزلہ کا شعار اور کفر و ایمان کا معیار بن گیا تھا اس مسئلہ میں محدثین معتزلہ کے حریف اور مدمقابل تھے ان کی نمائندگی کے لئے حضرت امام احمد بن حنبلؒ میدان میں نکلے۔

تفصیلی گفتگو سے اجتناب کرتے ہوئے یہاں اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اس حق پر مبنی موقف سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کی گئی ڈرایا گیا' لالچ دیا گیا مناظرے کیئے گئے لیکن جب آپ نے راہ حق سے کنارہ کشی کو قبول نہ فرمایا تو آپ کو کوڑے لگائے گئے۔

آپ کو اٹھائیس مہینے تک قیدوبند میں رکھا گیا اور تینتیس یا چونتیس کوڑے لگائے گئے ابوالعباس الرقی کہتے ہیں جب حضرت امام احمدؒ رقہ میں قید تھے تو لوگوں نے ان کو سمجھانا چاہا اور بچاؤ کے حوالے سے احادیث سنائیں تو آپ نے فرمایا حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا کیا جواب دو گے جس میں کہا گیا ہے کہ گزشتہ زمانے میں ایسے ایسے لوگ تھے جن کے سر پر آرا و کدال چلایا گیا پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں ہٹے۔

یہ سن کر لوگ نااُمید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ وہ اپنے مسلک سے نہیں ہٹیں گے حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے یہ سب تکالیف برداشت کیں لیکن اس عظیم فتنہ کی سرکوبی کر کے اُمت کو اس کے دلدل میں پھنسنے سے بچایا اور

دعوت الی اللہ کا وہ نقشہ دنیائے اسلام کے سامنے پیش جس کی کوئی مثال نہیں۔

اگرچہ معتصم اور واثق کے انتقال پر معتزلہ کا زور ٹوٹ گیا لیکن عقلیت اور نئے طریقہ بحث کی طرف محدثین اور علماء کی عدم توجہ اور معتزلہ کی عقل او فلسفہ کی بنیاد پر گفتگو سے عام لوگ تو درکنار خود محدثین کے تلامذہ مرعوب ہو رہے تھے اور یہ صورت حال دینی وقار اور سنت کے لئے سخت خطرناک تھی ان حالات میں حضرت شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابوالمنصور ماتریدیؒ جیسی بلند پایہ علمی شخصیات نے معتزلہ کا منہ توڑ جواب دیا۔ ان دونوں نامور شخصیتوں نے معتزلہ روافض اور قرامطہ کے رو میں نہایت علمی و ادبی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان ہی حضرات کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ دنیائے اسلام کی علمی و ذہنی قیادت معتزلہ کے ہاتھ سے نکل کر علماء اہل سنت کے ہاتھ میں آ گئی۔

اسی دور کا ایک فتنہ باطنیت کا فتنہ تھا جس کے داعی اور بانی ان قوموں کے افراد تھے جو مسلمانوں کے ہاتھ اپنا اقتدار کھو چکے تھے گویا وہ اسلام سے بدلہ لینا چاہتے تھے انہوں نے اس نکتے پر زور دیا کہ ہر لفظ کا ایک ظاہری معنی ہوتا ہے اور دوسرا حقیقی یا باطنی' چنانچہ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ نبی اس ذات کا نام ہے جس پر قوت قدسیہ صافیہ کا فیضان ہو جبریل کسی ہستی کا نام نہیں صرف فیضان کا نام ہے اسی طرح آخرت' زکوٰۃ' جنابت' طہارت وغیرہ امور کی من مانی تشریح کی۔

چنانچہ اس وقت ایسی شخصیت میدان میں آئی جسے علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں میں پوری بصیرت اور دستگاہ حاصل تھی وہ تمام علوم میں مجتہدانہ نظر اور خود اپنا مقام رکھتے تھے۔ وہ حضرت امام غزالیؒ کی نہایت وقیع علمی و روحانی شخصیت تھی۔ دعوت الی اللہ کے سلسلے میں حضرت امام غزالیؒ کی احیاء علوم

الدین نہایت جامع تصنیف ہے جس میں آپ نے دنیا کی بے ثباتی کو واضح کیا' حکمرانوں اور غافل علماء و صوفیاء کو جھنجھوڑا اور ان کو ان کا فرض منصبی یاد دلایا۔۔۔ شروع شروع میں جب جوانی کا دور تھا تو آپ مختلف گروہوں سے متاثر تھے لیکن جب تحقیقی مطالعہ کے بعد حقیقت واضح ہوتی گئی تو آپ ان تمام فرقوں کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ آپ اپنے فکری سفر کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

پھر میں نے عقلیات پر غور کیا تو وہ مجھے حسایت سے بھی زیادہ مشکوک اور کمزور نظر آئے تقریباً دو مہینے تک میری یہ ارتیابی کیفیت رہی اور مجھ پر سوفسطائیت کا غلبہ رہا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے شفا دی اور طبیعت صحت و اعتدال پر آئی اور بدیہیات عقلی پر اطمینان ہو گیا۔۔۔ اس مرض سے شفایاب ہونے کے بعد اب میرے سامنے چار گروہ تھے جو طالب حق معلوم ہوتے تھے متکلمین جو اہل عقل و نظر ہونے کے مدعی تھے' باطنیہ جن کا دعویٰ تھا انسان کے پاس خاص تعلیمات و اسرار ہیں۔ اور انہوں نے براہ راست امام معصوم سے علم حقائق حاصل کیا فلاسفہ جن کا کہنا ہے کہ وہی اہل منطق و استدلال ہیں اور صوفیاء جو اپنے آپ کو صاحب کشف و شہود کہتے ہیں۔۔۔

آپ فرماتے ہیں۔۔۔ میں نے ہر گروہ کی رائے اور خیالات کا مطالعہ کیا تو کسی سے بھی مطمئن نہ ہوا۔۔۔ پھر ان چاروں گروہوں کے نظریات کا تجزیہ کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

علم کلام۔۔۔ اگرچہ یہ فن اپنے مقصد کو پورا کرتا ہے لیکن میری تسلی کے لئے یہ کافی نہیں۔۔۔

فلسفہ:۔ میرے حلقہ درس میں تین تین سو طالب ہوتے ہیں پھر بھی میں نے فلسفہ کے مطالعہ کے لئے وقت نکالا اور دو سال کے اندر اندر میں نے ان کے تمام علوم کا مطالعہ کر ڈالا تفصیل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔۔۔ غرض

میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ فلسفہ سے میری تشفی نہیں ہو گی اور عقل تنہا تمام مقاصد کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

باطنیہ:۔۔۔ باطنیہ تو مجھے اپنی کتاب مستظھری کی تالیف کے سلسلے میں ان کے مذہب کا مطالعہ کرنے کا اچھی طرح موقع ملا میں نے دیکھا کہ ان کے عقائد کا دارومدار امام وقت کی تعلیم پر ہے لیکن امام وقت کا وجود اور اس کی صداقت خود محتاج دلیل ہے اور یہ دونوں حد درجہ مشتبہ ہیں۔

تصوف:۔ اب صرف تصوف باقی رہ گیا میں ہمہ تن تصوف کی طرف متوجہ ہوا تصوف علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ میرے لئے علم کا معاملہ آسان تھا۔ آگے کتب تصوف کا مطالعہ کا ذکر کرنے کے بعد نتیجہ یوں نکالتے ہیں۔

"مجھ پر اچھی طرح واضح ہو چکا تھا کہ سعادت اخروی کی صورت صرف یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ دارفانی سے بے رغبتی' آخرت کی طرف میلان و کشش اور پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ دلی اللہ کے ذریعے قلب کا علاقہ دنیا سے ٹوٹ جائے۔۔۔

آپ نے اس مقصد کے لئے خلوت اختیار کی (تفصیل المنقذ من الضلال میں) حضرت امام غزالیؒ اپنے رب سے لو لگانے اور باطنی جلا کے حصول کے لئے خلوت کو اختیار کر چکے تھے لیکن چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو اس وقت ان جیسی موزوں شخصیت کی ضرورت تھی' اس لئے انہوں نے نیابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں میدان عمل میں نکلنے کا فیصلہ کیا اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ فلسفہ کے اثرات سے بہت سے مدعیان تصوف کی گمراہی بہت سے علماء کی بے عملی اور متکلمین کی غلط اور کمزور نمائندگی کی وجہ سے اکثر طبقات کا ایمان متزلزل ہو چکا ہے اور عقائد پر اچھا خاصا اثر پڑ چکا ہے بہت سے فلسفہ زدہ لوگ ظاہری احکام کے پابند بھی ہیں لیکن نبوت اور دین پر

ان کا ایمان نہیں۔ بعض لوگ محض جسمانی ورزش کے خیال سے نماز پڑھتے ہیں--- یہ تمام باتیں دیکھ کر میرے دل میں شدت سے احساس پیدا ہوا کہ مجھے اصلاح کا کام کرنا چاہئے کیونکہ میں نے دیکھا کہ میں ان شخصیات کو رد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں اور باآسانی اس پر قادر ہوں یہاں تک کہ ان لوگوں کی پردہ دری مجھے اپنے مطالعہ اور ان کے علوم سے گہری واقفیت کی وجہ سے پانی پلانے سے بھی زیادہ آسان ہوتی ہے یہی وقت کا فریضہ ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ تجھے خلوت عزلت کب جائز ہے؟ مرض پھیل گیا ہے اور طبیب خود بیمار ہیں اللہ کی مخلوق ہلاکت کے کنارے پر پہنچ گئی ہے۔

یہ ایک طویل گفتگو ہے حضرت امام غزالیؒ کے اس مندرجہ بالا کلام کو مشعل راہ بنایا جائے تو حالات بدل سکتے ہیں موجودہ دور کی روحانی پسماندگی ار انحطاط کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ کی اس گفتگو سے تین باتیں خاص طور پر سامنے آتی ہیں۔

(۱)۔ ہر دور کے صوفی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دور کے فتنوں سے آگاہ ہو محض اندھی تقلید میں اپنے وقت کے فتنوں سے چشم پوشی نہ کرے۔

(۲)۔ ان فتنوں کا مکمل طور پر مطالعہ کرے اور ان سے خوب آگاہ ہو اور پھر دین کے حوالے سے ان کے رد کی بھرپور صلاحیت حاصل کرے۔

(۳)۔ فتنوں کے دور میں خلوت گوشہ نشینی اختیار کرنے کی بجائے میدان عمل میں نکلے اور جس طرح ممکن ہو تحریر' تصنیف وغیرہ کے ذریعے ان فتنوں کا قلع قمع کر کے اُمت مسلمہ کو اس گرداب بلا سے باہر نکالے۔

جس سال حضرت امام غزالیؒ تلاش حق میں بغداد کو خیر آباد کہتے ہیں اسی سال دنیائے اسلام کے عظیم مبلغ مصلح اور سرتاج اولیاء حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد شریف آئے اور آپ نے علوم دینیہ کی کماحقہ تحصیل کے بعد بیک وقت اصلاح و ارشاد اور تدریس

کو اختیار فرمایا:۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بغداد میں تہتر سال گزارے اور پانچ عباسی خلفاء آپ کی نظروں کے سامنے یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے آپ کے دور میں سلجوقی سلاطین اور عباسی خلفاء کی باہمی کش مکش پورے عروج پر تھی یہ سلاطین عباسی حکومت پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے تھے اور اس کے لئے کوشاں تھے اس تسلسل میں کئی بار مسلمانوں کا خون بھی بہایا گیا۔۔۔

ان حالات میں حضرت غوث اعظمؒ نے نفاق اور حب دنیا کی تحقیر و تذلیل' ایمانی شعور کے احیاء' عقیدہ آخرت کی یاددہانی' اور اس دنیائے فانی کی بے ثباتی کے مقابلے میں حیات جاودانی کی اہمیت' توحید خالص اور اخلاص کامل کو اپنی دعوت کی بنیاد بنایا آپ کے مواعظ دلوں پر بجلی کی طرح اثر کرتے تھے اور اُمت مسلمہ کی خوش قسمتی یہ ہے کہ یہ مواعظ آج بھی الفتح الربانی اور فتوح الغیب کی صورت میں موجود ہیں۔ اور ان کا اثر آج بھی اسی طرح تازہ ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی حالات حاضرہ کی پرکھ اور اصلاح اُمت کے سلسلے میں ایک بہترین کاوش ہے انہوں نے اپنے اشعار میں محفل عقل پر بھروسہ کرنے والے' باطن کے منکرین اور محض ظاہر کو سب کچھ سمجھنے والوں کا رد کیا عشق کی تعلیم دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ عمل کی طرف بھی توجہ دلائی مثنوی شریف میں مثالوں کے ذریعے دعوت الی اللہ کی راہ کو اپنا کر تفہیم دین کو آسان کیا۔

آپ فرماتے ہیں:۔

چونکہ ظاہر ہا گرفتند احمقان
آن دقائق شد ازیشاں بس نہاں

لا جرم محجوب گشتند از غرض
کہ دقیقہ فوت شد در مفترض

عشق کے بارے میں کہتے ہیں:۔

از محبت تلخہا شیریں شود
وز محبت مسہا زریں شو
از محبت درد ہاصافی شود
وز محبت درد ہاشافی شود

گویا آپ جہاں عشق الٰہی کی دعوت دیتے ہیں وہاں انسانوں کی باہمی محبت کو انتشار اختلاف اور جھگڑوں کے خاتمے کے لئے ایک بہترین تریاق قرار دیتے ہیں۔ حضرت رومی خواہشات کے پجاریوں کو درجہ انسانیت سے گرے ہوئے قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں:

اِیں نہ مَرْدَاننَدْ اَیں ھَا صَوْرَتْ اَنَدْ
مَرْدَ ہانَانَ اَنَدُ وکُشْتَہ شَھْوَتْ اَنَد

چونکہ اس مختصر مقالہ میں طویل گفتگو کی گنجائش نہیں اس لئے تاریخی حوالے سے مزید چند سطور پر اکتفا کرتے ہوئے آخر میں اس تاریخی پس منظر کا نتیجہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے دور میں جس فتنے کا مقابلہ کیا وہ بہت بڑا فتنہ تھا اکبری معجون مرکب دین الٰہی کے خلاف میدان جنگ میں اُتر کر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دین اسلام میں ملاوٹ کی سازش کا قلع قمع کیا اور حضرت امام احمد رضا بریلویؒ نے تقدیس خداوندی اور عصمت انبیاء کے خلاف اُٹھنے

والی بڑی سازش کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ کر کے ملت اسلامیہ پر جو احسان عظیم کیا تھا وہ رہتی دنیا تک یاد رہے گا حضرت خواجہ پیر مہر علی ؒ نے انگریز کی ایک دوسری سازش جو فتنہ انکار ختم نبوت کی صورت میں ظاہر ہوئی اس کا پردہ اس طرح چاک کیا کہ مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کو اپنے آقاؤں کے دامن میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

تاریخ دعوت و عزیمت کی ایک مختصر سی جھلک سے جہاں ان نفوس قدسیہ کی خدمت جلیلہ اور طریق دعوت سے آگاہی ہوتی ہے وہاں ہمارے لئے یہ تاریخ دعوت فکر اور مشعل راہ بھی ہے کہ ہمارے صوفیاء عظام اور علماء کرام خلوت سے جلوت میں آئیں وقت کی نبض پر ہاتھ رکھیں دور حاضر کے فتنوں سے آگاہ ہوں اور ان کے ازالے کے لئے جس علمی و عملی اسلحہ کی ضرورت ہے اس سے لیس ہو کر شیطان کی ذریت کا مقابلہ کریں اور اُمت مسلمہ کے عقائد' اخلاقیات' سیاسیات اور معاشیات و معاشرت کے حوالے سے ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو ڈوبنے سے بچائیں۔

حضرت خواجہ پیر محی الدین غزنوی ؒ جن کی زندہ کرامت اور برکت آج اس محی الدین اسلامی یونیورسٹی اور ان کی باعمل اولاد کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے انہوں نے غفلت کی شکار انسانیت کو راہ راست پر گامزن کرنے کے لئے شب و روز محنت کی اور جو معاشرتی خرابی دیکھی اس کے ازالے کے لئے بھرپور کوشش کی حتیٰ کہ حیات محی الدین غزنوی ؒ کے مطابق ایک دفعہ آپ مسلسل تبلیغی' اصلاحی' دوروں پر رہے گھر میں فاقوں کی نوبت آ گئی لیکن اس مرد حق آگاہ نے دین کی طرف دعوت اور احکام اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں اپنے مشن سے سرمو انحراف نہ کیا اور اسی خلوص' للہیت اور خداشناسی کی برکت ہے کہ آج اس دشوار گزار مقام پر علم کے موتی بکھیرنے کے لئے علم و دانش سے وابستہ عظیم شخصیات جلوہ گر ہیں۔

کتابیات

۱۔ قرآن مجید: ۱۲، ۱۲۵

۲۔ ایضاً: ۱۷، ۵

۳۔ ایضاً: ۱۳، ۳۶

۴۔ ایضاً: ۴۰، ۴۱

۵۔ ایضاً: ۴۲، ۱۵

۶۔ ایضاً: ۱۶، ۱۲۵

۷۔ ایضاً: ۳، ۱۵۹

۸۔ ایضاً: ۴۲، ۲۳

۹۔ ایضاً: ۵، ۶۷

۱۰۔ مشکوٰۃ شریف ص: ۴۴۰ کتاب الرقاق

۱۱۔ صحیح بخاری جلد اول ص ۵ مجاب الایمان اصح المطابق دہلی

۱۲۔ طبری تاریخ الامم و الملوک جلد ۷ ص ۹۸ واقعات ۹۲ ھ

۱۳۔ تاریخ دعوتو عزمیت حصہ اول ص ۴۱، ۴۲

۱۴۔ قیام اللیل ص ۱۲ بحوالہ تاریخ دعوت و عزمیت حصہ اول ۷۰، ۶۷

۱۵۔ کتاب الحیوان جاحظ جلد ۳ ص ۹۱ بحوالہ تاریخ دعوت و عزمیت حصہ اول ص ۹۱

مسلک اہل سنت اور مکتوبات امام ربانی رح

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ۔ لاہور

مسلک اہل سنت اور مکتوبات امام ربانیؒ

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

اُمت مسلمہ کا مختلف فرقوں میں بٹ جانا تو قابل تحسین ہے اور نہ قوت میں اضافے کا باعث تفریق در تفریق جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی قوت میں کمی آتی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اختلافات پوری شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو سب کو غلط قرار دے کر ایک نئے فرقے کا اضافہ کر لیا جائے یا پھر قرآن و حدیث اور اسلاف اُمت کے ارشادات کی روشنی میں دیکھا جائے کہ کون حق پر ہے۔؟

امام احمدؒ ' نسائیؒ اور دارمیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا پھر اس کے دائیں بائیں کچھ خطوط کھینچے اور فرمایا:۔ یہ متعدد راستے ہیں' ان میں سے ہر ایک پر ایک شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے' اور یہ آیت کریمہ پڑھی وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (۶/ ۱۵۳) اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا اس کی پیروی کرو۔(۱)

اس آیت کریمہ اور حدیث شریف سے واضح ہے کہ سیدھا اور واجب الاطاعت ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے حبیب اکرم ﷺ کا۔

امام ترمذیؒ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے۔ اور ہماری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی' وہ سب آگ میں ہوں گے سوائے ایک ملت (جماعت) کے' صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ملت کونسی ہے؟ فرمایا:۔ جس پر ہم اور ہمارے اصحاب ہیں۔ مَااَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس اُمت کا نجات پانے والا سب سے پہلا گروہ صحابہ کرام کا ہے جن میں حضرات اہل بیت کرام بھی شامل ہیں۔ یہی وہ قدسی صفات نفوس ہیں جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے قدم بقدم چل کر زندگی بسر کی' اور جن کے جگمگاتے نقوش اقدام بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے منزل مقصود کے نشان راہ بن گئے۔

نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مسلمین کا نام عطا فرمایا' اس مبارک نام کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے نام کی ضرورت نہ تھی' لیکن مسلمان کہلانے والوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے یونانی فلسفے سے متاثر ہو کر ایسے عقائد اختیار کر لئے جو کتاب و سنت کے ظاہر اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عقائد کے مخالف تھے' مثلاً واصل بن عطا حضرت حسن بصریؒ کا شاگرد تھا' اس کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ نہ مومن ہے اور نہ کافر ہے' اس عقیدے کی بنا پر اس نے اپنے استاد کا حلقہ درس چھوڑ کر علیحدہ حلقہ بنا لیا' اس بنا پر اس کا اور اس کے پیروکاروں کا نام معتزلہ قرار پایا'

شیخ ابوالحسن اشعریؒ' ابو علی جبائی معتزلی کے شاگرد تھے' ایک موقع پر انہوں نے استاد سے ایک سوال پوچھا جس کا وہ تسلی بخش جواب نہ دے سکا' انہوں نے استاد کا مذہب چھوڑ دیا اور معتزلہ کے عقائد کے رد میں سرگرم ہو

گئے انہوں نے اپنی تمام تر توانائی ان عقائد کے ثابت کرنے میں صرف کر دی جو ظاہر حدیث سے ثابت تھے اور صحابہ کرام ان کے قائل تھے' ان کے متبعین کا نام اہل سنت و جماعت رکھا گیا۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کی سنت اور جماعت صحابہ کے عقائد و نظریات رکھنے والے اور مَاأَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِیْ پر کاربند' اہل سنت و جماعت کے دوسرے امام شیخ ابو منصور ماتریدیؒ ہیں' ان دونوں اماموں میں صرف چند مسائل میں اختلاف ہے۔

مکتوبات امام ربانی اور مسلک اہل سنت و جماعت

دعوت اسلام کے سلسلے میں قرآن پاک میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کے مکتوب گرامی کا ذکر ہے جو انہوں نے ہدہد کے ذریعے ملکہ صبا بلقیس کے نام ارسال کیا' احادیث مبارکہ میں حضور سید عالم ﷺ کے مکتوبات شریفہ کا تذکرہ ملتا ہے جو آپ نے اس وقت کے سلاطین کو ارسال کی دعوت دینے کے لئے ارسال فرمائے۔

دعوت و تبلیغ میں حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ الفتح الربانی کے نام سے شہرہ آفاق اور لافانی حیثیت کے حامل ہیں۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مکتوبات بھی اپنی افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے زندہ و پائندہ ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندیؒ کے زندہ جاوید مکتوبات دنیائے مکتوبات میں سے سے زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔

آج فاصلاتی تعلیم کا سسٹم اوپن یونیورسٹیوں کے ذریعے قائم ہے' امام ربانی کے دور میں ماہرین تعلیم کے ذہنوں میں فاصلاتی تعلیم کا تصور بھی نہ تھا' اس کے باوجود امام ربانیؒ نے اپنے مکتوبات کے ذریعے نہ صرف یہ نظام دعوت و تعلیم عملاً رائج کیا بلکہ اسلامی انقلاب برپا کر دیا' یہ وہ دور تھا جب حکومتی سطح

پر لادینیت کو فروغ دیا جا رہا تھا اور اسلامی شعائر کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا تھا۔ امام ربانی" نے اپنے مکتوبات میں قرآن و حدیث کی ترجمانی کی ہے اور روح اسلام کی تبلیغ فرمائی ہے' اسی لئے آج بھی ان کی آب و تاب میں کوئی فرق نہیں آیا' اور وہ آج بھی اَن گنت دلوں اور روحوں کو ایمان و معرفت کے انوار سے منور کر رہے ہیں۔

امام ربانی قدس سرہ اہل سنت و جماعت کی پیروی کو نجات کے لئے لازمی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ راہ نجات اقوال افعال اور اصول و فروغ میں اہل سنت و جماعت اللہ تعالیٰ ان کی کثرت میں اضافہ فرمائے) کی پیروی ہے' کیونکہ یہی نجات پانے والا فرقہ ہے' دوسرے فرقے زوال اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں' آج کوئی شخص اس حقیقت کو جانے یا نہ جانے تاہم کل روز قیامت ہر شخص جان لے گا۔ اے اللہ! ہماری آنکھیں کھول دے قبل اس کے کہ موت ہماری آنکھیں کھولے۔ (۳)

جناب سید محمود" کے نام مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مخدوما! ابدی نجات کے حاصل کرنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں: (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ علم جس کا مقصد عمل ہے' اس کا بیان علم فقہ میں ہے۔ (۲) وہ علم جس کا مقصد صرف اعتقاد اور دل کا یقین ہے اس کی تفصیل فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے صحیح عقائد کے مطابق علم کلام میں بیان ہوئی ہے' ان بزرگوں کی پیروی کے بغیر نجات کا تصور نہیں کیا جا سکتا' اگر بال برابر بھی مخالفت ہو تو خطرہ ہی خطرہ ہے' یہ بات صحیح کشف اور صریح الہام کے ذریعے بھی یقین کی حد تک پہنچی ہوئی ہے' اس کے خلاف کا احتمال بھی نہیں ہے۔ آئندہ سطور میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی" کے مکتوبات کے حوالے سے اہل سنت کے چند عقائد

پیش کیئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات

خان جہاں کے نام ارسال کردہ مکتوب میں اہل سنت و جماعت کے عقائد مختصر طور پر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ خود موجود ہے' باقی تمام اشیاء اس کے پیدا کرنے سے موجود ہیں اور عدم سے وجود میں آئی ہیں' پس اللہ تعالیٰ قدیم اور ازلی (بے ابتداء) ہے' باقی تمام اشیاء حادث اور نو پیدا ہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ یکتا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' نہ تو واجب الوجود ہونے میں اور نہ ہی مستحق عبادت ہونے میں (واجب وہ ہستی ہے جس کا عدم نہ ہو سکے اور عبادت تعظیم کی انتہاء کو کہتے ہیں یعنی کسی ہستی کو مستقل اور موثر بالذات مانا جائے قادری) واجب الوجود ہونا اس کے غیر کے لائق نہیں ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔(۵)

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے' بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ امام ربانیؒ فرماتے ہیں:۔

صفات نقائص کی اس جناب مقدس سے نفی ہے' اللہ تعالیٰ جواہر اجسام اور اعراض کی صفات اور ان کے لوازم سے منزہ ہے' زمان و مکان اور جہت کی اس کی بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے' یہ سب اس کی مخلوق ہیں' وہ شخص بے خبر ہے جو اللہ تعالیٰ کو عرش کے اوپر کہتا ہے اور اس کے لئے جہت فوق ثابت کرتا ہے' عرش اور ماسوا تمام مخلوقات حادث اور اس کی مخلوق ہیں' حادث کی کیا مجال؟ کہ وہ خالق قدیم کا مکان اور ٹھکانہ بنے۔(۲)

اللہ تعالیٰ کی بلند و برتر ذات ہماری عقل میں نہیں آ سکتی اور جو چیز

ہماری عقل میں آ جائے وہ ذات الٰہی نہیں ہو سکتی۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:۔

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم
و زہرچہ گفتہ اندو شنیدیم خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

☆ اے وہ ذات جو قیاس' خیال اور گمان و وہم سے برتر ہے۔
☆ اور ہر اس چیز سے برتر جو کہنے والوں نے کہی اور ہم نے سنی اور پڑھی ہے۔ دفتر مکمل ہو گیا اور عمر آخر کو پہنچ گئی۔ اور ہم ابھی تیری صفت کے بیان کرنے کی ابتداء ہی میں ہیں:۔

امام ربانیؒ فرماتے ہیں:۔

ہم اتنا جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اپنے ان اسماء اور صفات کاملہ سے متصف ہے جن کے ساتھ خود اس نے اپنی تعریف فرمائی ہے لیکن اس کے بارے میں جو کچھ ہمارے ادراک' فہم' عقل اور تصور میں آتا ہے وہ اس سے منزہ اور بلند ہے۔(۷)

اہل ایمان کو جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ (۷۵/۲۳-۲۲) کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی زیارت کریں گے' امام ربانیؒ فرماتے ہیں:۔

بہشت میں بغیر جہت اور مقابلہ کے اور بغیر کیف اور احاطہ کے مومنوں کا اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونا برحق ہے' ہم اس اُخروی دیدار پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا

دیدار کیف کے بغیر ہے' اس جہان میں اس کی حقیقت کیوں اور کیسے کے چکر میں پڑنے والوں پر ظاہر نہیں ہوتی اور ایمان کے بغیر ان کو دیدار نصیب نہیں ہو گا۔ افسوس فلاسفہ' معتزلہ اور دیگر اہل بدعت فرقوں پر کہ محرومیت اور نابینا ہونے کی بنا پر آخرت کے دیدار کا انکار کرتے ہیں' غائب کو حاضر پر قیاس کرتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کی دولت سے بھی مشرف نہیں ہوتے۔(۸)

ہم میں سے ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانتا ہے اور زبان سے اس کے اقرار کرتا ہے لیکن امام ربانیؒ تو اس سے بھی آگے کی تعلیم دیتے ہیں فرماتے ہیں:۔

توحید کا مطلب یہ ہے کہ دل کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی طرف توجہ سے خالی کر دیا جائے' جب تک دل اس کے ماسوا کے تعلق میں گرفتار ہے اگرچہ بہت ہی معمولی سا تعلق ہو وہ ارباب توحید میں سے نہیں ہے' اس دولت کے حاصل کیئے بغیر ایک کہنا اور ایک ماننا ارباب تحقیق کے نزدیک امر زائد ہے' ہاں ایک کہنا اور ایک ماننا جو تصدیق ایمانی میں معتبر ہے ضروری ہے لیکن اس کا الگ مطلب ہے۔(۹)

یعنی توحید یہ ہے بندہ مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد اس طرح راسخ ہو جائے کہ یاد الٰہی سے غافل کر دینے والی ہر چیز کو دل سے نکال پھینکے' ورنہ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات اس کی یاد کے لئے ہیں' تلاوت قرآن کریم اس کی یاد کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے حبیب اکرم ﷺ کا تذکرہ اور چرچا اس کی یاد کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کو رام اور کرشن کہنا انتہائی حماقت ہے۔

بعض لوگ جہالت یا عیاری کی بنا پر کہتے ہیں کہ مسلمان اور ہندو میں فرق نہیں ہے ایک رحمٰن کو مانتا ہے اور دوسرا رام کو' رحمٰن بھی وہی ہے اور رام بھی وہی ہے' یہ کھلا دھوکہ ہے' امام ربانیؒ ایک ہندو کے نام ارسال کردہ

مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"رام اور کرشن وغیرہ ہندوؤں کے معبود، اللہ تعالیٰ کی حقیر مخلوقات میں سے ہیں، یہ ماں باپ سے پیدا ہوئے، رام جسرت کا بیٹا، لچھمن کا بھائی اور سیتا کا شوہر تھا، رام اپنی بیوی کی حفاظت نہ کر سکا (اسے راون لے اڑا) وہ کسی دوسرے کی کیا امداد کر سکے گا؟ دور اندیش عقل سے کام لینا چاہیئے اور ہندوؤں کی تقلید نہیں کرنی چاہیئے، ہزاروں نفرین ہیں اس شخص پر جو تمام جہانوں کے پالن ہار کو رام یا کرشن کے نام سے یاد کرے، یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص عظیم الشان بادشاہ کو بھنگی کے نام سے یاد کرے، رام اور رحمٰن کو ایک جاننا پرلے درجے کی حماقت ہے، خالق اور مخلوق ایک نہیں ہو سکتے۔" (١٠)

مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ عظمتیں اور رفعتیں عطا فرمائی ہیں کہ وہاں تک نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچا اور نہ کسی رسول کی وہاں تک رسائی ہوئی، امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔

خلق سے اولیاء، اولیاء سے رسل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
انبیاء سے کروں عرض کیوں مالکو!
کیا نبی ہے تمہارا ہمارا نبی

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"مقام رضا سے اوپر صرف حضرت خاتم الرسل ﷺ کا مقام ہے' غالبًا اسی مقام کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے کہ میرے ساتھ اس وقت کسی مقرب فرشتے اور نبی رسول کی گنجائش نہیں ہے' اور غالبًا حدیث قدسی میں اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے حبیب! میں ہوں اور تم ہو اور تمہارے علاوہ جو کچھ ہے وہ میں نے تمہارے لئے پیدا کیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عرض کیا:۔ اے اللہ! تو ہے اور میں نہ ہوں' تیرے سوا جو کچھ ہے وہ میں نے تیرے لئے چھوڑ دیا۔

لوگ آج حضرت محمد رسول ﷺ کے مقام کا کیسے ادراک کر سکتے ہیں؟ اور آپ کی عظمت و بزرگی اس جہان میں کیسے پہچان سکتے ہیں؟ کیونکہ اس امتحان گاہ (دنیا) میں سچا اور جھوٹا' حق اور باطل مخلوط ہے' قیامت کے دن آپ کی بزرگی معلوم ہو گی کہ آپ پیغمبروں کے امام اور ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے' آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔" (۱۱)

امام احمد رضا بریلوی ؒ فرماتے ہیں:۔

ماو شما تو کیا کہ خلیل و جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے

محبت و اطاعت مصطفیٰ ﷺ

امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں:۔ ایک دن قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا کہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ سامنے آ گئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے:۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے آباء' بیٹے' بھائی' بیویاں' خاندان' وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں' اور وہ تجارت جس کے خسارے سے تم ڈرتے ہو اور پسندیدہ مکانات تمہیں اللہ' اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا امر لے آئے۔ اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا اس آیت کی تلاوت سے بہت گریہ طاری ہوا اور خوف غالب آگیا:

اسی اثناء میں نے اپنے حال کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ میں ان اشیاء میں سے کسی میں بھی گرفتار نہیں ہوں۔" (۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ' اس کے حبیب اکرم ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت' محبت پر غالب ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ جناب سید فرید کے نام مکتوب میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت کا عین قرار دیا' لہٰذا رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس ذات کریم جل شانہ کی اطاعت نہیں ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے اپنی بادشاہی کے دور میں خرقان کے قریب پڑاؤ ڈالا' اور اپنے چند نمائندے حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی خدمت میں بھیجے اور درخواست کی کہ شیخ سلطان کی ملاقات کے لئے تشریف لائیں' ساتھ ہی نمائندوں کو حکم دیا کہ اگر شیخ آنے کے لئے تیار نہ ہوں تو آیہ کریمہ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ پڑھ کر سنائیں جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو' او رسول مکرم کی اطاعت کرو اور اپنے اولوالامر (حکام) کی اطاعت کرو' نمائندوں نے حاضر ہو کر دعوت ملاقات دی اور جب دیکھا کہ شیخ تیار نہیں تو آئیہ کریمہ پڑھ کر سنائی شیخ نے فرمایا میں:۔ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ میں اتنا گرفتار ہوں کہ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ سے شرمندہ ہوں' اولوالامر کی

اطاعت کی باری تو بعد میں ہے۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد امام ربانیؒ فرماتے ہیں:۔

"حضرت شیخ نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول گرامی کی اطاعت کے بغیر ہو سکتی ہے' یہ بات استقامت سے دور ہے' مستقیم الاحوال مشائخ اس قسم کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں' شریعت' طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اللہ کی اطاعت میں جانتے ہیں' رسول اللہ کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو عین گمراہی قرار دیتے ہیں۔(۱۳)

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے خراسان کے شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے' وہاں خراسان کے اکابر سادات میں سے ایک بزرگ سید بھی تشریف فرما تھے' اسی اثنا میں ایک مغلوب الاحوال مجذوب آ گئے' حضرت شیخ نے انہیں سید صاحب کے آگے جگہ دی' یہ بات سید صاحب کو ناگوار گزری' شیخ نے سید صاحب کو کہا کہ آپ کی محبت رسول ﷺ کی محبت کی بنا پر ہے اور اس مجذوب کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی محبت کی بنا پر ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ربانیؒ فرماتے ہیں:۔

اس تفریق کو مستقیم الاحوال اکابر جائز قرار نہیں دیتے' رسول اللہ ﷺ کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبے کو سکر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں' اور اسے فضول بات قرار دیتے ہیں' ہاں اتنا ہے کہ مقام کمال یعنی مرتبہ ولایت میں اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہے اور مقام تکمیل میں جو مقام نبوت کا حصہ ہے رسول اللہ کی محبت غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی محبت پر ثابت قدمی عطا فرمائے جو بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔(۱۴)

نبی اکرم ﷺ کی محبت کا پیمانہ اور معیار کیا ہے؟ ہم نے اپنی صوابدید کے مطابق مختلف معیار مقرر کر رکھے ہیں۔ آیئے! دیکھیں امام ربانیؒ کیا فرماتے

ہیں؟

"سرور دو عالم ﷺ کی کامل محبت کی فرع کامل اتباع ہے۔

"اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ هَوَاهُ مُطِيْعٌ مُحب اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی کامل محبت کی علامت یہ ہے کہ آپ کے دشمنوں سے مکمل بغض رکھا جائے اور آپ کی شریعت کے دشمنوں سے دشمنی کا اظہار کیا جائے' محبت میں مداہنت کی گنجائش نہیں ہوتی' محب محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے' مخالفت کی تاب نہیں رکھتا اور محبوب کے مخالفوں سے کسی طرح صلح نہیں کرتا' دو متبائین محبتیں جمع نہیں ہوتیں' اجتماع ضدین کو محال کہتے ہیں' محبوب کی محبت کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ اس کے دشمن سے دشمنی رکھی جائے۔" (۱۵)

یہ مکتوب اگرچہ اس دور کا ہے جب شریعت کی مخالفت اور لادینیت کی سرپرستی سرکاری سطح پر کی جارہی تھی تاہم ان ارشادات کا ایک ایک جملہ آج بھی مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

ہم نے کہا ہے کہ محبت خاص پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ محض فضل سے اس فقیر کو حاصل ہوئی تھی۔ اس محبت کے رنگ میں یہ فقیر کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے میری محبت اس لئے ہے کہ وہ رب محمد ہے۔(۱۶)

اُمت کے احوال سے آگاہی

راہ معرفت کے سلوک کا مبتدی کائنات سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے' منتہی مخلوق سے رخ نہیں پھیر سکتا' اس کے مقام کے لئے لازم ہے کہ وہ مخلوق کی طرف متوجہ ہو' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی توجہ میں فرق نہیں آتا' اس نکتے کے بیان کے ساتھ ہی امام ربانی

" فرماتے ہیں:۔

"حدیث شریف تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ جو تحریر ہوئی ہے اس کا اشارہ دوام آگاہی (ہر وقت اللہ کریم کی طرف متوجہ ہونے) کی طرف نہیں ہے، بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنے اور اپنی اُمت کے احوال سے غافل نہیں ہوتے، اسی لئے سرور دوعالم ﷺ کے حق میں نیند ناقص وضو نہیں ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی اُمت کی حفاظت کے سلسلے میں بکریوں کے رکھوالے کی طرح ہوتے ہیں اس لئے غفلت آپ کے منصب نبوت کے لائق نہیں ہو گی۔(۱۷)

غیب اور متشابہات کا علم

امام ربانی" فرماتے ہیں:۔

"قرآنی متشابہات تاویل پر محمول ہیں ان کا ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَا اللّٰهُ یعنی متشابہ کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی متشابہ تاویل پر محمول ہے اور اس کا ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء راسخین کو بھی اس تاویل کے علم میں حصہ عطا فرماتا ہے، جیسے کہ اپنی ذات کے ساتھ مخصوص علم غیب کی اطلاع خاص رسولوں کو عطا فرماتا ہے۔(۱۸)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے کتاب مجید کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ (۱) محکمات (۲) متشابہات، پہلی قسم شرائع اور احکام کا منشا ہے اور دوسری قسم حقائق اور اسرار کے علم کا خزانہ ہے، وجہ، قدم، ساق، اصابع اور انامل جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں سب متشابہات ہیں، اسی طرح حروف مقطعات جو قرآنی سورتوں کی

ابتدا میں وارد ہوئے ہیں وہ بھی متشابہات میں سے ہیں' ان کی تاویل کی اطلاع علماء راسخین کے علاوہ کسی کو نہیں دی۔(۱۹)

قرآن پاک میں یہ تو آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا زمین و آسمان کا کوئی بھی رہنے والا غیب نہیں جانتا' یہ بھی آیا ہے کہ متشابہ کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' لیکن قرآن پاک میں یہ کہیں نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ غیب کا علم کسی کو بھی عطا نہیں فرماتا یا دے ہی نہیں سکتا' اس کے برعکس یہ ضرور فرمایا ہے:۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ہاں مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو عطا فرماتا ہے۔

اسی طرح یہ کہیں نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متشابہات کا علم کسی کو عطا نہیں فرماتا۔

امام ربانی'' کے مکتوبات کے مذکورہ اقتباسات سے دو مسئلے واضح طور پر معلوم ہو جاتے ہیں۔

(۱)۔ وہ علم غیب جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اطلاع اپنے خاص رسولوں کو عطا فرماتا ہے۔

(۲)۔ اللہ تعالیٰ متشابہات کا علم راسخین فی العلم کو عطا فرماتا ہے۔

بے مثل نورانی بشریت

امام ربانی'' فرماتے ہیں:۔

''جاننا چاہیئے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تخلیق باقی انسانوں کی طرح نہیں ہے' بلکہ کائنات کے کسی فرد کی تخلیق کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی' کیونکہ آپ باوجود عنصری جسم کے اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں' جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں'

دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہے۔"(۲۰)

بے سایہ و سائبان عالم

حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

"جس قدر دقیق نظر سے صحیفہ ممکنات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ سرور دوعالم ﷺ کا وجود وہاں دکھائی نہیں دیتا' بلکہ آپ کا منشاء خلقت اور امکان صفات اضافیہ کا وجود اور امکان محسوس ہوتا ہے۔ اور جب اس سرور دوعالم ﷺ کا وجود عالم ممکنات میں نہیں ہے۔ بلکہ اس عالم سے اوپر ہے اس لئے لازمی طور پر آپ کا سایہ نہ تھا' نیز عالم شہادت میں کسی بھی شخص کا سایہ اس شخص سے زیادہ لطیف ہوتا ہے' جب آپ سے زیادہ لطیف پورے جہان میں کوئی نہیں ہے تو آپ ﷺ کا سایہ کس طرح ہو سکتا ہے۔(۲۱)

حاضر و ناظر

اولیاء کاملین کی روحیں مختلف مقامات پر متشکل ہو کر مختلف لوگوں سے ملاقات کرتی ہیں' ان کی دعا و برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مشکلات آسان فرما دیتا ہے' جب یہ اولیاء کاملین کا حال ہے تو حضور سید عالم ﷺ کا کیا مقام ہوگا۔ حضرت امام ربانیؒ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ کی عطا سے جنات کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور ان سے عجیب و غریب افعال ظاہر ہوتے ہیں' اگر اولیاء کاملین کی روحوں کو یہ قدرت عطا فرما دیں' تو کونسی تعجب کی بات ہے؟ اور دوسرے بدن کی کیا حاجت ہے؟

اسی قسم کا وہ واقعہ ہے جو بعض اولیاء کرام سے منقول ہے کہ وہ ایک

آن میں متعدد جگہوں میں حاضر ہوتے ہیں اور ان سے مختلف افعال صادر ہوتے ہیں' اس جگہ بھی ان کے لطائف مختلف جسموں اور شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں---

اسی طرح مختلف حاجتوں والے لوگ اپنے زندہ یا فوت شدہ عزیزوں سے خوف اور ہلاکت کی جگہوں میں مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان عزیزوں کی صورتیں حاضر ہو کر ان کی مصیبتوں کو دور کرتی ہیں۔ ان عزیزوں کو کبھی اس مصیبت کے دور کرنے کی اطلاع ہوتی ہے اور کبھی اطلاع نہیں ہوتی۔ ازما و شما بہانہ برساختہ۔ ہمارا اور تمہارا تو بہانہ بنایا ہوا ہے۔ (اصل میں امداد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔) یہ بھی ان عزیزوں کے لطائف متشکل ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔

یہ تشکل کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں' چنانچہ ایک رات میں ہزار افراد خواب میں سرور دوعالم ﷺ کی مختلف صورتوں میں زیارت کرتے ہیں اور مختلف امور کا استفادہ کرتے ہیں' یہ سب نبی اکرم ﷺ کی صفات اور لطائف کا مثالی صورتوں سے تشکل ہوتا ہے۔ (۲۲)

میلاد شریف

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی پیروی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔ اے حبیب! فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ (۲۳) اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا فقط اتباع کافی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو منافقین بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے' ماننا پڑے گا کہ وہی اتباع مقبول ہے جس کے ساتھ دل و جان سے سرکار دوعالم ﷺ کی محبت بھی

شامل ہو' حدیث شریف میں ہے جس کے ساتھ محبت ہو انسان اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے' معلوم ہوا کہ ہر مومن کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کا ذکر قرار دل و جاں ہے' محفل میلاد میں بھی حضور سید عالم ﷺ کی ولادت باسعادت اور فضائل و کمالات کا تذکرہ ہوتا ہے' کونسا مسلمان ہو گا جو اس کا انکار کرے گا اور اس سے منع کرے گا؟

حضرت امام ربانی ؒ خواجہ حسام الدین احمد کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ نے مولود خوانی کا تذکرہ کیا ہے' اچھی آواز کے ساتھ قرآن پاک کے پڑھنے' نعت اور منقبت کے قصائد کے پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ ممنوع یہ ہے کہ قرآن پاک کے حروف کو بگاڑ دیا جائے' موسیقی کے قواعد کی رعایت کی جائے' خوش آوازی کے طور پر راگ کی شکل دی جائے اور راگ کی مناسب سے تالیاں بجائی جائیں' کیونکہ یہ طریقہ تو شعر میں بھی جائز نہیں (چہ جائیکہ قرآن پاک میں یہ طریقہ اپنایا جائے؟) اگر اس طرح تلاوت کی جائے کہ قرآن پاک کے کلمات میں تبدیلی نہ ہو اور قصائد پڑھنے میں راگ کے قواعد کی رعایت نہ پائی جائے اور اسے صحیح غرض کے پیش نظر جائز قرار دیں تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔(۲۴)

مکتوبات شریفہ کا شیخ مراد مکی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے' مولانا نور احمد امرتسری نے ان کا ایک نوٹ اس جگہ حاشیہ میں نقل کیا ہے' وہ فرماتے ہیں:۔

اس سے پہلے متعدد مکتوبات میں میلاد شریف کے پڑھنے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے' حضرت امام ربانی قدس سرہ کا مطلب وہی ہے جو انہوں نے اس جگہ بیان فرمایا ہے' دیگر مقامات پر جو مطلقاً منع فرمایا ہے تو اس کی وجہ وہی ہے جو اس جگہ بیان کی گئی۔ (۲۵)

امام ربانی ؒ شیخ سید فرید ؒ کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

چند جملے آپ کے جَدْ اَمْجَدْ اَفْضَلَ الْعَرَبْ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ مِنَ الصَّلوٰات اَفْضَلُهَا وَمِنْ اَلتَّحِیَاتِ اَکْمَلُهَا کے بارے میں احادیث کے حوالے سے عربی زبان میں لکھتا ہوں' میں اس سعادت نامے کو نجات اخروی کا وسیلہ بنانا چاہتا ہوں' نہ کہ نبی اکرم ﷺ کی مدح و ثنا کا اظہار شعر:۔

مَاانْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّد

میں نے اپنی گفتگو سے حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی مدح نہیں کی۔ بلکہ آپ کے ذکر انور سے اپنی گفتگو کو چار چاند لگائے ہیں۔(۲۶)

توسل

کسی مشکل کے حل کے لئے اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالٰی کے محبوبوں کو بھی وسیلہ بنا سکتے ہیں' امام ربانی'' فرماتے ہیں:۔

"ایک دن یہ خوف غالب آگیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کشفوں پر گرفت فرمائیں اور ان توہمات کے بارے میں باز پرس کریں' یہ حالت ایک مدت تک رہی' اتفاقاً ایک عزیز (اللہ تعالٰی کے ولی) کے مزار پر گزر ہوا' اس معاملے میں اس ولی کو اپنا مدد اور معاون بنایا' اسی اثنا میں اللہ تعالٰی کی عنایت شامل حال ہوئی اور معاملے کی حقیقت پوری طرح واضح فرما دی' تمام جہانوں کی رحمت حضرت خاتم المرسلین ﷺ کی روحانیت اس وقت جلوہ گر ہوئی اور غمگین دل کو تسلی عطا فرمائی۔"(۲۷)

امام ربانیؒ نے اپنے اکثر و بیشتر مکتوبات میں حضور سید عالم ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگتے ہیں' ایک مکتوب کے آخر میں یوں رقمطراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان اکابر (اولیاء) کے محسنین میں سے بنائے' بطفیل بنی قریش عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ مِنَ الصَّلٰوٰتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَاتِ اَکْمَلُھَا۔(۲۸)

ایصال ثواب

دنیا سے رحلت فرمانے والے مومنین کی لئے دعائے مغفرت اور صدقہ و خیرات کے ذریعے ایصال ثواب قرآن و حدیث سے ثابت ہے' امام ربانیؒ' مرزا علی جان کے نام تعزیتی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"تم پر لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور وقتاً فوقتاً دعا اور صدقہ کے ساتھ ان کی مدد کرو' کیونکہ میت ڈوبنے والے کی طرح منتظر ہوتا ہے کہ اسے ماں باپ' بھائی یا دوست کی طرف سے دعا پہنچے۔ نیز ان کی موت سے اپنی موت کی عبرت پکڑنی چاہیئے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے سپرد کر دینا چاہیئے اور دنیا کی زندگی کو صرف دھوکے کا سامان شمار کرنا چاہیئے۔"(۲۹)

محبت اہل بیت کرام

اہل سنت کے بارے میں یہ گمان کیسے کر لیا جائے کہ وہ اہل بیت سے محبت نہیں رکھتے' یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جزو ایمان ہے' اور خاتمے کی سلامتی اس محبت کے مستحکم ہونے سے وابستہ قرار دیتے ہیں۔

"اس فقیر کے والد ماجد جو علم ظاہری اور باطنی کے عالم تھے اکثر اوقات

اہل بیت کی محبت کی ترغیب دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس محبت کا خاتمے کی سلامتی میں بڑا دخل ہے۔ اس کا اچھی طرح لحاظ رکھنا چاہیئے' ان کی مرض وفات کے وقت یہ فقیر حاضر تھا' جب ان کا معاملہ آخر کو پہنچ گیا اور اس جہان کی طرف توجہ کم رہ گئی' فقیر نے انہیں ان کی بات یاد دلائی اور اس محبت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس بے خودی کے عالم میں فرمایا:۔ میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں' اس وقت میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا' اہل بیت کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے۔"(۳۰)

فضائل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ صریح کشف و الہام کے ذریعے یہ بات درجہ یقین کو پہنچ چکی ہے کہ راہ نجات صرف اہل سنت و جماعت کے عقائد کا اختیار کرنا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

"خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جسے ان حضرات کی پیروی اور ان کی تقلید کا شرف عطا کیا گیا اور اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جس نے ان کی مخالفت کی' ان سے جدا ہوا' ان کے اصول کو چھوڑا اور ان کے گروہ سے نکل گیا' ایسے لوگ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے' ایسے لوگوں نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کیا (حضور ﷺ کی) شفاعت کا انکار کیا' ان پر (نبی اکرم ﷺ کی) صحبت اور صحابہ کی فضیلت مخفی ہوئی' اہل بیت رسول کی محبت اور اولاد بتول کی مودت سے محروم ہوئے اور خیر کثیر روک دیئے گئے جو اہل سنت کے حصے میں آئی'

صحابہ کرام کا اس امر پر اجماع ہے کہ ان سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں' امام شافعیؒ جو صحابہ کرام کے احوال کے بہت بڑے عالم ہیں

فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے بعد مجبور ہو گئے' انہیں آسمان کی چھت کے نیچے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے افضل کوئی نہ ملا تو انہیں اپنی گردنوں کا والی بنا دیا' یہ امام شافعیؒ کی تصریح ہے کہ تمام صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے افضل ہونے پر متفق تھے لہٰذا دور اول میں آپ کی افضلیت پر اجماع ہوا اور یہ ایسا اجماع قطعی ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ کے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پاگیا اور جو پیچھے رہ گیا ہلاک ہوگیا۔(۳۱)

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"قران پاک اور شریعت کی تبلیغ صحابہ کرام نے کی ہے اگر ان پر طعن کیا جائے تو قرآن کریم اور شریعت پر بھی طعن لازم آئے گا۔ قرآن پاک حضرت عثمان غنیؓ نے جمع کیا ہے' اگر عثمان غنیؓ پر طعن کیا جائے تو قرآن پاک پر ہی طعن لازم آئے گا' اللہ تعالیٰ ہمیں زندیقوں کے عقیدے سے محفوظ رکھے۔"(۳۲)

حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"حضرت امیر معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ؟ انہوں نے فرمایا:۔ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حضرت امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہونے والا غبار بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی درجے افضل ہے۔(۳۳)

اولیاء کرام سے محبت

جسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو وہ یقیناً اللہ والوں سے بھی محبت کرے گا' امام ربانیؒ فرماتے ہیں:۔

"اس گروہ کی محبت جو معرفت پر مبنی ہے' اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے' خوش قسمت ہے وہ جسے یہ نعمت عطا فرماتے ہیں۔ شیخ الاسلام ہروی" فرماتے ہیں اے اللہ! تو نے اپنے دوستوں کو کیا مقام عطا فرمایا ہے؟ جس نے انہیں پہچانا اس نے تجھے پالیا اور جب تک تجھے نہ پایا انہیں نہ پہچانا۔ اس جماعت کی دشمنی زہر قاتل ہے اور ان پر طعن کرنا ابدی محرومیت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس آزمائش سے محفوظ رکھے شیخ الاسلام" فرماتے ہیں:۔ الٰہی تو جسے رد فرمانا چاہتا ہے اس ہمارے ساتھ الجھا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی بارگاہ کے مقربین کی عنایات کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا نامہ اعمال سیاہ ہے۔(۳۴)

تقلید امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ

امام اعظم ابو حنیفہ" تابعی ہیں اور دنیائے اسلام کے مسلم مجتہد ہیں' آپ نے زمانہ خیرالقرون میں اجتہاد کیا اور علم فقہ مرتب کیا' امام ربانی" فرماتے ہیں:۔

فقہ کے بانی امام ابو حنیفہ" ہیں' فقہ کے چار حصوں میں سے تین حصے ان کے سپرد ہیں' فقہ کے باقی چوتھائی حصہ میں دوسرے حضرات آپ کے ساتھ شریک ہیں' امام اعظم" صاحب خانہ ہیں اور دوسرے سب آپ کے بال بچے ہیں۔

عوام تو رہے عوام' اصحاب کشف اکابر اولیاء کرام آئمہ مجتہدین کی تقلید سے مستثنیٰ نہیں ہیں' امام ربانی" فرماتے ہیں:۔

"اصحاب ولایت خاصہ اور عام مومنین مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ اولیاء کرام کا کشف والہام انہیں اتنی فضیلت نہیں دیتا کہ وہ تقلید کی پابندی سے آزاد ہو جائیں' حضرت ذوالنون مصری" ' بایزید بسطامی" ' جنید بغدادی" ' شیخ

شبلیؒ عام مومنوں مثلاً زید، عمرو، بکر اور خالد کے احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ ہاں ان بزرگوں کو دیگر امور میں فضیلت ہے۔ (۳۵)

اسی مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"بغیر کسی تکلف اور تعصب کے کہا جاتا ہے کہ کشف کی نگاہ میں مذہب حنفی کی نورانیت عظیم دریا کی صورت میں نظر آتی ہے اور باقی مذاہب حوضوں اور چھوٹی نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔(۳۶)

ارادہ یہ تھا کہ امام ربانیؒ نے سیدنا غوث اعظمؒ کے بارے میں جس عقیدے و محبت کا اظہار کیا ہے اس کا بھی تذکرہ کرتا، نیز عرس، ایصال ثواب، مزارات پر چادر چڑھانے کے بارے میں بھی مکتوبات کے اقتباسات پیش کرتا، لیکن وقت کی قلت کے پیش نظر اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب پاک ﷺ صحابہ کرام، اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزرگان دین اور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے فیوض و برکات سے فیض یاب فرمائے۔ اور مسلک اہل سنت پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔

کتابیات

۱۔ مشکوٰۃ شریف عربی (طبع کراچی) ص ۳۰

۲۔ مشکوٰۃ شریف عربی ص ۳۰

۳۔ مکتوبات امام ربانی فارسی (طبع لاہور) دفتر اول حصہ دوم ص۔۵۸

۴۔ ایضاً دفتر اول حصہ دوم ص۔۳۸

۵۔ مکتوبات فارسی دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۴۶

۶۔ ایضاً

۷۔ مکتوبات فارسی دفتر دوم حصہ ہفتم ص۔ ۴۷

۸۔ ایضاً ص ۴۸

۹۔ مکتوبات فارسی، دفتر اول حصہ دوم ص ۱۲۸

۱۰۔ ایضاً مکتوبات دفتر اول حصہ سوم ص ۵۹

۱۱۔ مکتوبات دفتر دوم حصہ ششم ص۔ ۲۸۔۲۷

۱۲۔ مکتوبات فارسی دفتر سوم حصہ ہشتم ص۔ ۵۳

۱۳۔ ایضاً دفتر اول مکتوب ۱۵۲

۱۴۔ ایضاً ۱۵۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۶۵

۱۶۔ ایضاً دفتر سوم مکتوب ۱۲۱

۱۷۔ ایضاً دفتر اول مکتوب ۹۹

۱۸۔ ایضاً دفتر اول مکتوب ۲۱۰

۱۹۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۷۶

۲۰۔ مکتوبات فارسی سوم مکتوب ۱۰۰

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ مکتوبات دفتر دوم مکتوب: ۵۸

۲۳۔ سورہ آل عمران: ۳۱

۲۴۔ مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۷۲

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۴

۲۷۔ مکتوبات فارسی۔ دفتر اول مکتوب ۲۲۰

۲۸۔ مکتوبات فارسی دفتر اول مکتوب ٦٦

۲۹۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۸۹

۳۰۔ ایضاً دفتر دوم مکتوب ۳٦

۳۱۔ ایضاً دفتر اول مکتوب ۵۹

۳۲۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۴

۳۳۔ مکتوبات فارسی اول مکتوب: ۵۸

۳۴۔ ایضاً دفتر اول مکتوب ۱۰٦

۳۵۔ ایضاً مکتوبات فارسی دفتر دوم مکتوب ۵۵

۳٦۔ ایضاً

خواجہ محمد پارسا نقشبندیؒ کے احوال و آثار
—— مختصر تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد اختر چیمہ
پروفیسر و صدر شعبہ فارسی
گورنمنٹ کالج فیصل آباد

خواجہ محمد پارسا نقشبندیؒ کے احوال و آثار کا مختصر تجزیاتی مطالعہ (۱)

ڈاکٹر محمد اختر چیمہ

برصغیر پاکستان و ہند میں دین اسلام کی ترویج و تبلیغ، تعلیم کتاب و حکمت، تزکیہ نفوس، تصفیہ قلوب، تعمیر اخلاق اور اصلاح احوال کا اہم فریضہ جس موثر اور دلنشین انداز میں صوفیائے کرام نے انجام دیا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ جناب خواجہ غلام محی الدین غزنوی نقشبندی مجددیؒ بھی انہی شخصیات میں سے ایک ہیں جنہوں نے آزاد کشمیر کے خطہ میں اپنے دور میں احیائے اسلام اور عرفان نقشبندیہ کی اشاعت کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ آج کل ان کے جانشین برحق زیب سجادہ حضرت پیر محمد علاؤالدین صدیقی مدظلہ، نیریاں شریف کی دور افتادہ سرزمین میں بیٹھ کر واصلان حق کی راہنمائی اور قدیم و تجدید علم و فنون کی وسعت پذیری میں ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔ آج کا یہ پر شکوہ اجلاس بھی آپ کی زیر سرپرستی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

برصغیر میں چار سلاسل طریقت چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ مشہور ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ "سلاسل چہار دہ گانہ معروفہ" میں سے ایک ہے (۲) بستان اسیاحہ میں تحریر ہے کہ جمیع سلاسل صوفیہ سرور اولیاء آئمہ ہدیٰ

حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ پر اختتام پذیر ہوتے ہیں مگر بعض نقشبندی مشائخ اپنا رشتہ طریقت خلیفہ اول و یار غار نبی ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جوڑتے ہیں۔ یوں حضرت صدیق اکبرؓ مبداء و منبع سلسلہ طریقت نقشبندیہ شمار ہوتے ہیں (۳)۔ ایرانی محقق ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب ارزش میراث صوفیہ میں لکھتے ہیں:

"این نقشبندیہ خود شاخہ ای بودہ اند منشعب از سلسلہ خواجگان کہ منسوب بودہ است بہ خواجہ احمد عطایسویؒ معروف بہ حضرت ترکستان' وگویند خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ ترکستان مروج و محیی طریقہ اوشد (۴) خواجہ نقشبندؒ کے خلفا و مریدین کے بارے میں رشحات عین الحیات کی رذایت اس طرح ہے:۔

"پوشیدہ نماند کہ افضل و اکمل خلفا و اصحاب حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہ' حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ و حضرت خواجہ پارسا قدس سرہما بودہ اندو لیکن اصحاب ایشان بسیارو خدام بیرون ازحد و شمار اند۔"(۵)

شاہزادہ داراشکوہ نے سفینتہ الاولیاء میں آپ کے خلفاء چہارگانہ کا ذکر یوں کیا ہے:

"حضرت خواجہؒ را اصحاب بسیار اند' اھل ماوراء النہر اکثری مرید ماشا اندااما اشہرو بہتر و مہتر خواجہ محمد پارساؒ و خواجہ علاء الدین عطارؒ ملا یعقوب چرخیؒ و خواجہ علاء الدین غجدوانیؒ ۔"(۶)

ہمارا مقصود و مدعا یہاں خواجہ محمد پارسا کا بطور مصنف مختصر تعارف اور ان کے عارفانہ آثار پر قدرے تبصرہ پیش کرنا ہے۔

خواجہ شمس الدین جلال الدین ابوالفتح محمد بن محمد بن محمود حافظی بخاریؒ معروف و ملقب بہ خواجہ محمد پارسا' خواجہ نقشبندؒ کے درجہ اول کے خلفاء اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر پیشواؤں اور اعظم عارفوں میں سے ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ تک پہنچتا ہے۔ (۷) آپ

۷۵۶ھ میں بخارا کے ایک عالم فاضل گھرانے میں پیدا ہوئے۔ علوم معقول منقول' فروغ و اصول اور فقہ و تفسیر و حدیث پر دستگاہ رکھتے تھے۔ عہد سلطان شاہرخ مرزا (۸۰۷ھ۔ ۸۵۰ھ) میں زندہ تھے۔(۸)

خواجہ پارسا اپنے زمانے کے نہایت محترم اور بزرگوار مشائخ میں شمار ہوئے۔ معاصرین میں سے حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی (م۔ ۸۳۴ھ) سلسلہ طریقت نعمت اللیہ کے بانی اور صاین الدین علی بن محمد ترکہ اصفہانی (م۔۸۳۵ ھ) جیسے بلند پایہ وابستگان حق بھی آپ کے احترام کے قائل تھے۔(۹) آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر وقت بخارا میں گزارا۔ دو بار حج بیت اللہ اور زیارت روضہ نبوی ﷺ کی غرض سے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔ پہلے سفر میں خواجہ نقشبند کے ہمراہ گئے۔ دوسری بار ۸۲۲ھ میں مریدوں اور ارادتمندوں کی جماعت کے ساتھ مزارات مقدسہ کی زیارت کی خاطر نسف' صغانیاں' بلخ' ترمذ اور ہرات کے راستے سرزمین حجاز کو روانہ ہوئے۔ جس شہر اور قصبہ میں پہنچتے وہاں کے سادات' مشائخ' علماء' فقہا اور ممتاز شہری ان کا والہانہ خیر مقدم کرتے اور نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے۔ قریہ جام میں مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ پانچ سال کی عمر میں آپ کے دیدار سے شرف یاب ہوئے۔ چنانچہ خواجہ پارساؒ کی نگاہ کرم کی برکت سے مولانا جامیؒ کو خانوادہ نقشبندیہ اور اس کے خواجگان سے اخلاص وارادت اور ایسی محبت پیدا ہوئی جو بے عدیل و بے مثال ہے۔(۱۰)

پھر خواجہ پارسا نیشاپور سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین کو روانہ ہو گئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر بخیریت تمام ارکان حج ادا کیئے۔ اچانک آپ کو شدید مرض لاحق ہو گیا۔ طواف وداع عماری میں بیٹھ کر انجام دیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ روضہ اطہر پر حاضری کے وقت حضرت پیغمبر اکرم ﷺ سے راز و نیاز کی باتیں کیں' بشارتیں پائیں اور وہیں ماہ ذی الحجہ کے

آخری ایام میں ۸۲۲ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ کے جسد مبارک کو جنت البقیع میں حضرت عباس ؓ کی قبر کے نزدیک سپرد خاک کیا گیا۔(۱۱) بعض فضلا نے آپ کا مادہ تاریخ وفات "فصل خطابی (۸۲۲) شمار کیا ہے۔(۱۲)

خواجہ نقشبند ؒ نے اپنے وصال کے وقت خواجہ پارسا کے بارے میں اظہار فرمایا کہ "ہمارے ظہور کا مقصد اس کا وجود ہے۔ ہم نے اس کی جذب و سلوک کے دونوں طریقوں سے تربیت کی ہے۔ اگر وہ مشغول ہو جائے تو ایک دنیا اس سے منور ہو جائے۔" (۱۳)

خواجہ نقشبند ؒ نے اپنی زندگی میں بعض مریدوں کی روحانی تربیت کے لئے انہیں خواجہ پارسا کے سپرد کیا اور آپ کی رحلت کی کچھ عرصہ بعد جب خلیفہ اول خواجہ علاء الدین عطار ؒ علاقہ صغانیاں میں سکونت پذیر ہو گئے تو خواجہ محمد پارسا بخارا میں مکمل طور پر "مقام ارشاد" کے وارث ہو گئے اور اس علاقہ میں سلسلہ نقشبند کے سربراہ قرار پائے۔

خواجہ پارسا ؒ نے اولاد صالح اور روحانی مریدوں کے علاوہ، علم تصوف، سلوک، معرفت، حکمت اور تفسیر کے موضوعات پر کافی کتابیں فارسی زبان میں تصنیف کی ہیں۔ آپ کی ان تصانیف میں عارف اجل شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اندلسی (م۔۶۳۸ھ) کی تعلیمات اور طریقہ نقشبندیہ کے آداب کا اثر نمایاں ہے۔ خواجہ پارسا کی جملہ تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا حصہ: وہ تصانیف جن کے نسخے اور مسودات دستیاب ہیں۔

دوسرا حصہ: وہ تصانیف جن کے نسخے موجود نہیں ہیں صرف نام ملتے ہیں۔

خواجہ پارسا کی تصانیف کے عناوین حسب ذیل ہیں:

پہلا حصہ

۱۔ انیس الطالبین و عدۃ السالکین۔(۱۴)

۲۔ تحقیقات

۳۔ تفسیر سورہ فاتحہ الکتاب

۴۔ تفسیر سورہ ھائے ھشت گانہ یا تفسیر ثمانیہ

۵۔ رسالہ قدسیہ (۱۵)

۶۔ رسالہ کشفیہ

۷۔ رمزالاقطاب

۸۔ زمان و مکان

۹۔ سخنان خواجہ پارسا (ملفوفات خواجہ پارسا)

۱۰۔ سخن راست

۱۱۔ شرح فصوص الحکم (۱۶)

۱۲۔ عقائد فرق اسلامی

۱۳۔ فصل الخطاب لوصل الاحباب (۱۷)

۱۴۔ کلمات قدسیہ خواجہ علاء الدین عطارؒ

۱۵۔ محبوبیہ

دوسرا حصہ

اس حصہ میں خواجہ پارسا کی وہ تصانیف شامل ہیں جو حوادث زمانہ سے یا تو ضائع ہو چکی ہیں یا ابھی تک محققین اور فہرست نگاروں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ چنانچہ صوفیہ کی کتب میں مذکور ان کے ناموں یا منقول عبارات

کے علاوہ مزید معلومات ہنوز دسترس میں نہیں ہیں۔

۱۶۔ تفسیر سورہ من جزء الملک و النباء

۱۷۔ تفسیر سورہ یٰسین

۱۸۔ رسالہ درباب قصیدہ ابن فارض

۱۹۔ رسالہ فی طریق ذکر الخفی

۲۰۔ الفصول الستۃ

۲۱۔ مسلک العارفین

۲۲۔ مقامات خواجہ پارسا

۲۳۔ مکتوبات خواجہ پارسا

۲۴۔ مناسک حج

۲۵۔ منطق الطیر

۲۶۔ وصایائے خواجہ پارسا

۲۷۔ اشعار فارسی خواجہ پارسا: بقول استاد سعید نفیسی:۔

"خواجہ نے گاہے گاہے فارسی شعر بھی کہے ہیں۔ اور اُن کے کچھ اشعار موجود ہیں۔" (۱۸)

تجزیاتی مطالعہ

یوں خواجہ محمد پارساؒ صاحب تصانیف منشور عدیدہ ہیں۔ ان کے سارے رسائل و مرقومات علم و عرفان، صدق و صفا، حکمت و دانش، اخلاق و اعمال اور حقائق و معارف باطنیہ کے آئینہ دار ہیں۔ مگر قلت گنجائش کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں محض چند اہم کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ اور تبصراتی جائزہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

انیس الطالبین السالکین میں مقامات خواجہ بہاء الدین نقشبند" کی تفصیل ہے۔ مصنف نے اسے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عبارات زیادہ تر خواجہ نقشبند کے سلوک و معرفت' ملفوظات و ارشادات اور خواجہ موصوف کے مناقب میں خواجہ علاء الدین عطار اور دیگر اکابر کے اقوال پر مبنی ہیں۔
(۱۹) تحقیقات مراتب توحید' معارف و لطائف' سلوک و اخلاق اور اصطلاحات صوفیہ سے متعلق سات ابواب میں ترتیب شدہ ہے۔۔۔ تفاسیر کی کتابیں بھی مشرب تصوف اور کلمات قدسیہ حضرات اہل یقین کے اسلوب میں قلمبند کی گئی ہیں۔

رسالہ قدسیہ خواجہ پارسا کی ممتاز اور عمدہ تالیفات میں سے ایک ہے۔ اسے فہارس مخطوطات میں متعدد ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ اور بارہ مطالب پر مشتمل ہے۔ خواجہ پارسا نے اسے خواجہ نقشبند کی مجالس نشینی میں مرتب و مدون کیا اور یہ صاحب موصوف کے حالات' مقامات' کلمات' کرامات' حقائق' لطائف' ملفوظات اور دقیق نکات کے انشراح کا نادر مجموعہ ہے۔(۲۰)

شرح فصوص الحکم شیخ اکبر بن عربی" کی اصل کتاب فصوص الحکم پر متصوفانہ انداز نگارش میں فارسی میں لکھی گئی شرح ہے۔ چنانچہ بقول خواجہ پارسا اور بہ روایت آقائے محمد تقی دانش پژوہ:

"کئی لوگوں نے اس کتاب کی شرح لکھی لیکن احسن طریقہ سے عہدہ برآ نہ ہوئے سوا اس کے کہ بات کو بڑھائیں۔ میں (خواجہ پارسا) نے اس کی شرح اگرچہ مختصر لکھی ہے لیکن "کلید راز" قارئین کے ہاتھ میں دے دی ہے۔"(۲۱)

نفحات الانس جامی" میں خواجہ ابونصر پارسا فرزند خواجہ پارسا" کے شرح احوال میں منقول ہے کہ ایک روز خواجہ پارسا کی مجلس مبارک میں شیخ ابن

عربیؒ" اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہو رہا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ "فصوص جان ہے اور فتوحات دل۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جو کوئی فصوص الحکم کو عزیز رکھتا ہے اس کا حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کے اتباع کا جذبہ قوی ہو جاتا ہے۔" (۲۲)

فصل الخطاب لوصل الاحباب خواجہ پارسا کی سب سے اہم اور معروف تصنیف لطیف ہے۔ یہ ملتے جلتے متعدد ناموں سے موسوم ہے لیکن اس کا معمول اور متداول نام یہی ہے البتہ بعض اوقات بطور اختصار صرف فصل الخطاب ہی کہا جاتا ہے۔ خواجہ پارساؒ نے یہ تصنیف شریعت اور طریقت کے مشترک عقائد میں لکھی ہے اور اس میں علوم ظاہر و باطن میں تطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بنا پر فصل الخطاب علم تصوف کے دقائق اور طریقہ نقشبندیہ کے دقائق میں ایک مفید تالیف ہے۔

مولف نے تمہید میں مشائخ طریقت' بزرگان دین اور مقتدایان اہل یقیں کے بارے میں تعریفی کلمات لکھنے کے بعد عرفانی' دینی' فقہی' کلامی اور حکمی مباحث کا آغاز کر دیا ہے۔ "فصل الخطاب" کو فارسی زبان میں علم تصوف کا دائرۃ المعارف کہا جا سکتا ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ خواجہ نے اس میں دین و عرفان اور تصوف کے مختلف سلاسل کے بزرگوں کے حالات سے متعلق معتبر اور گراں بہا معلومات جمع کرنے میں بڑا اہتمام کیا ہے۔ ان کی یہ کتاب خاص اہمیت کی حامل ہے کیونکہ انہوں نے پیشوایان دین اور خواجگان طریقت کے احوال و مقامات' انبیاء اولیا کے معجزات و کرامات اور صوفیا کی اصطلاحات و کلمات بیان کرتے ہوئے بڑے لطیف اور مفید نکات درج کیئے ہیں۔ خلفائے اربعہ' اصحابہ صفہ' مفسرین' محدثین' قراء' فقہا' ذاکرین' واعظین' قضاۃ اور فرقہ جبریہ' طاماتیہ' اباحتیہ' معتزلہ' قرامطہ' ملامتیہ وغیرہ کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ ان مباحث کے ضمن میں بخاری' مسلم' ترمذی' قوت القلوب'

تعرف، شرح تعرف، کشف المحجوب، شرح منازل السائرین، الانساب، آداب المریدین، عوارف المعارف، ترجمہ عوارف، تحفتہ البررہ اور مرصاد العباد جیسی کتب معتبرہ سے حوالے دیئے ہیں۔ بعض مقامات پر قرآنی قصوں اور دیگر عجائب و غرائب کے بھی اشارے ملتے ہیں مثلاً خضر و موسیٰ، الیاس و خضراور خضر و ابوالحسن خرقانی" کی داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ بعض مناسبات سے خواجگان نقشبند کے خصائل و شمائل بھی منقول ہیں۔ مولف نے ان کی تعلیمات صادقہ کو اہل سنت و الجماعت کے عقائد کے عین مطابق قرار دیا ہے۔ تمام کتاب میں عربی عبارات سموئی گئی ہیں نیز فارسی اور عربی اشعار بھی برمحل ملتے ہیں اور کتاب کے بیشتر موضوعات مشائخ اور بزرگان دین کے اقوال و ارشادات پر مشتمل ہیں۔ (۲۳) بعض رسائل خواجہ مثلاً "زمان و مکان" اور "سخن راست" کتاب فصل الخطاب سے اقتباس و ماخوذ ہیں۔ علامہ اقبال نے تشکیل جدید الہیات اسلامیہ میں زمان و مکان کی بحث میں بعض جگہوں پر خواجہ پارسا سے استفادہ کیا ہے۔

بہرحال خواجہ پارسا کی تصانیف کو اسلامی تصوف میں بالعموم اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بالخصوص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی بیشتر تالیفات، علمی اصطلاحات و ارشادات سے پر ہیں۔ خواجہ کی علمی و عرفانی شخصیت کا اپنے معاصر عرفاوادبا مثلاً شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی، صاین الدین ترکہ اصفہانی، سید محمد نور بخش، پیر جمال الدین اردستانی اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کے دوش بدوش فارسی ادبیات کی تاریخ میں بھی ایک مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے ایرانی ادب اور اسلامی تصوف کو علمی نقطہ نظر سے ترقی اور وسعت دی۔ (۲۴) اللہ کریم سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے اکابر کو ان کے علمی و عرفانی مشن کو جاری رکھنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مآخذ و حواشی

۱۔ یہ مقالہ "خواجہ غلام محی الدین غزنوی" سیمینار" زیر اہتمام محی الدین اسلامی یونیورسٹی، نیریاں شریف، منعقدہ بمقام کیمپس یونیورسٹی ھذا (نیریاں شریف تراڑ کھل آزاد کشمیر) بتاریخ ۱۲ جون ۱۹۹۹ء کے لئے بطور خاص تیار کیا گیا اور سیمینار میں بنفس نفیس حاضر ہو کر پڑھنے کی سعادت حاصل کی گئی۔ اور افادہ عام کی خاطر اسے شائع کیا گیا۔ زہے نصیب۔ (محمد اختر چیمہ)

۲۔ معصوم علی شاہ نعمت اللہی شیرازی، طرایق الحقایق، بہ تصحیح دکتر محمد جعفر مجوب، کتابفروشی بارانی تہران۔ ج ۲ ص ۳۰۷۔۳۰۶

۳۔ زین العابدین شیروانی، کتابخانہ سنائی تہران چاپ اول ص ۶۲۱۔۶۲۰ مزید برآں خواجہ نقشبند" کے سلسلہ انتساب طریقت کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: خواجہ محمد پارسا، رسالہ قدسیہ، مخطوط کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران شمارہ: ۳۳۶۸ ص ۱۲۴، معصوم علی شاہ، طرایق الحقایق، ۲/ ۳۵۵۔۳۵۲

۴۔ تہران ۱۳۴۴ ش ص ۱۰۱

۵۔ فخرالدین علی کاشفی، بامقدمہ و تصحیحات علی اصغر معینیان تہران ۱/ ۱۰۱۔۱۰۰

۶۔ نولکشور کانپور ۱۸۸۴ء، ص ۷۹

۷۔ خواند میر، حبیب السیر، طبع خیام تہران ۱۳۳۰ ش، ۴/ ۱ عبدالحسین نوائی رجال کتاب حبیب السیر، تہران ۱۳۲۴ ش، ص ۸۹

۸۔ دولت شاہ سمرقندی، تذکرۃ الشعرا، بہ تصحیح محمد عباسی تہران ۱۳۳۷ ش، ص ۳۷۹

۹۔ مولانا جامی، نفحات الانس، بہ تصحیح مہدی توحیدی پور، تہران ۱۳۳۶ ش، ص ۳۹۵ معصوم علی شاہ، طرایق الحقالق، ج ۳ ص ۴: چہادہ رسالہ فارسی صاین

ترکہ اصفہانی بہ تصحیح موسوی و دیباجی، تہران ۱۳۵۱ ش، ص ۱۸۷، ۱۹۳

۱۰۔ مولانا جامی، نفحات الانس۔ ص ۳۹۳

۱۱۔ داراشکوہ، سفینۃ الاولیا، نو لکشور کانپور، ص ۷۹: محمد علی مدرس رضوی، ریحانۃ الادب، تیسرا ایڈیشن تبریز، ۳۱۰/۱: سعید نفیسی، تاریخ نظم و نثر در ایران و در زبان فارسی، تہران ۲۲۱/۱۔ ۲۲۰، ۲۸۰

۱۲۔ خاند میر، حبیب السیر، ۵/۴: عبدالحسین نوائی۔ رجال حبیب السیر، ص ۹۰: فخرالدین علی کاشفی، رشحات عین الحیات، تہران ۱۱۱/۱

۱۳۔ جامی، نفحات الانس، ص ۳۹۲: امین احمد رازی، ہفت اقلیم، بہ اہتمام جواد فاضل تہران ۴۲۹/۳

۱۴۔ خواجہ نقشبندؒ کے مناقب میں اسی نام کی متعدد کتب مختلف مصنفین نے لکھی ہیں مثلاً

(i) تالیف خواجہ پارسا(ii) تالیف خواجہ حسام الدین یوسف بخاری

(iii) تالیف صلاح بن مبارک بخاری۔۔ اس ضمن میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: فہرست نسخہ ھائے خطی فارسی، تہران، ۱۰۵۵/۲: محمد تقی دانش پژوہ، فہرست مائیکرو فلم ھائے کیا بخانہ مرکزی دانسگاہ تہران، ۱۳۴۸ ش، ص ۵۳۴، ۵۶۵

۱۵۔ مقالہ نگار۔ اختر چیمہ۔ رسالہ قدسیہ کی تین اشاعتوں سے مطلع ہے:

(i) ۱۳۲۸ھ، ق، میں بخارا سے شائع ہوا۔ (ii) بہ تصحیح پروفیسر محمد اقبال ملک، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی۔

(iii) جدید تحقیق کے ساتد تہران (ایران) سے طبع ہوا۔

مزید برآں: احمد منزوی، فہرست نسخہ ھای خط فارسی ۱۳۰۹/۲ کے مطابق اس کا ترکی زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۱۶۔ بہ تصحیح وکتر جلیل مسگر نژاد، بہ اہتمام مرکز نشر دانشگاہی، تہران ۱۳۶۶ھ،

ش ' میں چھپ چکی ہے۔

۱۷۔ اس کی دو اشاعتیں بہ ترتیب ذیل ہیں:

(i) ہندوستانی ۱۲۸۸ھ ' ق۔

(ii) تاشقند (روس) ۱۳۳۱ھ ' ق۔

۱۸۔ سعید نفیسی ' تاریخ نظم و نثر در ایران ' ۲۲۱/۱

۱۹۔ محمد اختر چیمہ ' مقالات اختر ' قرطاس پبلشر فیصل آباد ۱۹۸۵ء ' ص ۶۶۔۶۴

۲۰۔ محمد اختر چیمہ ' مقالات اختر ' ص ۷۲۔۷۰

۲۱۔ محمد اختر چیمہ ' مقالات اختر ' ص ۷۷ بحوالہ: فہرست نسخ خطی اہدائی ' سید محمد مشکوٰۃ بہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران ۱۳۳۲ ش ' ج ۳ ' ۴۶۷/۱

۲۲۔ یہ تصحیح مہدی توحیدی پور ' تہران ص ۳۹۶

۲۳۔ محمد اختر چیمہ ' مقالات اختر ' ص ۷۹۔۷۸

۲۴۔ یہ امر پوشیدہ نہ رہے۔ مقالہ نگار۔۔۔ محمد اختر چیمہ۔۔۔ نے قبل ازیں خواجہ پارسا شناسی کی خاطر اپنے تئیں تین بار کوشش کی اور مضمون لکھ کر چھپوائے:

(i)۔ فارسی میں: شخصیت عرفانی و علمی خواجہ محمد پارسا نقشبندی بخاری: مجلّہ دانشکدۂ ادبیات و علوم انسانی دانشگاہ فردوی مشہد (ایران) شمارہ: ۳ ' سال ۱۰ ' شمارہ مسلسل ۳۹ ' خزاں ۱۳۵۳ھ ' ش۔

(ii) خواجہ محمد پارسا نقشبندی بخاری" اردو ترجمہ بوساطت سید عارف نوشاھی ' مجلّہ نور اسلام ' اولیائے نقشبند نمبر ' حصہ اول جلد ۲۴ ' شمارہ: ۴۳ ' شرقپور شریف مارچ اپریل ۱۰۷۹ء ' صفحات ۴۶۸ - ۴۳۹۔

(iii) اردو میں: احوال و آثار و مقامات خواجہ محمد پارسا نقشبندی" : مقالات اختر ' ڈاکٹر محمد اختر چیمہ ' سلسلہ اشاعت ۵۴ بہ اہتمام قرطاس فیصل آباد ۱۹۸۵ء ' صفحات ۸۵ - ۶۰ حواشی: ۱۸۸-۱۸۱

حضرت پیر مہر علی شاہؒ کی تصانیف
تحقیق الحق اور سیف چشتیائی کا مطالعاتی تجزیہ

غلام عبدالحق۔ محمد
ریسرچ ایسوسی ایٹ
ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
اسلام آباد

حضرت پیر مہر علی شاہ ؒ کی تصانیف میں سے
"تحقیق الحق فی کلمۃ الحق" اور "سیف چشتیائی"
کا مطالعاتی تجزیہ

محمد جی اے حق

"تصوف" اسلامی شریعت کا تکمیلی پہلو ہے جسکی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (الکھف:۱۰۰)

تصوف کی تین خصوصیات اس آیت کریمہ سے مستنبط بیان کی جاتی ہیں (۱) لِقَاءِ رَب کی اُمید اور شوق (۲) مجاہدہ اور (۳) توحید خواہ وجودی ہو یا شہودی، تصوف میں قرب الٰہی کو مرکزی مقصد قرار دیا جاتا ہے جو اس آیت کریمہ پر مبنی ہے "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (العلق:۱۹) یعنی عبادت رب تعالیٰ کے مجاہدے کے ذریعے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنا۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری ؒ لکھتے ہیں کہ صوفیاء کا طریقہ اس آیت قرآنیہ کے مطابق ہے "وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (الفرقان:۶۳)

اللہ کے بندے ہیں جو زمین پر عاجزی کو اختیار کرتے ہیں اور برا کہنے والوں کو

برا جواب دینے کی بجائے ان سے درگزر کرتے ہیں۔

علی ہجویری ؒ ایک حدیث پیش کرتے ہیں:

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا يُؤْمِنُ دُعَاهُمْ كُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِيْنَ: یعنی جو شخص اہل تصوف کی دعا کی آواز سنے اور آمین نہ کہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غافلین میں لکھا جاتا ہے۔ اس حدیث میں لفظ اہل التصوف دلیل ہے کہ تصوف کسی کی من گھڑت چیز نہیں بلکہ اسکی بنیاد حدیث پر ہے۔ آپ ایک اور حدیث بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن حضرت حارثہ سے پوچھا:

كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ قَالَ اَصْبَحْتُ مُوْمِنًا بِاللّٰهِ حَقًّا فَقَالَ اُنْظُرْ مَاتَقُوْلُ يَا حَارِثَةُ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ حَقِيْقَةً وَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ فَقَالَ عَرَضْتُ نَفْسِي عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوَىٰ عِنْدِي حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا فَاسْهَرْتُ لَيْلِي وَاَظْمَاتُ نَهَارِيْ حَتّٰى صِرْتُ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى عَرْشِ رَبِّي بَارِزاً وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّي اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَغَاوُوْنَ وَفِي رِوَايَةٍ يَتَغَاوَزُوْنَ قَالَ عَرَفْتُ فَالْزِمْ قَالَهَا ثَلَاثًا" (کشف المحجوب مترجم ص: ۷)

یعنی حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ جل شانہ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے فیض صحبت سے یہ مقام عطا فرمایا کہ وہ دنیا سے بے نیاز ہو گئے دنیا کا سونا چاندی اور پتھر مٹی ان کی نظر میں ایک برابر ہو گئے وہ رات دن یاد الٰہی کے مجاھدے سے گزر کر کشف کے اس مقام پر فائز کئے گئے کہ عرش رب کو دیکھتے اہل جنت کو اور اہل نار کو دیکھتے اور حضرت رسول اکرم ﷺ نے اسکو پسند فرمایا اور اس مقام کی حفاظت کرنے کا حکم فرمایا اور یہی تصوف کا مغز ہے۔

صوفیاء کرام کے افعال و اقوال قرآن و حدیث کی تعبیر و تصویر

ہوتے ہیں مثلاً حضرت سلطان المشائخ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت بابا فرید الدین کو مسعود گنج شکرؒ کو دیکھا کہ قبلہ کی طرف قدم بڑھاتے اور یہ رُباعی پڑھتے ہوئے وجد کرتے تھے:

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے توزیم
خاکے شوم و بزیر پائے توزیم
مقصود من بندہ زکونین توئی
ازبہر تو میرم و برائے توزیم

یقیناً یہ آیت کریمہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن اور اَشَدُّ حباً لِلّٰہ اور فَاذْکُرُوْا اللّٰہَ قِیامًا وَقعُوْداً کی عملی تعبیر ہے۔

آیت کریمہ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًالِلّٰہِ (البقرۃ:۱۶۵) کے مطابق عشق الٰہی کو تصوف میں بنیادی عنصر قرار دیا جاتا ہے مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

شادباش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دواء نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

تصوف کا لفظ باقاعدہ اصطلاح خاص کے طور پر آہستہ آہستہ عام استعمال ہونے لگا چنانچہ اہل سنت میں سے ان خاص لوگوں نے جنھوں نے اپنی انفاس کو

اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھا اپنے لئے الگ نام "تصوف" رکھ لیا ان بزرگوں کے لئے یہ نام دوسری صدی ہجری سے پہلے مشہور ہو چکا تھا۔ (رسالہ قشیریہ مترجم:۱۲۲)

بقول ابن خلدون صوفیاء نے جو طریقہ اختیار کیا وہ آغاز اسلام سے مسلمانوں میں متداول تھا اور اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اسے سچائی اور ہدایت کا طریقہ یقین کرتے تھے۔ اور جب دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے دلوں میں دنیا کی محبت راہ پانے لگی تو جن لوگوں نے زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا وہ صوفیاء کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ (ڈاکٹر ڈونالڈسن' مسلمانوں کا فلسفہ اخلاق ص:۱۹۴)

مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے طریقت کو شریعت کا حصہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: شریعت نام ہے مجموعہ احکام تکلیفیہ کا اس میں اعمال ظاہری و باطنی سب آ گئے اور متقدمین کی اصطلاح میں وہ لفظ فقہ کو اس کا مترادف سمجھتے تھے پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام فقہ ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام تصوف ہو گیا۔ ان اعمال باطنہ کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں پھر ان اعمال باطنہ کی درستی سے قلب میں جو جلا و صفا پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق الہیہ صفاتیہ و فعلیہ بالخصوص معاملات فیما بین اللہ و بین العبد منکشف ہوتے ہیں ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں اور صاحب انکشاف کو محقق و عارف کہتے ہیں۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف جزو متعلق باحکام ظاہرہ کو کہنے لگے ہیں یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں۔ (التکشف عن مہمات التصوف ص: ۱۸۴)

نہ صرف یہ کہ صوفیاء کرام مکمل طور پر اسلامی شریعت پر کاربند ہوتے ہیں بلکہ اکثر علوم ظاہرہ شرعیہ پر پورا عبور رکھتے ہیں مثلاً حضرت پیر مہر علی شاہ ؒ

کو یہ مقام ملا کہ تمام اسلامی مکاتب فکر کے علماء نے آپ کو اپنا مقتدیٰ تسلیم کیا۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں مگر ہم صرف دو کتابوں "تحقیق الحق فی کلمتہ الحق اور "سیف چشتیائی کا مطالعاتی تجزیہ پیش کر رہے ہیں۔

سوانحی نوٹ!

حضرت سید پیر مہر علی شاہ" یکم رمضان ۱۲۷۵ء مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء بروز سوموار حضرت الشیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی" کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گولڑہ شریف کی درسگاہ میں حاصل کی پھر موضع بھوئی علاقہ حسن ابدال میں مولانا محمد شفیع قریشی کے درس میں داخل ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے درس لیا اور شیخ الحدیث مولانا احمد علی سہارن پوری" سے کسب علم فرمایا:

آپ غوث اعظم" کی اولاد ہوتے ہوئے سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبا متعلق اور سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی" سے بیعت ہوئے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی" نے آپکو سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کی اجازت و تبرکات عطا فرمائے۔

جب آپ نے گولڑہ شریف میں درس و تدریس کا آغاز کیا اور مسند ارشاد پر متمکن ہوئے تو اطراف عالم میں آپکی شہرت ہو گئی' آپ نے نہایت عالمانہ انداز میں قرآن و حدیث اور آئمہ کبار کی تعبیرات و اجتہادات کو فروغ دیا دین اسلام کے مختلف پہلوؤں پر پھیلائے گئے شکوک و شبہات اور غلط تشریحات کی چادر کو سمیٹا حتیٰ کہ ایک وقت آگیا جب مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے مستند علماء نے آپ کو متفقہ طور پر اپنا مقتدیٰ تسلیم کیا آپ نے ثابت کیا کہ صوفیاء اسلام علوم شرعیہ ظاہرہ پر بھی مکمل عبور رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ایک صوفی بزرگ کا یہ کہنا بجا ہے کہ

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

آپ نے ایک باکمال عالم دین اور صوفی باصفا کی طرح زندگی گزارنے کے بعد ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ بوقت عصر وصال فرمایا

تحقیق الحق فی کلمتہ الحق:

یہ حضرت پیر مہر علی شاہ" کی پہلی تصنیف ہے جو ۱۸۹۷ء میں منظر عام پر آئی یہ چار حصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں کتاب "کلمتہ الحق" کا اختلافی مضمون اور اس کا جواب ہے حصہ دوم "توحید وجودی" کا تفصیلی بیان ہے' حصہ سوم سیرۃ النبی ﷺ سے متعلق ہے اور آخری حصہ چہارم ان احادیث مبارکہ پر مشتمل ہے جو شیخ محی الدین ابن عربی" نے اپنی کتاب فتوحات مکیۃ جلد چہارم میں بیان کی ہیں۔

حصہ اول

مولانا شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی" نے کتاب "کلمتہ الحق" تالیف فرمائی جس میں کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے توحید وجودی کو اس کلمہ شریفہ کا لازمی تقاضا اور اصل مراد قرار دیا۔ چونکہ یہ کلمہ دین اسلام کی بنیاد ہے یعنی اس کلمہ پر یقین کئے بغیر اور اسکے اصل مراد کو بعینہ تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اور توحید وجودی کو اس کلمہ مبارک کا اصل معنی مرادی قرار دینا اس بات کو لازم کرتا ہے کہ جب تک کوئی شخص توحید وجودی پر ایمان نہیں لاتا اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہو سکتا لہٰذا مولانا لکھنوی کی یہ کتاب مسلمان علماء میں وجہ نزاع

بن گئی اور خطرہ لاحق ہو گیا کہ مسلمان اسکی وجہ سے فرقہ واریت کا شکار ہو کر ہلاکت میں نہ پڑ جائیں لہٰذا حضرت پیر علی شاہؒ نے اس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ کہ مولانا لکھنوی مکمل طور پر سلف صالحین کی راہ سے دور نہیں ہوئے بلکہ صرف دو باتوں میں اختلاف سرزد ہوا ہے۔

ایک یہ کہ عند الشارع کلمہ توحید سے اصل مراد توحید وجودی ہے اور دوسری کہ سب لوگ اس توحید وجودی کے مکلف ہیں۔

مولانا لکھنوی نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ لفظ "الٰہ" واجب تعالیٰ اور اصنام کے درمیان مشترک لفظی ہے اور کلمہ طیبہ میں لفظ "غیر اللہ" محذوف مقدر ہے۔ اور لفظ "الٰہ" سے مراد اصنام ہیں لہٰذا واجب تعالیٰ اور اصنام کے مابین عینیت بطور عبادت النص ثابت ہوئی اور مابین واجب تعالیٰ اور غیر اصنام بطور دلالتہ النص ثابت ہوئی۔

حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ لفظ "الٰہ" ہر معبود پر بولا جاتا ہے خواہ معبود باطل ہو یا معبود حق یعنی ممکن ہو یا واجب اور بروئے تخصیص عقلی و شرعی یہ لفظ معبود مستحق کے لئے خاص ہے۔ یہ لفظ آیات قرآنیہ میں اصنام کے لئے بطور فرض کرنے کے اور مشرکین کے زعم کی بنا اور ہتک آمیزی کے طور پر بولا گیا ہے یا یوں سمجھیں کہ لفظ "الٰہ" کا اطلاق اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر بحسب الواقع ہے اور بتوں پر بحسب زعم مشرکین ہے۔ اور یہ لفظ حقیقت میں اصنام کے لئے وضع نہیں کیا گیا۔ لہٰذا حقیقتاً اشتراک لفظی نہیں۔ اس لئے کلمہ طیبہ میں اصنام کے وجود کی نفی نہیں بلکہ ان کے مستحق عبادت ہونے کی نفی ہے مشرکین انہیں معبود سمجھتے تھے اسی کی نفی کی گئی ہے حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ توحید فی العبادۃ اولاً اور توحید فی الحب ثانیاً ایمان ہے اور مراد ہے مگر توحید فی الوجود ایمان کا اصل جزو نہیں بلکہ مدار کمال ہے جس کا ہر شخص مکلف نہیں ہے۔ کلمہ توحید میں مراد یہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفت

الوہیت میں اصنام کو شریک کرتے ہیں اسکو رد کیا جائے۔ سلف صالحین نے فرمایا
کہ تقدیر کلام لا الہ موجود الا اللّٰہ ہے۔ لا موجود الا اللّٰہ خواص کی توحید ہے
ہر ایک اسکا پابند نہیں ہر ایک لا الہ الا اللہ اور اَلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کا یعنی
اللہ کی الوھیت میں غیر کو شریک کرنے کی نفی کا پابند ہے۔

مولانا لکھنوی نے حدیث نبوی "لا الہ غیرک" اور مولانا رومی" کے
اشعار سے استدلال کیا جو مندرجہ ذیل ہیں۔

تیغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر زاں پس کہ بعد از لاچہ ماند
ماند الااللہ باقی جملہ رفت
شادباش اے عشق شرکت سوز رفت

حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ لا الہ غیرک کلمہ توحید کی تفسیر ہے
مشرکین اصنام کے معبود ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اسی کی نفی کی گئی ہے وہ
اصنام کے غیر اللہ ہونے کا اعتقاد نہ رکھتے تھے کہ اسکی نفی کی جاتی لہٰذا کلمہ توحید
میں اصنام یا دیگر ممکنات کے غیر اللہ نہ ہونے کی نفی نہیں کی گئی نہ ہی یہ مقصود
ہے اسی طرح مولانا روم" اور تمام توحید وجودی ماننے والے صوفیاء کرام کا یہ
اعتقاد نہیں ہے کہ واجب تعالیٰ اور سارے ممکنات میں عینیت ہے یعنی
ممکنات واجب تعالیٰ کا عین ہیں بلکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وجود حقیقی صرف
واجب تعالیٰ کا ہے ممکنات کا وجود حقیقی ذاتی نہیں ہے اور بنیادی بات یہ ہے
کہ یہ توحید وجودی بھی کلمہ توحید کا اصل معنی و مراد نہیں ہے کہ ہر ایک کو
اسکے ماننے کا مکلف قرار دیا جائے۔

فصل دوم میں مولانا لکھنوی کے وہ دلائل بیان کئے گئے جو قرآن و

حدیث سے پیش کیے گئے ہیں اور فصل دوم میں حضرت پیر صاحب نے نہایت عالمانہ انداز میں وضاحت کی ہے اور ان دلائل کا جواب دیا گیا ہے۔ فصل سوم میں مولانا لکھنوی کا یہ دعویٰ بیان کیا گیا ہے کہ خالق و مخلوق کے درمیان غیریت ثابت کرنے کے لئے نص پیش کی جائے ان کا دعویٰ تھا کہ وحدۃ الوجود کو نہ ماننے والے اس سلسلے میں کوئی نص پیش نہیں کر سکتے محض قیاسات اور وہمیات پیش کرتے ہیں۔

حضرت قبلہ پیر صاحب نے وصل سوم میں فرمایا کہ فرمان الٰہی "مَاالْمَسِیْحُ اِبْنُ مَرْیَمَ اِلاَّ رَسُولٌ" حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ کا غیر ثابت کرتا ہے اسکی تائید فرمان الٰہی "لَقَدْ کَفَرَالَّذِیْنَ قَالُوْ اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ" سے ہوتی ہے۔

فصل چہارم میں مولانا لکھنوی کا دعویٰ بیان کیا گیا ہے کہ کلمہ توحید میں لفظ "الٰہ" سے مراد معبودان باطلہ ہیں اور اس دعویٰ اور دلائل کا جواب دیا گیا ہے۔ حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ مشرکین بتوں کو معبود گمان کرتے تھے اس لئے ان کے اس باطل گمان کی تردید کی گئی ہے اور یہی مطلوب ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ لَوْ کَانَ فِیْہِمَا آلِھَۃٌ اِلاَّ اللّٰہُ لَفَسَدَتَا" میں الاوتفیہ ہے بدل نہیں کیونکہ بدل کلام غیر موجب میں ہوتا ہے اور کلمہ "لو" سے سمجھی جانے والی نفی معتبر نہیں کیونکہ یہ نفی معنوی ہے اور معنوی نفی لفظی نفی کی طرح نہیں ہوتی ہاں قلما' قل اور ابیٰ میں لغوی نفی لفظی نفی کی طرح ہوتی ہے۔

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ بدل وہاں درست ہوتا ہے جہاں استثنا درست ہو۔ یہاں استثنا درست نہیں کیونکہ اللہ جل جلالہ آلھتہ میں واجب الدخول نہیں اس لئے کہ مفرد کا استثنا جمع سے ایجاب میں بطریق اتصال درست نہیں۔

حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا لکھنوی سے مندرجہ ذیل باتوں میں سہو ہوا ہے (۱) مخاطب یعنی مشرکین کے =مزعوم کی تعیین میں (۲) اشتراک لفظی قرار دینے میں (۳) محذوف کی تعیین میں (۴) قصر کو قصر القلب بنانے میں (۵) استغراق کو مطلقاً قرین امکان سمجھنے میں (۶) قرینہ جمعیت کی وجہ سے آلھتہ سے ممکن مراد لینے میں (۷) جمعیت کو وجوب فرضی کے منافی گمان کرنے میں (۸) کلمہ طیبہ سے ایسا معنی مراد لینے میں جو واضح طور پر باطل ہے (۹) لا الٰہ غیرک میں لفظ غیر کے اعراب کو اسکے وصفی نہ ہونے پر دلیل بنانے میں (۱۰) کلمہ توحید کو عین مطلوب کہنے میں (۱۱) کلمہ فصل کی وجہ سے مسندالیہ کا مسند میں اور مسند کا مسندالیہ میں حصہ قرار دینے میں۔

فصل ہفتم سے کتاب کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جس میں حضرت پیر صاحب نے وجود باری تعالیٰ پر بات کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ازلی ہے ورنہ تو لازم آئے گا کہ وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج ہے اور وہ ابدی ہے ورنہ تو لازم آئے گا کہ وہ فانی اور متغیر ہے۔ اس ذات کے لئے وحدت حقیقی ثابت ہے جو کثرت کے مقابل نہیں بلکہ وہی وحدت حقیقی اور کثرت متعینہ کے لئے اصل ہے اور وجود عالم جو موجود عینی اور موجود ذہنی پر مشتمل ہے اس کے اظلال یعنی تعینات میں سے ایک ظل محدود ہے۔

حضرت پیر صاحب نے فصل نہم میں فرمایا کہ اس وجود حقیقی نے ظہور فرمایا تو اس ظہور کے مراتب جزئیہ بے نہایت ہیں البتہ مراتب کلیہ پانچ ہیں حقیقت وجود من حیث ہی متعین ہے بہ تعین اول و ثانی و ثالث و رابع و خامس، متعدد اعتبارات کی مناسبت سے تعین اول کے مختلف نام ہیں حقیقتہ محمدیہ، مرتبہ جمع، احدیث جامعہ، حقیقتہ الحقائق، برزخ اکبر، مقام او ادنیٰ، تعین کے اس مرتبہ میں دو حضرات ہیں ایک حضرت الوهیت دوسرا حضرت خلق داعیان ثابتہ، تعین ثالث مرتبہ ارواح ہے جسکو عالم غیب و ملکوت اور عالم امر

کہتے ہیں۔ تعین رابع عالم برزخ و مثال ہے اور پانچواں مرتبہ عالم اجسام ہے:

عالم امر ان اشیاء سے عبارت ہے۔ جن کی طرف مقدار و کمیت کی رسائی نہیں اور عالم خلق میں مقدار و کمیت کا دخل ہے۔ حق تعالیٰ نے انسان کو خلق و امر کا جامع پیدا کیا ہے یعنی قلب' روح' سر خفی اور سراخفی عالم امر سے ہیں اور نفس' خاک' ہوا اور پانی اور آگ کا تعلق عالم خلق سے ہے۔ اس لئے انسان کو عالم صغیر کہا گیا ہے۔

آدمی کی روح تین قسم ہے نباتی' حیوانی اور انسانی اس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ روح کل کو حقیقت محمدیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اسکو عقل اول کہتے ہیں۔ روح کا تعلق ایک طرف عنصری بدن سے ہوتا ہے تو دوسری طرف بدن مثالی (برزخی) سے ہوتا ہے۔

نیند کی حالت میں بدن عنصری معطل ہو جاتا ہے اور خواب میں جو نظر آتا ہے وہ بدن مثالی ہوتا ہے اس حالت میں روح دونوں کی تدبیر کرتی ہے۔

حضرت پیر صاحب' وصال یازدھم میں فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے وجود کے تین عالم بنائے ہیں عالم دنیا' برزخ و آخرت' برزخ دو قسم ہے ایک یہ کہ تمام ارداح تخلیق کے بعد اس میں موجود ہیں دوسری یہ کہ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

جنت و جہنم دو طرح ہیں ایک برزخی اور دوسرے اخروی' علماء ظاہر قرآن و حدیث میں جہاں جنت و جہنم کا ذکر پاتے ہیں اس سے صرف جنت و جہنم اخروی مراد لیتے ہیں حالانکہ جنت و جہنم برزخی بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت پیر صاحب توحید کی تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صوفی سالک افعال و حرکات و سکنات کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب سمجھے تو یہ توحید افعالی ہے اور جب صفات امکانیہ کو صفات اخلاقیہ کا تنزل سمجھتا ہے تو یہ توحید

صفاتی کہلاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے عارفین کاملین بندے تغائر حقیقی و ذاتی کی نفی اور تغائر ظاہری اعتباری کا اثبات کرتے ہیں تو یہ توحید ذاتی ہے۔ اس کے باوجود کہ اہل معرفت کو ہر شے میں حق کا جلوہ نظر آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے اس لئے کہ حضرت شارع نے اسکی اجازت نہیں دی۔ غیر اللہ کو سجدہ عبادت ہر حال میں شرک ہے اور سجدہ تحیت و تعظیم اُمت مرحومہ میں بدعت سیئہ ہے۔ مشائخ اور مزارات مقدسہ کو سجدہ کرنا اسی حکم میں آتا ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بندے کو شرک سے اسلام کی طرف لاتا ہے پھر لا مطلوب اِلاَّ اللّٰہ اور اِلاَّ اللّٰہُ خاص ایمان والوں کے لئے ہے کہ غیر اللہ کی محبت سے ہٹ کر معبود حقیقی کی محبت میں غوطہ زن ہوں اور پھر لاموجود اِلاَّ اللّٰہِ اَخصِ الْخَوَاصِ کے لئے ہے کہ ان کے مشاہدہ حق میں غیر کا وجود ہی منتفی ہو جاتا ہے۔

حضرت پیر صاحب نے ارباب توحید کی بیان کردہ تمثیلات درج کرتے ہوئے فرمایا کہ سمندر آب کثیر ہے ہوا سے پانی میں لہریں بنتی ہیں جو موجیں کہلاتی ہیں کچھ حباب کی شکل میں نظر آتے ہیں پانی حرارت آفتاب سے اُوپر اُٹھتا ہے تو بخارات اور پھر بادل بنتے ہیں اور پانی قطرات کی شکل میں گرتا ہے تو بارش کہلاتا ہے یہی پانی پھر ندی نالوں سے ہوتا ہوا اسی سمندر میں جا ملتا ہے۔ حضرت رومیؒ نے فرمایا!

صورت از بے صورتی آمد بروں
باز شد انا الیہ راجعون

حصہ سوئم

اس کتاب کے حصہ سوئم میں حضرت پیر صاحب سیدالخلق حضرت محمد رسول ﷺ کی سیرت طیبہ بیان فرمائی ہے۔ یہ کتاب چونکہ کلمہ طیبہ سے متعلق ہے جو لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کی الوھیت اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کی رسالت پر مشتمل ہے اس لئے اس حصہ میں حضرت محمد ﷺ کا سب مخلوق کی طرف مرسل ہونا آپ کا شجرہ نسب' ولادت شریفہ' والدین کریمین' آپ کے دادا عبدالمطلب اور چچا ابوطالب کا ذکر ہے۔

آپ کا ملک شام کو سفر کرنا بحیرا راھب کا آپ کو پہچان لینا دوبارہ ملک شام کا سفر کرنا اور ایک راھب کا علامات نبوت دیکھنا ملائکہ کا آپ پر سایہ کرنا' سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی کرنا۔ تعمیر کعبہ غارِ حرا میں حضرت جبریل ؑ کا آنا شعب ابی طالب میں محصور ہونا جنات کا مشرف بہ اسلام ہونا' معراج اور پھر ہجرت کا بیان ہے۔ آنحضرت ﷺ کا بیان کرتے ہوئے امام بوصیری ؒ کا یہ شعر درج فرمایا:۔

فَھُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاہُ وَصَوْرَتَہُ
ثُمَّ اصْطَفَاہُ حَبِیْبًا بَارِیُٔ اَلنِسم

آپ کے اخلاق حمیدہ کا ذکر فرمایا پھر امھات المومنین کا ذکر کیا پھر آپ ﷺ کی اولاد امجاد کا ذکر کیا پھر آپ کے چچا اور پھوپھیوں کے نام بیان کئے پھر (موالی) اور کنیزاں کا پھر خدام اور نگہ بانی کی خدمت سرانجام دینے والوں کا پھر آپ کے پیغام رسانوں کا پھر کاتبان کا خصوصی قرب رکھنے والوں اور عشرہ مبشرہ کا ذکر فرمایا پھر ان جانوروں کا جن پر حضور ﷺ نے سواری فرمائی پھر

آپ کی تلواروں اور دیگر سامان جنگ کا ذکر کیا' اس کے بعد حضور ﷺ کے معجزات اور پھر وفات شریف کا ذکر کرتے ہوئے چند احادیث مبارکہ پر اختتام فرمایا۔

حصہ چہارم میں احادیث درج کی گئی ہیں جو حضرت الشیخ محی الدین ابن عربی" کی کتاب فتوحات مکیہ جلد چہارم سے ماخوذ ہیں۔

سیف چشتیائی

انیسویں صدی کا اختتام تھا کہ انگریزوں اور دیسی کفار کی متحدہ قوت نے مسلمانوں کے خلاف آخری اور فیصلہ کن یلغار کے طور پر مرزا قادیانی سے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرایا اور بڑے زور و شور سے اس کا پرچار کیا جانے لگا کہ اس طرح مسلمانوں کی سیاسی مغلوبیت تعلیمی انحطاط اور معاشی و فکری پسماندگی کا صفایا ہو جائے گا جس طرح اسپین میں ہوا مگر اللہ نے سیدنا پیر مہر علی شاہ" کو اپنی غیبی قوت و نصرت کا مظہر بنایا۔ آپ نے مرزا قادیانی کی یلغار پر بند باندھتے ہوئے ۱۸۹۹ء میں کتاب شمس الھدایۃ تصنیف کر کے شائع فرمائی قادیان میں تہلکہ برپا ہو گیا اور مسلمانوں میں نئی ایمانی حیات کی لہر دوڑ گئی حتیٰ کہ غیر مقلدین کے امام مولوی عبدالجبار غزنوی صاحب نے بھی حضرت پیر صاحب کو خط لکھا اور اس کتاب کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے حضرت پیر صاحب سے روحانی و قلبی محبت و مودت کا اظہار کیا۔

اس سے پیچ پا ہو کر مرزا قادیانی نے ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار کے ذریعے حضرت پیر صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا خود اسی نے تاریخ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء اور مقام مناظرہ لاہور اور خود ہی تین جج مقرر کر دیئے اور خود ہی طے کر دیا کہ مقابلہ عربی میں تفسیر لکھنے کا ہو گا۔ حضرت پیر صاحب نے ۲۵ جولائی

۱۹۰۰ء کو چیلنج قبول کرتے ہوئے اشتہار کا جواب طبع کرا کے شائع کروا دیا اور خود تاریخ مقررہ پر لاہور تشریف لے گئے ۲۵ تا ۲۷ اگست ۱۹۰۰ء شاہی مسجد لاہور میں اجتماعات ہوتے رہے مگر مرزا قادیانی نے نہ آنا تھا نہ آیا۔

اس خفت کو مٹانے کے لئے مرزا قادیانی نے "اعجاز المسیح" کے نام سے سورہ فاتحہ کی تفسیر شائع کی اور مولوی احسن امروہی سے حضرت پیر صاحب کی کتاب "شمس الہدایتہ" کے جواب میں "شمس بازغہ" نامی کتاب لکھوا کر شائع کرائی۔

حضرت پیر صاحب نے ان دونوں کتابوں کے جواب میں بے مثل علمی شاہکار کتاب "سیف چشتیائی" تحریر فرمائی۔

مرزا قادیانی کو عربی دانی کا بڑا غرور تھا حضرت پیر صاحب نے اس غرور کا سرنیچا کرتے ہوئے اسکی کتاب اعجاز المسیح پر صرف و نحو' لغت' بلاغت' معانی' منطق اور محاروۃ العرب کی غلطیاں نیز عبارتوں کی چوری اور تحریف کے تقریباً ایک سو اعتراضات وارد فرمائے۔ مثلاً اسکی بعض عبارات مقامات حریری سے چوری کی گئی ہیں۔ اسی طرح متعدد اغلاط کی نشاندہی فرمائی مثلاً "لو" کے بعد فعل ماضی آتا ہے مگر مرزا قادیان فعل مضارع لاتا رہا اور مرزا نے ایک جگہ لکھا "لا شیوخ ولا شاب" ایک جمع دوسرا واحد لایا جو بلاغت کے خلاف ہے وغیرہ۔

اعجاز المسیح کے پہلے صفحہ پر لکھا (فِیْ سَبْعِیْنَ یَوْمًا مِنْ شَهْرِ الصِّیَامِ) رمضان شریف کو ستر دن پر مشتمل کر دیا حالانکہ کوئی بھی مہینہ ستر دن کا نہیں ہوتا۔

حضرت پیر صاحب نے مرزا قادیانی کے باطل دعاوی کر رد کرتے ہوئے فرمایا:۔ مرزا قادیانی کے بعض الہامات ایسے ہیں جو خود ہی اپنے جھوٹے ہونے پر گواہ ہیں بعض ایسے ہیں' جو پورے نہ ہونے کی وجہ سے جھوٹے ثابت ہوئے

مثلاً اس نے مسٹر آتھم کے بارے میں الہامی پیشین گوئی کی تھی کہ وہ پندرہ ماہ کے عرصے میں بہ سزائے موت ہاویہ میں ڈالا جائیگا مگر ایسا نہ ہوا اور اس وجہ سے عیسائیوں کو مسلمانوں پر طعنہ زنی اور تمسخر اُڑانے کا موقعہ ملا۔ اور بعض الہامات ابن صیاد کے الہام کی طرح ہیں کہ اگر سر ہے تو پاؤں نہیں اور پاؤں ہے تو سر نہیں بعض الہامات شیطانی ہیں۔ شیطان حسی دو طرح کے ہوتے ہیں شیطان انسی اور شیطان جنی جیسے کہ قرآن مجید ہے۔

"شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا"

ظل نبی

مرزا قادیانی نے ظل نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ وہ فنافی الرسول ہونے کی وجہ سے نبی بن گیا۔ (بحوالہ اشتہار شائع کردہ بتاریخ ۵ نومبر ۱۹۰۱ء)

اس کو رد کرتے ہوئے حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ فنافی الرسول ہونے کا معیار اتباع کامل ہے اور اگر حضرت صدیق اکبر ؓ، حضرت فاروق اعظم ؓ، حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اور حضرت علی المرتضٰی ؓ اتباع کامل سے نبی یا رسول نہیں بنے تو دوسرا کس طرح اس کا حقدار ہو سکتا ہے۔

مرزا صاحب تو اتباع کامل کا دعویٰ بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ مرزا قادیانی نے اپنی نبوت پر دلیل دیتے ہوئے کہا کہ اسکو سچے غیب پر اطلاع دی جاتی ہے اور جس کو سچے غیب پر اطلاع دی جائے وہ آیت قرآنیہ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنْ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" کے بہ موجب رسول ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مرزا قادیانی رسول ہے۔

حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ اگر سچے غیب پر اطلاع سے مراد اطلاع قطعی ہے جو دوسروں پر حجت ہے تو ایسی اطلاع نبی و رسول کا خاصہ ہے کیونکہ آیت مندرجہ بالا کے حکم کے مطابق رسول شرعی کے علاوہ سب سے ایسی اطلاع قطعی کی نفی کی گئی ہے۔ اگر مرزا کی مراد ایسی اطلاع ہے جو ظنی ہے اور دوسروں پر حجت نہیں تو ظاہر ہے کہ ایسی غیر قطعی اطلاع رکھنے والا شخص نبی اور رسول کہلانے کا حقدار نہیں۔

اسی آیت سے ثابت ہوا کہ رسول کا علم غیب قطعی اور واجب التسلیم ہوتا ہے تو حضرت سیدنا محمد رسول ﷺ نے نزول مسیح ابن مریم کے جو متواتر پشین گوئیاں فرمائی ہیں وہ قطعی طور پر سچی اور سب کے لئے واجب التسلیم ہیں ان کی تصدیق کرنا ایمان اور انکا انکار کرنا کفر ہے تو مرزا قادیانی یقیناً ان کا منکر ہو کر کافر ہوا ہے۔

مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا کہ اسکو الہام ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی حفاظت کرے گا اور اسکے گروہ کی حفاظت کرے گا حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ اگر مرزا خود اپنے اس الہام کو سچا جانتا تو لاہور کے مناظرے سے فرار نہ کرتا یا اس نے اللہ تعالیٰ کو جھوٹا جانا کہ وہ حفاظت کا وعدہ تو کرتا ہے مگر وعدہ پورا نہیں کرتا (العیاذ باللہ) اصل بات یہی ہے کہ مرزا کے الہامات جھوٹے اور من گھڑت ہوتے ہیں۔

مرزا قادیانی نے رفع مسیح علیہ السلام کو محال عقل قرار دیتے ہوئے از راہ تمسخر کہا کہ آسمان پر مسیح بول و براز کس جگہ کرتا ہو گا اور اتنی عمر کا ہو کر نکما نہ ہو گیا ہو گا پھر اُترنے کے بعد کس کام کا ہو گا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی پر اجماع اُمت کے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے کہا تو حضرت پیر صاحب نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی کتاب "فقہ اکبر" کا علامہ زرقانی مالکی کی شرح مواہب قسطلانی کا علامہ سیوطیؒ کی کتاب الاعلام کا حوالہ

دیتے ہوئے لکھا کہ آئمہ اربعہ کے مسانید اور ان کے مقلدین کی تصانیف رفع عیسیٰ علیہ السلام کے اجتماعی عقیدہ ہونے پر گواہ ہیں۔

مرزا قادیانی نے کہا کہ آیت قرآنی میں متوفیک و رافعک میں وفات پہلے ہے اور رفع بعد میں گویا عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے وفات ہوئی پھر رفع ہوئی حضرت پیر صاحب نے جواب دیا کہ اصول و معانی کے اعتبار سے واوَ کا لفظ ترتیب کے لئے نہیں ہوتا جیسے قرآن مجید میں ہے۔ اَقِیْمُو اِلصلوٰةَ وَلاَ تَکُوْنُوْا مِنَّ الْمُشْرِکِیْنَ۔ یہاں نماز کا ذکر پہلے اور دفع شرک کا بعد تو کیا یہ معنی ہوں گے کہ پہلے نماز پڑھو پھر رفع شرک کرو نہیں ہرگز نہیں بلکہ پہلے رفع شرک کرنا ہے اور پھر نماز پڑھنا ہے۔

مرزا قادیانی نے لکھا "کہ اگر تم حسرت سے مر بھی جاوٴ تب بھی "توفی" کا معنی بغیر موت نہ بتا سکو گے" اس کے جواب میں حضرت پیر صاحب نے لکھا کہ لسان العرب میں اس کا معنی ہے کسی چیز کا پورے طور پر پکڑنا دوسرا معنی ہے پوری گنتی کرنا اور صاحب تاج العروس نے اسکی تائید کی ہے تیسرا معنی لسان العرب میں سوال کرنا ہے۔ چوتھا معنی عذاب دینا ہے پانچواں معنی نیند ہے اور چھٹے نمبر پر مجاز امیت پر یہ لفظ بولا جاتا ہے مرزا صاحب نے تو کہا کہ توفی کا معنی صرف موت ہے حالانکہ موت اس کی حقیقی معنی قطعاً نہیں بلکہ مجازاً یہ لفظ موت / میت کے لئے بولا جاتا ہے۔

لکھا گیا کہ آیت لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قِبْلَ مَوْتِہٖ میں نون تاکید ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ جملہ خبریہ نہیں بلکہ انشائیہ ہے تو پھر یہ آیت پیشین گوئی یعنی خبر مستقبل کیوں کر ہو سکتی ہے۔ حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ کتب نحویہ میں ہے کہ نُوْنَ التَّا کِیْدُ یُوِکّد مُسْتَقَبِلاً فِیْہِ مَعْنِی الطَّلَبِ اور قاعدہ ہے کہ نون تاکید ایسے مستقبل میں داخل ہو جو محض خبر ہو تو اول فعل پر لفظ تاکید لایا جاتا ہے اور اس آیت میں لام تاکید موجود ہے لہٰذا لیومنن جملہ خبریہ ہے جو قسم

مقدر کا جواب ہے۔ قاضی بیضاوی اور صاحب کشاف نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

امروہی مرزائی نے لکھا کہ جملہ تفاسیر میں جملہ قسمیہ لکھا ہے۔ جو انشائیہ ہوتا ہے اس پر حضرت پیر صاحب نے فرمایا فعل قسم انشائیہ ہوتا ہے نہ کہ جواب قسم بیضاوی اور کشاف وغیرہ نے "لیومنن" کو جملہ انشائیہ نہیں کہا بلکہ جملہ خبریہ موکدہ بالانشائیہ ٹھہرایا ہے۔

چونکہ مرزا قادیانی کا زور اس بات پر تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم کے ساتھ آسمانوں پر نہیں اُٹھائے گئے اور نہ ہی وہ آسمانوں سے نزول فرمائیں گے اس لئے قدیم اور جدید فلسفے کی بنیاد پر ثابت کیا کہ کوئی بھی بشری جسم کے ساتھ آسمانوں پر نہیں جا سکتا حضرت پیر صاحب نے اسکی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ برودت یا حرارت کو وجہ امتناع قرار دینا غلط ہے کیونکہ قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو گلزار بنا دیا تھا تو وہ قادر مطلق اپنے جس بندے کو آسمان پر لے جانا چاہے تو کرہ زمہریریہ اور ناریہ کو اس سے روک سکتا ہے کہ انکی برودت اور حرارت اس بندے کو نقصان دے اس طرح نبی اکرم ﷺ کو اللہ جل شانہ آپ کے جسم بشری کے ساتھ آسمانوں پر بلایا لامکاں تک لے گیا لہٰذا حضور ﷺ کا معراج جسمی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمی ایک اجتماعی عقیدہ ہے جن کے خلاف نہ کوئی عقلی شہادت ہے نہ ہی نقلی۔

امروہی مرزائی نے آیت قرآنی وَمِنْكُمْ مَنْ يَتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمَرِ" پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی تو وہ "مَنْ يُرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمَرِ" میں شامل ہوں گے اور پھر ضرور لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا کے مصداق ہو کر بالکل ناکارہ ہو چکے ہوں گے تو زمین پر نازل ہو کر کیا کام سرانجام دے سکیں گے۔

حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وَمِنْكُمْ مَنْ يَتَوَفّٰى" میں شامل نہیں اور آیت نے یہ تو نہیں کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام وفات پا چکے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں زمین پر نازل ہوں گے بقیہ زندگی گزاریں گے ضروری کام سرانجام دیں گے اور پھر وفات پائیں گے اور یہ بات اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

امروہی مرزائی نے آیت قرآنی وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (الانبیا:۸) کو بنیاد بناتے ہوئے کہا کہ کوئی جسم طعام کھائے بغیر نہیں رہ سکتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر طعام کھائے بغیر کس طرح زندہ ہیں تو حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ یہ بات اہل زمین کے لئے ہے جو اہل سماء ہیں انکی غذا رب کی تسبیح و تہلیل ہوتی ہے جس ملک میں جو جاتا ہے وہیں کا طعام کھاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو آسمان پر لے جاتا ہے تو اس سے طعام ارضی کا اشتہا سلب فرمالیتا ہے۔ قرآن مجید سے اصحاب کہف کا تین سو نوے دن تک کھائے پیئے بغیر زندہ رہنا ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ جب دجال تمام کھانے پینے کا سامان اپنے ہاتھ میں لے لے گا تو مومنین کا کیا حال ہو گا فرمایا اس دن اہل آسمان کی طرح رب کی تسبیح و تہلیل ان کی غذا ہو گی۔

مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور پھر نزول کرنے سے انکار کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کی تھی کہ جو مرجاتا ہے وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آتا حضرت پیر صاحب نے اس کے جواب میں حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جو قرآن میں درج ہے کہ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ" اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیز علیہ السلام کو سو سال تک موت دے کر رکھا پھر انہیں زندہ کر اُٹھایا۔ اس جواب پر قادیانی نے تاویل و تحریف سے کام لیتے ہوئے اپنی کتاب ازالۂ اوہام میں لکھا کہ "خدا تعالیٰ کے کرشمہ قدرت نے ایک لمحہ کے لئے حضرت عزیز علیہ السلام کو زندہ کر کے دکھلایا مگر ان کا دنیا میں آنا صرف عارضی تھا اور دراصل عزیز علیہ السلام بہشت میں موجود تھے" حضرت

پیر صاحب نے فرمایا کہ قرآن مجید کی اس آیت کا سیاق و سباق ثابت کرتا ہے کہ حضرت عزیز علیہ السلام کی موت و حیات حقیقی تھی مجازی نہ تھی۔ امام بیضاوی لکھتے ہیں کہ جب حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ جل شانہ نے دوبارہ زندہ فرمایا تو انہوں نے اپنے حافظے کے ذریعے پوری تورات کو املا کرا دیا اس پر سارے لوگ متعجب ہو کر رہ گئے تو کیا یہ سارا کام لمحہ بھر میں ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ لمحہ بھر کے لئے زندہ کرنا بھی تو اس بات کو رد کرنے کے لئے کافی ہے کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا گیا۔

حضرت پیر صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۴۳ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں یہودیوں کو موت دی اور پھر انہیں زندہ کر دیا ارشاد ربانی ہے:۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ" جلالین میں ہے کہ یہ لوگ زندہ ہونے کے بعد مدت دراز تک زندہ رہے۔ اسی طرح غزوہ بدر میں جو ۲۴ سرداران قریش مارے گئے تھے ان کی لاشیں کنوؤں میں پھینک دی گئی تھیں اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ان کو توبیخاو حسرتاً سنا دیا چنانچہ بخاری میں بروایت قتادہ ہے قَالَ قَتَادَةُ اَحْیَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰی اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِیْخًا وَتَصْغِیْرًا وَنِقْمَةً وَحَسْرَتًا وَنَدَمًا۔ (بحوالہ مشکواۃ)

حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ قرآن مجید کی آیت وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنَاهَا اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ" میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ موتی پھر دنیا میں نہیں آ سکتے مگر اللہ تعالیٰ نے بطور خاص اپنے کئی بندوں کو موت کے بعد دوبارہ اس دنیا میں زندہ فرمایا اور اپنی مصلحتوں کے لئے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔

مرزا قادیانی نے آیت قرآنی "اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ"

(الزمر:۳۰) کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر دلیل بنایا تو پیر صاحب نے فرمایا کہ انکی میت سے امر واقعی میں موت کا ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آنحضرت ﷺ تو ابھی بشری حیات ہی میں تھے جب یہ آیت نازل ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر کار اس دنیا سے رحلت کرنا ہے تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں نازل ہوں گے اور پھر دنیا سے ان کی رحلت ہو گی۔

مرزا نے آیت قرآنی وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ" کو دلیل بنایا تو پیر صاحب نے جواب دیا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی ہمیشہ اس دنیا میں نہیں رہتا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نزول فرمائیں گے پھر ان کی وفات ہو گی وہ ہمیشہ اس میں دنیا میں نہیں رہیں گے۔

مرزا قادیانی نے آیت قرآنی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" کو دلیل بنایا تو حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ مرزا صاحب کا یہ خیال غلط ہے کہ اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا موت پا جانا ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہاں مرزا صاحب نے خلت بمعنی ماتت اور الرسل کے لام کو استغراقی قرار دیا ہے جو درست نہیں کیونکہ خلت بمعنی مضت ہے اور لام جنسی ہے خلت معنی مضت دیگر آیات سے ثابت ہے مثلاً قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ نیز لغت اس کی تائید کرتی ہے۔ اور لام استغراقی کا غلط ہونا اس طرح بھی ثابت ہے کہ قرآن مجید میں ہے مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" اگر الرسل پر لام استغراقی تسلیم کیا جائے تو ثابت ہو گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے سارے رسول مر چکے ہوں حالانکہ اس آیت کے نزول کے وقت حضرت سیدنا محمد ﷺ دنیا میں موجود تھے۔ لہٰذا اس سے سب رسولوں کا مر جانا ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ آخر کار

ہر ایک پر موت نے آنا ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نزول فرمائیں گے اور پھر ان پر بھی موت آئے گی۔

کتاب "سیف چشتیائی" میں مرزا صاحب کی پشین گوئیاں بھی درج کی گئی ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ یہ پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ مرزا احمد بیگ اور اسکے داماد کی موت اور آسمانی منکوحہ کے نکاح سے متعلق پیشین گوئی بطور مثال پیش کی گئی۔ مرزا جی نے اس کے لئے باقاعدہ اشتہار شائع کیا جو مورخہ ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو قادیان ضلع گورداس پور سے شائع کیا گیا۔ پھر اس سلسلے میں تتمہ اشتہار مورخہ ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء کو شائع کیا گیا۔ ان میں دعویٰ کیا گیا کہ ۲۱ اگست ۱۸۹۳ء تک مرزا سلطان محمد داماد مرزا احمد بیگ مرجائے گا ایسا نہ ہوا اور مرزا سلطان محمد اس تاریخ کے بعد کئی سال تک زندہ رہا۔ اس پر مرزا قادیانی نے حیلہ و بہانہ کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ اس نے توبہ کرلی اور دعائیں شروع کر دیں اور وہ زندہ بچ گیا۔ حضرت پیر صاحب نے فرمایا کہ اگر مرزا سلطان محمد دین اسلام سے منحرف ہو کر قادیانیت کو قبول کر لیتا اور مرزا قادیانی کی اطاعت اختیار کرلیتا تب مرزا قادیانی کی تاویل درست ہوتی مگر وہ تو پہلے کی طرح مرزا قادیانی کے نظریات کا شدید مخالف رہا باقی رہا دعائیں کرنے کا مقابلہ تو ہر مسلمان جل جلالہ سے دعائیں کرتا ہے لہٰذا مرزا قادیانی کی تاویل غلط ہے۔ نیز مرزا قادیانی نے مرزا احمد بیگ کی بیٹی محمدی بیگم سے نکاح کرنا چاہا اور الہامی پیشین گوئی کی کہ اس لڑکی سے جو دوسرا شخص نکاح کرے گا وہ مر جائے گا اور اس کا نکاح مرزا قادیانی سے ضرور ہو گا یہ دونوں باتیں غلط ثابت ہوئیں محمدی بیگم کا خاوند مرزا سلطان مرزا قادیانی کی موت کے بعد بھی زندہ رہا اور محمدی بیگم کا نکاح مرزا قادیانی کے ساتھ نہ ہو سکا۔ بہرصورت کتاب سیف چشتیائی رد مرزائیت میں نہایت عالمانہ محققانہ اور واضح ترین ہدایت ہے جو اپنی مثل آپ ہے۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنویؒ
——— تبلیغی مساعی

صاحبزادہ شمس العارفین
نیریاں شریف آزاد کشمیر

حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنویؒ کی ہمہ جہت مساعی

صاحبزادہ شمس العارفین

وادی کشمیر جس کا حسن ضرب المثل ہے۔ جہاں کے قدرتی حسن، بلند و بالا برف پوش چوٹیوں، حسین وادیوں اور بہتے دریاؤں نے دنیا کو اپنے نظاروں کی طرف متوجہ کر رکھا ہے۔ وہاں مادی حسن کے ساتھ ساتھ روحانی مراکز نے بھی فیضان کے ایسے چشمے جاری کر رکھے ہیں کہ جہاں سے مخلوق خدا اپنی روحانی تشنگی بجھا رہی ہے۔ شاہ ہمدان، درگاہ حضرت بل، سائیں سہیلی سرکار پیر شاہ غازی ایسے ہی مراکز انوار و تجلیات میں سے ایک مرکز دربار عالیہ نیریاں شریف بھی ہے اس فلک بوس پہاڑ پر ایک مرد حق آگاہ نے میخانہ عشق و مستی کھولا۔ حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنویؒ مردم خیز سرزمین افغانستان کے علاقہ گردیز میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی محمد اکبر خانؒ پاکباز، غیرت ملی سے سرشار اپنے وقت کے جید عالم دین تھے انہوں نے آپ کی تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے ہوئے قرآن و حدیث کی تعلیم سے آپ کے قلب و ذہن کو آراستہ کیا علاقے کے نامور علماء سے دینی علوم کا اکتساب کرایا۔ کردار کی پاکیزگی، شریعت کی پابندی اور طریقت کی لگن نے طالب علمی کے دور سے ہی ایک ممتاز مقام دے رکھا تھا۔ آپ کا یہ وصف اس واقعہ سے اور

بھی واضح ہو جاتا ہے آپ اپنے طالب علم ساتھیوں کے ہمراہ افغانستان کے عظیم روحانی پیشوا حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور وہاں اس وقت کے سجادہ نشین سے ملاقات ہوئی انہوں نے باری باری سب طلباء سے مصافحہ فرمایا جب آپ کی باری آئی تو اس بزرگ شخصیت نے آپ کو غور سے دیکھنے کے بعد آپ کے استاد محترم سے فرمایا کہ مجھے اس بچے کی پیشانی میں ولایت کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس بزرگ کی پیش گوئی کو زمانے نے سچ ہوتے دیکھا۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے خاندانی دستور اور مخصوص روایات کے مطابق تجارت سے وابستہ ہوئے۔ تجارت میں روز افزوں ترقی اور وسعت کی بناء پر آپ نے برصغیر (موجودہ پاکستان) کا رخ کیا۔ شباب کے اس عالم میں دوران سفر تقویٰ اور یاد الٰہی سے آپ لمحہ بھر بھی غافل نہ ہوئے۔

تلاش حق کی جستجو نے آپ کے اندر ہر وقت ایک ہیجان برپا کیئے رکھا۔ آپ کشمیر کے علاقے آزاد پتن میں سفر تجارت پر تھے کہ آپ کی ملاقات ایک قافلے سے ہوئی جو اس دور کی عظیم درگاہ موہڑہ شریف (مری) میں خواجہ محمد قاسم صادق موہڑویؒ کے پاس عرس کی حاضری کے لئے روانہ تھا۔ استفسار پر جب آپ نے خواجہ محمد قاسم موہڑویؒ کا نام سنا تو آپ کے باطنی جذبات برانگیختہ ہو گئے آپ نے ان سے کہا کہ میری طرف سے یہ نیاز پیش کر کے دعا کی درخواست کرنا جب اس شخص نے نذرانے کے ساتھ دعا کی درخواست کی تو بابا جی صاحب موہڑویؒ نے فرمایا کہ اُس مسافر تاجر سے کہنا کہ مجھے نذرانے کی نہیں آپ کی ضرورت ہے چنانچہ کچھ عرصہ بعد آپ موہڑہ شریف حاضر ہوئے، خواجہ قاسم موہڑویؒ نے دیکھتے ہی فرمایا:۔ مجھے آپ کا مدت سے انتظار تھا۔ اس پہلی ملاقات کے بعد کچھ عرصے تک تجارت جاری رکھی مگر من

کی دنیا میں ہلچل برپا رہی آخر کار مادی چاہتوں کو روحانی لذتوں پر قربان کر کے موہڑہ شریف حاضری دی حضرباباجی صاحب نے فرمایا اب آپ نے ایسی تجارت کرنی ہے کہ آپ کی دکان سے مغرب' مشرق' شمال اور جنوب کی مخلوق سودا خریدے گی جاؤ اور لنگر کی خدمت کرو آپ نے وہاں عرصہ بارہ سال تک اپنے مرشد گرامی کے حکم پر خدمت خلق' محنت و ریاضت سے بھرپور چلہ کاٹا۔ دن مخلوق خدا کی خدمت میں اور رات یاد الٰہی میں بسر فرماتے۔ آخر کار سرکار موہڑوی ؒ نے فرمایا جاؤ کشمیر میں ایسی جگہ تلاش کرو جو آبادی سے دور ہو مگر خالی زمین بہت سی ہو آپ کے حکم پر اعلیٰ حضرت پیر محمد زاہد خان صاحب ؒ نے آپ کوڈنہ پوتھی میرخان کے مقام پر تقسیم فیض کے لئے بٹھایا۔

یہ مقام کم آبادی اور گھنے جنگلات کی بنا پر جنگلی درندوں کی آماجگاہ تھا وہی گمنام و ویران جنگل آج لاکھوں انسانوں کی عقیدتوں کا مرکز دربار عالیہ نیریاں شریف کے نام سے مشہور ہے جہاں ہر وقت ذکراللہ کی محفلیں سجتی اور اللہ ھو کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ تنہائی' غریب الوطنی مگر طمانیت قلب صبر و استقامت سے بھرپور اس سفر میں آپ کے برادر اصغر حضرت پیر محمد دراب خان صاحب ؒ المعروف پیر ثانی صاحب نے ایک بہترین ہم سفر کا کردار ادا کیا۔ تنگ دستی و آزمائش کی ہر گھڑی میں حوصلہ اور جرأت سے کام لیا آپ نے شریعت و طریقت کی پاسداری کو اپنا شعار بنایا اور زندگی کو دین کی سربلندی اور تبلیغ کے لئے وقف فرمایا۔

حضرت خواجہ غزنوی ؒ نے اپنی تبلیغ کے ذریعے لاکھوں انسانوں کا رخ گناہ کی پرخار وادی سے پھیر کر چمنستان نور کی طرف کر دیا اور ہزاروں دل جو صرف پیمانہ گردش لہو تھے کو اللہ کا گھر بنا دیا آپ نے اپنی تبلیغ میں ہمیشہ اس اصول کو غالب رکھا کہ "طریقت شریعت کے ماتحت ہے۔" آپ نے فرمایا کہ انسان کا دل نور کا آئینہ ہے نورانیت و ظلمت یکجا نہیں ہو سکتے اس لئے جب

دل پر دنیاوی لذتوں کی گرد پڑ جاتی ہے تو ہزاروں نعمتوں و آسائشوں کے باوجود سکون کی دولت سے محرومی رہتی ہے۔ جب دل ذکر الٰہی اور محبت رسول ﷺ سے سرشار ہوتا ہے تو سب کچھ مٹا کر بھی فقیر محبت کے نشے میں مست و مسرور ہوتا ہے آپ اکثر فرمایا کرتے کہ جس دل میں عشق رسول ﷺ کی ایک کرن بھی موجود ہو اس دل کو دوزخ کی آگ بھی نہیں جلا سکتی۔ آپ نے فرمایا فقیر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جس کے پاس کچھ نہ ہو محتاج کی زندگی گزار رہا ہو اس کو فقر اضطراری کہتے ہیں ایک قسم وہ ہے کہ اپنا سب کچھ اللہ کے نام پر لٹا کر ماسوٰی اللہ سے بے نیاز ہو جائے۔ یہ فقر اختیاری ہے۔

آپ اپنی تعلیمات میں ان چاروں اصولوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں جو سلسلہ نقشبندیہ کے بنیادی اصول ہیں۔

۱۔ ہوش دروم:۔ اپنے ایک ایک سانس پر پہرہ تاکہ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرے۔

۲۔ نظر برقدم:۔ ایک ایک قدم پر شریعت کا پہرہ دینا تاکہ کوئی قدم شرع مقدس اور طریقت کے خلاف نہ اُٹھے۔

۳۔ سفر در وطن:۔ نیک لوگوں کی مجالس کے لئے سفر اور تلاش حق کے لئے سرگرداں رہے تاکہ روحانی مجالس طے کرنے میں آسانی ہو۔

۴۔ خلوت در انجمن:۔ انسان اپنے آپ کو ذکر کا ایسا عادی بنائے کہ لوگوں میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے بیگانہ رہے۔ معاملات دنیا بھی نبھائے اور یاد الٰہی سے غافل بھی نہ ہو۔

ان روحانی تعلیمات کے ساتھ ساتھ آپ نے ہمیشہ اپنے وجود پر احکام الٰہی اور سنت رسول اللہ ﷺ قائم رکھی۔ رات یاد الٰہی اور دن مخلوق خدا کی بھلائی اور خدمت میں گزارتے۔ ایک جید عالم دین ہونے کے باوجود آپ نے علمیت کے بجائے فقرو نگاہ کو اپنی تبلیغ کا ذریعہ بنایا مثلاً چھمب کے علاقے میں

ایک جگہ کا نام ہے برہان۔ حضور قبلہ عالم اس علاقے میں دورے پر تھے وہاں بعض علمائے کرام کو کسی نے خبر دی کہ اس علاقے میں ایک پیر آیا ہے۔ انہوں نے حضور قبلہ عالم کو مناظرے کا چیلنج کر کے وقت اور جگہ کا اعلان کرا دیا۔ ساتھی علماء نے عرض کیا کہ حضور آپ کی جگہ ہم مناظرہ کریں گے آپ نے فرمایا یہ میرا معاملہ ہے جب وقت آیا تو دیکھ لیں گے۔ دوسرے روز جب علماء جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا میں علماء کی بہت قدر کرتا ہوں مجھے خوشی ہوئی کہ آپ میرے عیبوں کی نشاندھی کرنے آئے ہیں مناظرہ کس بات کا؟ آپ شروع فرمائیں آپ میرا ایک ایک عیب مجھے بتاتے جائیں میں ابھی توبہ کرتا جاؤں گا۔ علماء کو اس قسم کی شفقت اور عجز شائد پہلی بار دیکھنے کو ملا۔ عرض کیا جناب ہم نے جو سنا تھا وہ کچھ اور تھا ہمیں افسوس ہے ہم آپ کی شخصیت کو پہچان نہیں سکے آپ نے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ انہیں الوداع کیا۔

آپ اپنی ساری زندگی متعلقین و غیر متعلقین مریدین کی اصلاح فرماتے رہے شفقت کا یہ عالم تھا کہ غیرمذہب لوگوں کا بھی مجلس میں ایک ہجوم رہتا بالخصوص آپ کے تبلیغی دوروں میں ہندو اور سکھ کثرت کے ساتھ موجود رہتے ایک واقعہ جس سے آپ کے خلق کا اندازہ کرنے میں آسانی رہے گی یہ ہے کہ آپ کا خلق حضور سیدالکونین کے خلق کا نمونہ تھا آپ کا انتہائی غصہ بھی عام آدمی کے انتہائی اخلاق سے بہتر ہوتا ایک دفعہ پونچھ شہر کے قریب گلپور چھاترہ کے مقام پر جو اب ہندوستان کے قبضے میں ہے ایک ہندو نمبردار نے کہا کہ حضرت مجھے لنگر کی اجازت دیں اخراجات میں برداشت کروں گا پکانے والے لوگ آپ کے ہوں گے۔ آپ نے اسکو اجازت دے دی اس نے لنگر پکوایا حضرت صاحب جب اس کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اسی مکان کے ایک کونے میں ایک چادر کے نیچے کچھ چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا نمبردار صاحب چادر کے نیچے کیا ہے؟ بولا حضرت پردے کی بات پردے میں ہی رہنے

دیں۔ انہوں نے تمام بت اکٹھے کر کے چادر کے نیچے چھپا دیئے تھے حضور قبلہ عالم نے فرمایا اگر آپ کی طبیعت پر بوجھ نہ بنے تو جس خدا کا نام آپ چھپا کر لیتے ہیں اسی کے نام کو تھوڑی دیر کے لئے بلند آواز سے لیں تو اس میں کوئی حرج ہے؟ سب نے کہا حضرت ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں اس میں کیا حرج ہے؟ چنانچہ محفل ذکر ہوئی۔ اختتام مجلس پر تمام بت انہوں نے اپنے ہاتھوں سے توڑ کر باہر پھینک دیئے۔ آپ نے اپنی چادر اس کے سر پر باندھ کر فرمایا نمبردار صاحب دو باتیں یاد رکھنا ایک یہ کہ میری چادر کی بے ادبی نہ کرنا اور دوسری یہ کہ اندر کی آگ نہ بجھنے دینا۔ دنیا کی آگ تو کیا تمہیں دوزخ کی آگ بھی نہیں جلا سکتی آپ تشریف لے آئے۔ نمبردار کو اس کے ساتھیوں نے بہت تنگ کیا تو وہ سیدھا حضرت صاحب کے پاس آگیا۔ آپ نے پوچھا نمبردار صاحب کیا حال ہے؟ کہنے لگا حضرت آپ کے آنے کے بعد در و دیوار سے کلمے کی ہی صدائیں بلند ہو رہی ہیں آپ نے فرمایا آگے آؤ جو چھپا کر رکھا ہے اس کو ظاہر کر دو آپ نے اسکو کلمہ پڑھایا اور رخصت فرمایا۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ فوت ہو گیا۔ اہل محلہ اور قبیلہ کے لوگوں نے اس کو جلانے کی بھرپور کوشش کی کئی من لکڑیاں اور تیل جل جانے کے باوجود نمبردار صاحب کو آگ نہ لگی آخر ان کو پتھر باندھ کر دریائے پونجھ میں ڈبو دیا تھوڑا دور جا کر وہ پھر پانی سے باہر آ گئے آخر مسلمانوں نے ان لوگوں سے اجازت لے کر پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا اس واقعہ کا جب حضرت صاحب سے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا دنیا کی آگ تو کیا اس کو دوزخ کی آگ بھی نہیں جلا سکتی۔ آپ نے تمام زندگی سفرد حضر میں درس توحید دیا۔ ان پاکیزہ مجالس کے قیام کے لئے آپ نے تمام زندگی سفر میں گزاری۔ پاکستان و آزاد کشمیر کے مختلف علاقوں کے تبلیغی تعلیمی و اصلاحی دورے فرمائے لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ کے حلقہ اثر میں شامل ہوئے۔

ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی پاک ﷺ کی سنتوں کا فیضان عام کرتے کرتے آخر کار ۱۱ اپریل بروز جمعۃ المبارک بعد از نماز جمعہ اپنے مالک کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اسی کے جلووؤں میں ابدی نیند سو گئے آپ کے بعد آپ کے جانشین اعلیٰ حضرت علامہ پیر طریقت پیر محمد علاء الدین صاحب صدیقی نے آپ کی تعلیمات و تقسیم فیضان طریقت کے سلسلہ کو قائم رکھنے اور اس فیضان کو صبح قیامت جاری رکھنے کے لئے محی الدین اسلامی یونیورسٹی کی صورت میں ایک عظیم الشان ادارہ قائم فرما کر اپنے اسلاف کی سنت کو ہمیشہ کے لئے زندہ فرما دیا۔ والد گرامی کی خصوصی توجہ و تربیت کے نتیجے میں آپ نے لاکھوں انسانوں کو شریعت و طریقت کے جام پلائے ہیں۔

آپ کے دل میں عشق رسول ﷺ کردار میں سنتوں کا نور چھلکتا نظر آتا ہے آپ نے ابتدائی تعلیم تراڑ کھل سے حاصل کرنے کے بعد ہری پور' لاہور اور فیصل آباد سے اپنی دینی تعلیم کی تکمیل فرمائی تفسیر و حدیث میں آپ نے حضرت العلامہ مولانا سردار احمد صاحب فیصل آبادؒ سے اکتساب فیض فرمایا آپ نے عالم شباب سے ہی تبلیغ دین کو اپنا پسندیدہ معمول رکھا۔ پاکستان' آزاد کشمیر' برطانیہ' عرب امارات میں کئی دینی مراکز قائم فرمائے۔ برطانیہ میں نقشبندیہ ٹرسٹ اور (العرفان) رسالہ آپ کی دیار غیر میں دینی خدمات کا نمایاں ثبوت ہیں آج بھی جامعہ محی الاسلام صدیقیہ برمنگھم اور لندن میں قائم ہیں۔

نیریاں شریف کی دشوار گزار اس چوٹی پر کھڑی امید افزاء یہ عمارت محی الدین اسلامی یونیورسٹی کی صورت میں آج آپ کے سامنے ہے۔ اپنے والد گرامی کی دلی خواہش پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آپ نے اس بار عظیم کو اپنے کندھوں پر اُٹھایا۔ محی الدین اسلامی یونیورسٹی جو کبھی خواب معلوم ہوتا تھا آج ایک عظیم عملی تعبیر کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

یہ معزز سکالر یہ یونیورسٹی اور اس پر آشوب دور میں یہ علمی سیمینار

برعنوان تصوف اُمید دلاتے ہیں کہ زمین مردان خدا سے خالی نہیں۔

آرام و آسائش سے دور اس جنگل میں اس علم کے مرکز کا قیام علامہ اقبالؒ کے اس تصور کی ترجمانی کرتا ہے کہ

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مرد کوہستانی

حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنویؒ
ـــــــ تعلیمی اور تبلیغی مساعی

پروفیسر سید مقصود حسین راہی
گورنمنٹ کالج راولاکوٹ آزاد کشمیر

حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنوی ؒ کی تعلیمی اور تبلیغی مساعی

پروفیسر سید مقصود حسین راہی

اس عالم ناسوت' جہاں تار عنکبوت' میں خالق کائنات نے اپنے صوری اور معنوی حسن و جمال اور تزئین و آرائش کے لئے جہاں گل ہائے رنگا رنگ کو ظاہری نظروں کے لئے سجا رکھا ہے۔ وہاں اس صاحب شان صمدیت و ابدیت نے دل کی بستی کو آباد کرنے اور اسے حسین سے حسیں تر اور لذت نیاز و گداز سے آشنا کرنے کے لئے ایسی ہستیوں کو جو مختلف اوقات میں مختلف علاقوں' قبیلوں اور رنگ و نسل ہونے کے باوصف ایسی یک رنگی دے کر کائنات میں پھیلا رکھا ہے کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آ جاتا ہے۔ یہی ان کے مرد مومن ہونے کے لئے دلیل و پہچان مقرر ہے۔ اِذَارَ وو اذُ کِرَللّٰہ

شجر ایک ہے شاخیں مختلف ہیں' منبع ایک ہے نہریں مختلف ہیں منزل ایک ہے راہیں مختلف ہیں' مینا ایک ہے ساغر مختلف ہیں' جلوہ ایک ہے پر تو مختلف ہیں۔

یہ نقشبندیت' چشتیت' سہروردیت' قادریت ایک ہی چشمہ صافی و وافی کی مختلف نہریں ہی تو ہیں جو اپنے فیض و کرم سے انسانیت کی اُجڑی و ویران بستیوں کو نور الٰہی کی تنویر سے مستنیر کرتی ہوئی شرقاً و غرباً' جنوباً و شمالاً چار دانگ

عالم میں یوں پھیل گئی ہیں کہ ان کے تَلَذُّذ وَتَلَطُّفْ سے کوئی بھی محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جو جتنا قریب ہوا اسے اتنا ہی فیض ملا' جو جتنا دور ہوتا گیا اسی قدر محروم ہوتا گیا۔ کچھ ایسے ہوئے جو قریب رہ کر بھی ناکام و نامراد گئے' کچھ ایسے بھی ہوئے جو دور رہ کر بھی بامراد کامگار رہے۔ آخر کیوں؟

وجہ بالکل معلوم کہ یہ سب ظرف کی بات ہے۔ جس کا ظرف جیسا تھا اسے ویسا ہی پھل ملا' چٹیل میدان میں بارش کے قطرات وہ رنگ نہیں جماتے جو نرم' گداز اور اثر پذیر زمین میں جماتے ہیں' قصور قطرات کا نہیں' قصور اس پہاڑی کا ہے جو اثر نہ لے سکے۔ ورنہ قطرات باراں نے تو برسنے میں بخل سے کام لیا نہ کسی کنبے اور خاندان اور نسل کی تمیز کی۔ پھولوں نے تو اپنی خوش بو سے مشام جاں کو معطر کرنا ہی ہوتا ہے۔ ایسے ہی پھولوں میں سے ایک پھول غوث زماں قطب دوراں' خواجہ خواجگان قبلہ عام حضرت پیر غلام محی الدین غزنوی ثم نیروی قدس سرہ العزیز کی ذات والا صفات بابرکات ہے۔ جنہوں نے اپنی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ یاد حق میں یوں گزار دیا کہ خود غلام محی الدین ہوتے ہوئے محی الدین ہو گئے۔ والدین کریمین نے جب عہد طفلی ناموں کے انتخاب پر غور کیا ہو گا تو یوں محسوس ہوتا ہے۔ ملاء اعلیٰ میں اس علیم و خبیر خدا نے کائنات میں پہلے ہی اعلان کر دیا ہو گا کہ جس ہستی کے نام کے متلاشی ہو اسے اسم بامسمی ہونا چاہیئے' محی الدین یعنی دین کو زندہ کرنے والا۔ بہ نظر تعمق اگر دیکھا جائے تو بلاشک و ریب حضور قبلہ عالم نے اپنے فیض حق ترجمان سے اک عالم مستفیض فرمایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

دین حقہ کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے جو کچھ راہ حق میں کرنا پڑتا ہے۔ وہ سب حضور اعلیٰ سرکار نیروی ؒ نے کیا کسے معلوم نہیں کہ انسان جہاں پیدا ہوتا ہے جہاں بچپن اور لڑکپن گزارتا ہے اس جگہ کے پھول تو پھول کانٹے بھی بدل و جان عزیز و پیارے ہوا کرتے ہیں۔ تادم واپسی وہاں کی یادیں قلب و ذہن میں انگڑائیاں لیتی رہی ہیں' مگر حضور قبلہ عالم سرکار نیروی ؒ کے طریقت کی سنگلاخ اور پر بہار وادی میں قدم رکھتے ہی وطن کی یاد سینے میں رکھتے ہوئے بھی وطن کی محبت کو طریقت و شریعت کی راہوں میں رکاوٹ نہ بننے دیا اور اپنے پیرو مرشد کی خدمت اور اطاعت میں شب و روز یوں گزار دیئے کہ جب اس بھٹی سے نکلے تو خام سے کندن بن چکے تھے' تاآں کہ مسند غوثیت پر سرفراز ہوئے۔

دوسرا مرحلہ اپنے والدین' خویش و اقارب اور اہالی و موالی سے دوری اور یاد کا تھا' بسا اوقات انسان ایک کام کرنا چاہتا ہے۔ مگر اپنوں سے بعد کا تصور ذہن میں جاگزیں ہوتے ہی انسان اس کام سے رک جاتا ہے۔ مگر یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ آپ علیہ الرحمتہ کو جس عظیم مشن کی انجام دہی کے لئے تیار کیا جا رہا تھا اس کے جملہ تقاضوں کے پیش نظر آپ کو شدید ترین آزمائش سے گزار کر وہ سوزو گداز بہم پہنچایا جا رہا تھا جس سوزو گداز سے نہ صرف ایک دو ملک بلکہ پورا عالم اسلام تو کیا یورپ و افریقہ تک کو فیض پہنچانا مطلوب تھا۔ یہ کوئی محض قصہ کہانی یا محض عقیدت کی بھول بھلیاں نہیں ہیں بلکہ کائنات اور خود خالق کائنات اس بات پر شاہد عادل ہے کہ آپ کے عقیدت مندوں خلفاء و مریدین نے مستی بھرے ساغروں سے خوب خوب متمتع ہو کر ساری کائنات کو اس وقت اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہوا ہے۔ اور پھر دنیا حضرت خواجہ عالم قبلہ سرکار نیروی ؒ کے اس چشمہ فیض و فیض رساں سے جس ہستی نے بجا طور پر غواصی کر کے لولوئے معرفت سمیٹتے ہوئے پوری کائنات میں فیض

علم و عرفاں بکھیرا وہ مخدومی و مکرمی شیخ الشیوخ حضرت پیر علاؤ الدین صدیقی دامت برکاتھم العالیہ کی ذات گرامی وقار ہے جنہوں نے حضور قبلہ عالم کے مشن کو اس قدر آگے بڑھا دیا اور مسلسل بڑھے جا رہا ہے کہ جس کی نظیر عہد حاضر میں عنقا ہے۔

کیوں نہ ہو؟ باپ محی الدین ہو اور بیٹا علاؤ الدین ہو' باپ دین کو حیات نو بخشنے والا ہو تو بیٹا اس کو خون جگر دے کر یوں پروان چڑھائے کہ اہل دانش و بینش انگشت بدنداں رہ جائیں۔

محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف اپنے حسن صوری و معنوی سے وارفتگان دین مصطفوی اور عشاقان راہ طریقت کو بزبان حال پکار پکار کر اس امر کی دعوت دے رہی ہے کہ مجھے اس خار زار پہاڑی پر کسی کی نگاہ جلوہ طراز اور قدم رنجہ فرمائی نے یہ شرف بخشا ہے۔ وہ ساقی جو بظاہر خوابیدہ ہے۔ مگر حقیقتاً ایسا جاگتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں مل کر جاگتے ہوئے بھی اس سوئے ہوئے کے نقش کف پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

حضور قبلہ عالم ان نفوس قدسیہ میں سے ایک ہیں جنہیں نص قطعی کی زبان میں ولی اللہ کہا جاتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (البقرۃ:۲۵۷)

حضور قبلہ عالم اسی منصب جلیلہ پر فائز المرام رہے جہاں اللہ کریم نے ظلمات ظاہری و باطنی سے نکال کر ظاہری و باطنی نورانیت سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ آپ کی دینی' روحانی' ایمانی و ایقانی تبلیغی خدمات کا احاطہ مجھ مشت غبار خاک کف پائے قبلہ عالم کے لئے بہرصورت ممکن نہیں۔

کہاں میں کہاں ذات سرکار عالی
میں ذرے سے کم تر وہ باغوں کا والی

(مصنف)

تبلیغ دین اس بات کی متقاضی ہے کہ جو بات کہی جائے وہ کر کے دکھائی جائے اور اس پہ کئے جانے کی مداومت و استقامت ہو یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کی ہر ہر ادا ہر ہر لفظ اور ہر ہر سانس تبلیغ دین کا کام کرتی ہے۔ روحانیت سے خالی تبلیغ شاید تھیوری ہو لیکن Practical نہیں ہوا کرتی اور جس طرح ظاہری امتحانات میں تھیوری کے ساتھ عملی امتحان کا پاس کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام تھیوری کی طرف اشارہ کر کے عملی زندگی میں تربیت کر کے لوگوں کو اس قابل بنا دیتے ہیں کہ ان کے آئینے میں خدا نظر آنے لگتا ہے۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(اقبال)

اور عملی امتحان سے پاس ہو کر جب بساط حیات سمیٹ کر علماء اجل کو لبیک کہہ رہے ہوتے ہیں تو اللہ جل مجدہ الکریم کی طرف سے یہ مژدہ جانفزا سماعت نواز ہوتا ہے۔ کہ یَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَةً۔ علامہ اقبال نے شاید اسی منظر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ لوگ اورنگ جہاں بانی پہ تھوکتے تک نہیں۔ اورنگ جہاں بینی کی ایسی منزل پہ فائز المرام ہوتے ہیں کہ نظر اُٹھتی ہے تو سامنے لوح محفوظ ہوتا ہے۔ آنکھ بند کرتے ہیں تو جلوہ ہائے ایزدی کے تلاطم خیز انوار و تجلیات

رقصاں ہوتے ہیں' زمین ان کی ہیبت کے سامنے مبہوت اور آسمان پر سکوت اور فضا ساکت ہوتی ہے۔ ان کے دربار گنج بخش و فیض بار اور متلاشیان راہ حقیقت کے لئے نشان منزل کے آئینہ دار ہوتے ہیں' حضور قبلہ عالم نے شیخ کی محبت و خدمت پر کسی اور محبت کو غالب نہ ہونے دیا۔ چونکہ دَاعِیِ اِلَی الْحَقْ کے لئے پہلی منزل شیخ کامل تک رسائی اور فنافی الشیخ ہونا ہوتا ہے۔ کیوں کہ

پیر کامل صورت ظل الٰہ
یعنی دید پیر دید کبریا

چوں گرفتی پیرہن تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

بارہ سال سے بھی زائد عرصہ تک اپنے پیرو مرشد کی خدمت کا حق ادا کرنا واقعی ایک عظیم کارنامہ نہیں تو اور کیا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے برضا و رغبت اس منزل کو عبور کیا۔

پھر محبت رسول اللہ ﷺ کی بوٹی اپنے سینے میں ایسی بسائی کہ جو اس سینہ بے کینہ نور الٰہی کے خزینہ سے جا ملا در شہوار ہو گیا

گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

کسے معلوم نہیں کہ پوری کائنات میں بالخصوص برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی اشاعت کا اولین کام بجا طور پر اہل اللہ نے کیا'

سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان، سید علی ہجویری المعروف، داتا گنج بخش، معین الدین چشتی اجمیری، شمس الدین سیالوی، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، خواجہ بابا قاسم موہڑوی وغیرہ علیہم الرحمتہ و سینکڑوں دوسرے اکابر اولیاء کرام اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ اپنے اپنے ادوار میں جہاں جہاں اور جس جس طرح کی ضرورت تھی ان اہل اللہ نے نہایت بالغ نظری سے اور اپنے قول و عمل سے لوگوں کو معرفت الہیہ کے جام نوش کروائے، حضور قبلہ عالم نے اپنے مرشد کے کہنے پر جس دور میں نیریاں شریف میں قدم رکھا ہو گا اندازہ کیجئے کہ کتنا بھیانک منظر ہو گا۔ ویرانہ ہی ویرانہ دور دور تک آبادی کا کوئی نام و نشاں نہیں سڑکیں تو سڑکیں عام راستے بھی یہاں مفقود کہ جب آبادی ہی نہیں تو راستے کیسے، ہر چہار اطراف میں ایک ھو کا عالم، سناٹا، درندے منہ پھاڑے غذائے لذیذ کی جستجو میں بیاباں نوردی میں مصروف، خوردو نوش کا کوئی انتظام نہیں، نہ کوئی سنگی نہ ساتھی نہ مونس نہ غمخوار۔ مگر حکم مرشد ہے، محبت رسول ہے۔ پاس فرمان خداوندی ہے۔ کہ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ پھر یہ بھی کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

مجھے حضور قبلہ عالمؒ کے حالات و واقعات پڑھ سن کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ بالکل ویسے ہی حالات تھے کہ جب جناب حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے وادی غیرذی زرع میں اپنے معصوم لخت جگر اور زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو تنہا و یکہ چھوڑ دیا تھا بعینہٖ جب حضور سرکار اعلیٰ نیرویؒ کو نیریاں شریف میں بٹھایا جا رہا تھا تو حضور قبلہ عالم آزمائش کی واردات سے گزر رہے تھے اور پیچھے حضرت باباصاحب موہڑویؒ کے دست دعا بلند تھے۔ اور نیریاں شریف کا بھیانک جنگل بقعہ نور بنتا چلا گیا، اور یہ نور اس قدر فروزاں ہوا کہ آج اس کی ضوفشانی پوری دنیا کو اپنے دامن کشش میں

لئے ہوئے ہے۔

حضور قبلہ عالم نے روایتی انداز میں گلہ پھاڑ پھاڑ کر تبلیغ نہیں کی۔ پرنالوں کا کام شور شرابہ ہے۔ سمندر نہایت پرسکون ہوتا ہے۔ اپنے دامن میں کائنات کی اشیاء سموئے رکھتا ہے۔ حضور قبلہ عالم کی مثال ایک سمندر کی طرح ہے۔ نہایت سکوت' پیار' محبت' مودت' مروت' مونست' سپہ کی تیغ بازی سے نہیں بلکہ نگہ کی تیغ بازی سے ایسا کام کیا کہ جس پتھر دل پر نگاہ ڈالی کندن بنا دیا۔ جس کبیدہ خاطر کو سینے سے لگایا راحتیں اور مسرتیں اس کے دامن میں سمٹ آئیں' گمراہ پہ نظر ڈالی تو راہ حقیقت کا راہی بنا دیا' راہی پہ نظر کی تو رہنما بنا دیا۔ بھولے بھٹکوں کو دامن مصطفےٰ ﷺ سے وابستہ کر دیا۔ آج اس جنگل میں منگل ہو گیا' دینی و دنیوی علم ہم آہنگ ہو گئے' نور و عرفان کی قندیلیں روشن ہو گئیں۔ گھٹاٹوپ اندھیروں کے بادل چھٹ گئے' جہاں ھو کا عالم ہے۔ حضور قبلہ عالم کی تیغ قلوب و خواطر کی تطہیر تھی۔ گفتگو دل پذیر و اثر آفریں تھی کیوں کہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

آقائی ملجائی و ماوائی حضور قبلہ عالم کی ذات فرد نہیں انجمن تھی۔ کشمیر' پاکستان' افغانستان' ایران اور پوری دنیا میں کون سی جگہ ہے۔ جہاں آپ کے مریدین و متوسلین اشاعت دین کے کام انجام نہیں دے رہے ہیں۔

دیگر اولیاء کرام کی طرح آپ بھی تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ کا عملی نمونہ تھے۔ پاس ادائی فرائض دیکھئے کہ پوری زندگی کی کوئی نماز قضا نہیں سفر و حضر میں صرف دو تین گھنٹے استراحت فرماتے۔

پوری پوری رات تسبیح و تہلیل و دعا مناجات میں گزر جاتی۔ جذب و کیف و مستی کی عجب بہار دیکھنے میں آتی کہ کئی کئی گھنٹے ماسوا سے بیگانہ استغراقی حالت میں غلطاں و پیچاں نہایت فصاحت و بلاغت سے ایسی روحانی گفتگو فرماتے کہ ادھر دل سے نکلی ادھر دل میں جا اُتری' راقم کو حضور قبلہ عالم سے شرف بیعت بھی حاصل ہے۔ جسے اپنی زندگی کا متاع گراں بہا تصور کرتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ جس مسئلہ پر خیال پیدا ہوا۔ حضور اعلیٰ کی مجلس میں گئے تو اسی پر گفتگو ہونے لگی۔ نگاہ لوح محفوظ ہوتی۔ آنکھیں شراب معرفت سے معمور ہوتیں مجھے ایسے میں جلال الدین عارف رومی کی عملی تفسیر حضور اعلیٰ سرکار نیروی کی ذات میں نظر آئی۔

لوح محفوظ است پیش اولیا
ازچہ محفوظ است محفوظ از خطا

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

الغرض حضور قبلہ عالم نے ذکر و فکر' نگہ کی تیغ بازی' آہ سحرگاہی و سحر خیزی۔ سوز و ساز' فیضان نظر' نیاز نالہ ہائے نیم شب باشی سے کام لے کر اپنے متعلقین و متوسلین کی ایسی تربیت کی کہ گویا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

دعا ہے کہ اللہ کریم آپ کے ماحاصل حضرت علامہ شیخ الشیوخ قبلہ پیر صدیقی صاحب کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے جو حضور قبلہ عالمؒ کے مشن کو چار چاند لگاتے ہوئے بہت آگے لے گئے ہیں اور بہت آگے لے جانے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں یقیناً محی الدین اور علاؤالدین کے اسماء گرامی کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست

بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست
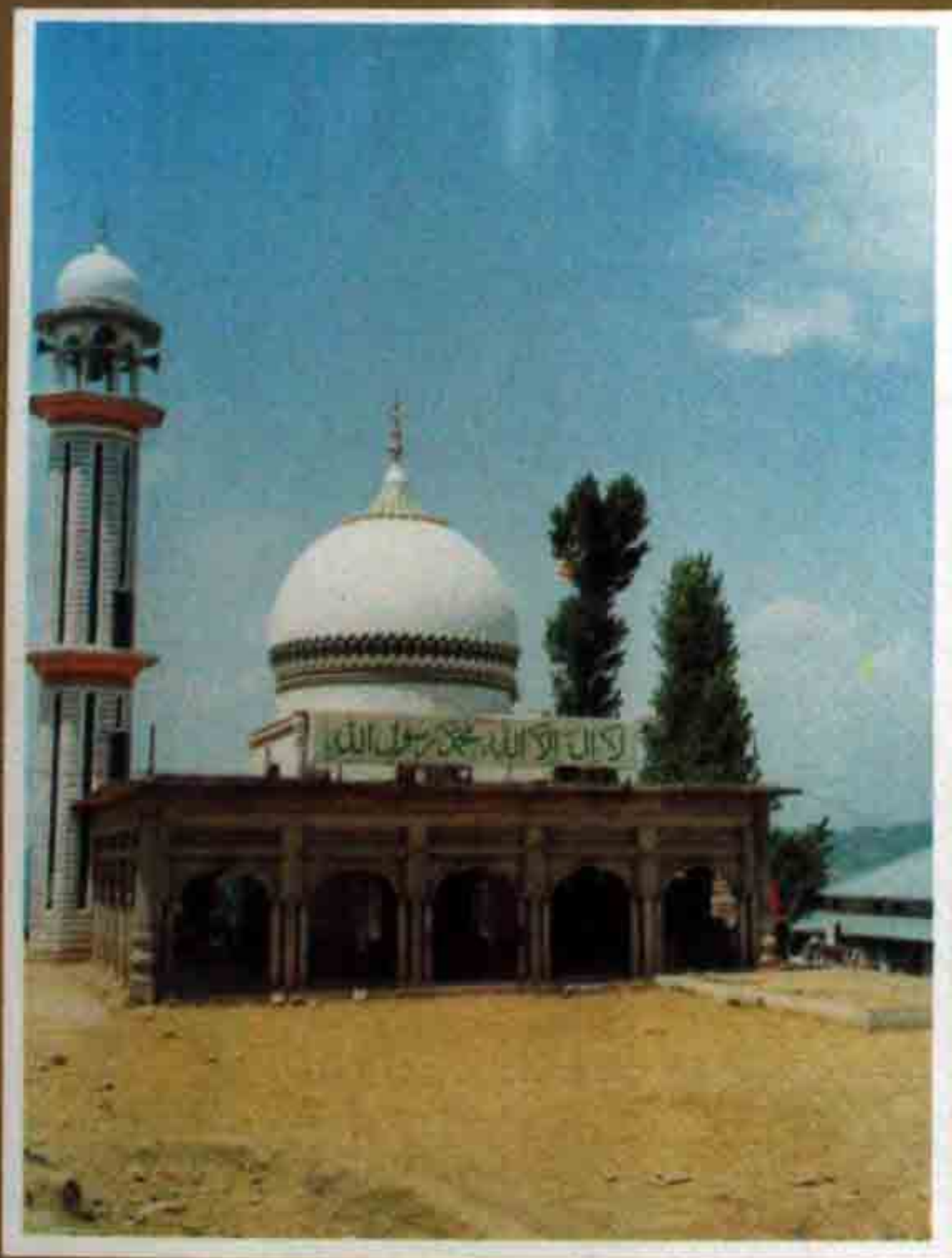
مزار حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنویؒ (نیریاں شریف)